الامام الصّادقؑ
والمذاہب الاربعہ

جلد دوم

الاستاذ اسد حیدر نجفی
علامہ سیّد حیدر جوادی کراروی

مکتبۂ تعمیرِ ادب لاہور

الامام الصّادق والمذاہبؒ الاربعہ

(جلد دوم)

تحریر

الاستاذ علامہ اسد حیدر نجفی مدظلہ العالی (نجف اشرف عراق)

مترجم

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی کراروی مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ تعمیر ادب (رجسٹرڈ)

۱۷۔ لیک روڈ، چوک پرانی انارکلی لاہور

❁

بار اول ـــــــــــــــ سنہ ۱۹۸۳ء

طباعت ـــــــــــــــ ظفر سنز پرنٹرز لاہور

تعداد اشاعت ـــــــــــــــ ایک ہزار

کتابت ـــــــــــــــ محمد صادق امین

قیمت ـــــــــــــــ 70/- [redacted] روپے صرف

❁

الامام الصادق والمذاهب الاربعة

ہماری گذارش

شہرۂ آفاق کتاب الامام الصادق والمذاہب الاربعہ کی جلد دوم کا اردو ترجمہ آپ کے زیرِ نظر ہے۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری اس پرشکوہ پیش کش کی جلد اول کو قبولیت خاص وعام کی سند حاصل ہوئی چنانچہ بہت کم مدت میں اس کے دو ایڈیشن شائع کرنے پڑے۔ ہمیں توقع ہے کہ الامام الصادق والمذاہب کی جلد دوم کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ اس جلد میں جناب ڈاکٹر حامد حفنی داؤد پروفیسر ادبیات قاہرہ یونیورسٹی کے تاثرات بھی شائع کیے جا رہے ہیں جس سے اس کی افادیت روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آجائے گی۔

فاضل مصنف حوزہ علمیہ نجف اشرف کے بزرگ استاد اور قلمکار ہیں جنہوں نے اپنی تحقیق انیق سے الامام الصادق والمذاہب الاربعہ کے موضوع پر مزید سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ اس جلد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ان کا دور اور اس کے مشکلات، مدرسہ فکر، تعلیمات، تلانذہ اور رواۃ حدیث ایسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا مقدس تذکرہ بھی شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام مالک بن انس کا فقہ سے تقابل کرتے ہوئے فقہ جعفری کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

مترجم کے فرائض ملت جعفریہ کے نامور خطیب اور عالم باعمل سرکار علامہ

السید ذیشان حیدر جوادی کراروی مجتہد العصر مدظلہ العالی نے انجام دیئے ہیں۔ ترجمہ سادہ خوب صورت اور بے حد سلیس ہے، سرکار ممدوح مدظلہ اب تک بے شمار کتابوں کو دوسری زبانوں سے اردو زبان میں منتقل کر چکے ہیں۔ "ابوطالب مؤمن قریش" ہو یا "ہمارے اقتصادیات" "فدک تاریخ کی روشنی میں" ہو یا "لقمہ واجتہاد" ان کی ترجمہ کردہ کوئی بھی کتاب ہو اس پر بجا طور پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ اور قاری کو یہ احساس نہیں ہو پاتا کہ وہ اصل نہیں بلکہ کسی کتاب کا ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالےٰ بحق معصومین علیہم السلام موصوف کا سایہ تا دیر سلامت رکھے تاکہ تعلیمات سرکار محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔

افراد ملت سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کی توسیع اشاعت میں حصہ لے کر ہمیں مزید دینی خدمات انجام دینے کا موقع مرحمت فرمائیں۔

والسلام

ناشر

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

تاثرات

کتاب "امام صادق اور مذاہب اربعہ" پر ایک نظر

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد پروفیسر ادبیات قاہرہ

یہ تاثرات استاد اسد حیدر کی مذکورہ بالا کتاب کو دیکھ کر ڈاکٹر حامد حفنی داؤد نے ظاہر فرمائے ہیں۔ جو بظاہر ایک خط کی شکل میں ہیں لیکن کتاب اور اس کے موضوع پر ایک جامع تبصرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جواد آیسی

تقریباً ۲۰ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا جب میں اسلامی تشریح اور دینی علوم کے بارے میں تحقیق کر رہا تھا۔ دفعتاً میری توجہ حضرت امام جعفر صادقؑ، ان کی جاذب نظر شخصیت، عربی فکر اور روحانی عظمت کی طرف کھنچ گئی۔ میں نے اس موضوع پر ایک اسّی صفحہ کا مقالہ لکھ دیا اور اس میں آنحضرتؑ کی شخصیت کے مختلف پہلو اجاگر کئے۔ لیکن اس کے بعد جب اس مقالہ کو اپنے عدیم المثال استاد مرحوم عبدالوہاب عزام کے سامنے پیش کیا تو موصوف کے چہرہ پر صرف ایک تبسم کی لہر دیکھی اور بس! میں نے اسی تبسم سے یہ اندازہ کر لیا کہ موصوف میری اس جدوجہد سے بے حد مسرور ہیں اور اس مسرت کا راز صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایسی عظیم المرتبت شخصیت کو ابھی اپنی فرقہ داریت کا شکار بنا دیا اور اب یہ امام شیعوں کے لئے زیادہ قابل ارادت ہو گئے۔

ماحول کا یہ جبر اور تعصب کی یہ تنگ نظری میرے دل میں ایک مدت تک کھٹکتی رہی اور میں نے آخر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ "جعفر صادقؑ ربانی علماء کے امام اور مجددین مذہب کے پیشرو" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کروں، لیکن افسوس کہ ماحول نہ

معاشرت نے میرے اس پاکیزہ ارادہ کی ذرہ برابر تائید نہ کی حالات میرے ارادہ کو پیچھے کی طرف ہی ڈھکیلتے رہے پھر اس موضوع پر چند مضامین بھی نظر سے گذر گئے جن سے ارادہ اور سست پڑ گیا۔

لیکن اسے کیا کیجئے کہ حضرت احدیت حق کو حق ثابت کرنا ہی چاہتا ہے اس کا منشا ہے کہ حقانیت کی قوت زمان و مکان کے حدود سے ما فوق رہے اور اس طرح ۷۰ سال کی طویل مدت کے بعد مقدر نے وہ وقت دکھایا جب حق اپنے مرکز پر قائم ہوا اور باطل کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آئے حق کا چہرۂ روشن سامنے آیا اور جہالت کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ اس عظیم جہاد اور مبارک فتح کا سہرا استاد اسد حیدر کے سر ہے جنہوں نے "امام صادق اور مذاہب اربعہ" کو تالیف کر کے یہ اعلان کرایا کہ امام صادقؑ کی سیرت پر مغالطات کے پردے نہیں ڈالے جا سکتے۔ یہ کتاب مذہب جعفری اور دیگر مذاہب کے درمیانی رابطہ کا بھی اظہار کرتی ہے جس سے اکثر علماء اسلام ناواقف ہیں۔

اس کتاب میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب امام صادقؑ کے سلسلے میں نہایت جامع اور آپ کی سیرت پاک کے اکثر پہلوؤں پر حاوی ہے مولف نے آپ کے بارے میں ہر صاحب رائے کی رائے کو جمع کر کے ان تمام واقعات سے بھی بحث کی ہے جنہیں حضرت کی زندگی سے دور یا نزدیک کا کوئی تعلق ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس بحث میں منطقیت زیادہ ہے اور مذہبی تعصب ناپید انداز تحریر صاف بتاتا ہے کہ مولف ایک طالب حق کی طرح میدان میں آتے ہیں اور کلمہ حق کی کسی توہین کو برداشت نہیں کر سکتے ابتداءً کتاب میں اسلامی خلافت سے ایسی واضح اور مستحکم بحث کی گئی ہے جسے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گویا یہ واقعات مولف کے چشم دید ہیں۔ تاریخ اسلام کے اس انداز تخصیص کو ارباب نقد و نظر کی طرف سے صحیح مرتبہ ملنا چاہیئے اور بعد کے مولفین کو اسے مشعل راہ بنانا چاہیئے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمیں تاریخ اسلام کا علمی تجزیہ کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ سیاست اور فقہ کے مذاہب کا امتیاز واضح ہو سکے اور حق کے پرستار کو صائب الرائے اور باطل کے پیرو کو کھلا ہوا گمراہ کہا جا سکے۔ اس ضرورت کا سب سے اہم منشاء تاریخ کے ساتھ اموی اور عباسی سیاستوں کا خطرناک کھیل ہے جس میں ۸سو سال تک شیعوں کی پامالی کی المناک داستان بھی پوشیدہ ہے میری نظر میں اسلامی ثقافت کی تخلیق میں علماء شیعہ کا یہ جہاد اموی اور عباسی دور کے مظالم کا ایک ردعمل ہے جس نے شیعان علیؑ کو ان ان سیاستوں کے رُخ سے نقاب اٹھانے پر مجبور کر دیا اور یہ جذبہ ان کے دلوں میں اس قدر راسخ کر دیا کہ آج بھی اہل ایمان کے دلوں میں یہ نفسیاتی ردعمل وراثت کے طور پر محفوظ ہے اور ان کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے یہی سبب ہے کہ شیعہ تقلیدی یا زبانی قسم کے مومن نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان میں وراثتی تڑپ ہے ان کے مسلک میں عقائدی زندگی ہے اور انہیں اسباب کی بنا پر ان کا جہاد صدیوں سے مستمر اور اپنے اندر ایک جہد مسلسل لئے ہوئے ہیں۔

مولف نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں تاریخ اسلام کے ان ادوار کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مذاہب کی تعمیر میں حصہ لیا ہے۔ اور جن سے امام صادقؑ اور ان کے مذہب کو ٹکرانا پڑا ہے، اس کے بعد مذاہب کا باہمی تقابل اور ہر ایک کے رواج و بقا کے اسباب کو زیر بحث لائے ہیں۔ یہ وہ تحقیقات ہیں جن پر حق و انصاف کے ساتھ تبصرہ کرنے کے لئے ایک پوری جلد درکار ہے لیکن ہم اپنے جذبات کے اظہار پر مجبور اور اتنی تفصیل سے عاجز ہو کر صرف چند اشاروں پر اکتفا کئے لیتے ہیں۔

اس کتاب میں سب سے زیادہ اہم اور قابل اطمینان بحث خلافت کے بارے میں ہے جس کے مستحکم اصولوں کے سلسلے میں میں مولف سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلامی مشکلات کا آغاز دورِ عثمان ہی سے ہوا ہے جبکہ تخت حکومت پر

بنو امیہ کے قدم آئے اور انہوں نے اسلامی ممالک میں اسلامی مقدرات سے کھیلنا شروع کیا۔ لیکن۔ اے کاش۔ مؤلف نے اور پہلے سے یہ بحث اٹھائی ہوتی۔ اور اس کا سلسلہ وفات سرور کائنات تک پہونچا دیا ہوتا ..... ؟

مؤلف نے امام علیؑ کی تاریخ سے بھی کافی انصاف کیا ہے جہاں ام المومنین کے خروج۔ معاویہ کی سازشیں اور طلحہ و زبیر کی اس بیعت سے بحث کی ہے جسے اپنی خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ بنایا گیا تھا۔ پھر خون عثمان کے مطالبہ کے ہنگامہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سے علیؑ کا دور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ حقیقتاً تاریخ اسلام کا یہ وہ مشکل دور تھا جہاں عرب اور مستشرقین دونوں قسم کے محققین کے پائے نگاہ میں لغزش آگئی ہے اور حضرت علیؑ کو زاہد و متقی ثابت کرنے والوں نے ان کو سیاست سے ناواقف بنا دیا ہے۔ انہیں یہ خبر بھی نہ ہو سکی کہ "اسلام میں سیاست و زہد کے حسین امتزاج ہی کا نام سیرت علیؑ ہے" کاش ہمارے مؤلف نے سیرت علی کے اہم جزو "تکامل نفسی" سے بھی بحث کی ہوتی اور اس طرح مستشرقین کی جہالت کو بے نقاب کر دیا ہوتا اس لئے کہ معاویہ کی سیاست اور اس کا حضرت علیؑ پر حملہ نو مسلم افراد کے ان دلی جذبات کا مظاہرہ تھا کہ جو انہوں نے حضرت علیؑ کے مجاہدات کے وقت سے اپنے دلوں میں چھپا رکھے تھے۔

میں تاریخ مذاہب کے اس قابل قدر "دائرۃ المعارف" پر زیادہ طولانی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا لیکن امام بخاری کے بارے میں مؤلف کی رائے پر ایک نظر ضرور کرنا چاہتا ہوں اس لئے انہوں نے کتاب بخاری پر دو پہلوؤں سے بحث کی ہے ایک میں علمی اعتبار سے روایات کی سند پر تبصرہ کیا ہے جس سے مجھے سو فیصدی اتفاق ہے اس لئے کہ امام بخاری کی زندگی میں صرف وہی روایتیں مرتب ہو سکی تھیں جن کا وجود عبداللہ بن عمرو عاص کے صحیفہ میں تھا اس کے علاوہ باقی روایتیں زیر نظر نہ آسکی تھیں اس لئے ان پر صحیح تنقید ہونی چاہیئے اور ان میں صحیح و ضعیف کا امتیاز نہ ہونا چاہیئے دوسرا پہلو صرف اجتہادی ہے جس کا تعلق امام بخاری کے احادیث معصومین سے اعراض

سے ہے اس سلسلے میں میری رائے مؤلف سے مختلف ہے ان کا خیال ہے کہ اس کا محرک امام بخاری کا معصومین کو غیر معتبر سمجھنا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس کا باعث عباسی حکام کا وہ جبر و استبداد تھا۔ جس میں زبان کھولنے کے لیے بہت بڑی جرأت کی ضرورت تھی، جہاں ان سے روایت کرنے کے لیے زندہ درگور ہونے کے لیے تیار رہنا ضروری تھا۔ اور امام بخاری میں یہ جرأت نہ تھی!

یہ صحیح ہے کہ امام بخاری کی ادبی شجاعت نے ٹھوکر کھائی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی ساری جد و جہد کو بے اعتبار ٹھہرا دیا جائے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے ان کی "خطائے اجتہادی" تصور کر لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے حکام وقت کے خوف کی بنا پر احتیاط کی اور وہ کچھ نہ لکھ سکے جو ان کے دل میں تھا اور اگر آپ اس خوف کو تسلیم نہیں کرتے تو اتنا مان لینے میں کیا قباحت ہے کہ امام بخاری تک ائمہ معصومین کی روایتیں نہیں پہنچ سکیں اس لئے کہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکام جور نے امت اور اہلبیت کے درمیان ایک ایسے گہرے پردے حائل کر دیئے تھے کہ ان کے علم کی شعاعیں طلاب حقیقت تک پہونچنا انتہائی مشکل تھیں۔

بہر حال امام بخاری کا ان روایات کو ترک کر دینا نہ روایات کی عظمت و منزلت کو گھٹا سکتا ہے اور نہ خود ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے۔

پروردگار عالم سے ہماری التجا ہے کہ ہمیں اس عظیم کتاب سے استفادہ کے مواقع بہم پہونچائے اور مؤلف کو ان کے ارادہ کی توفیق کرامت فرمائے۔ ہم اس لمحہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر حامد حفنی داؤد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دعوت قرآنی

یاایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن
ایمان والو اللہ سے مکمل طریقہ پر ڈرو اور بغیر اسلام
الا وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ جمیعا
کے دنیا سے نہ اٹھو اللہ کی ایمان ہدایت کو مضبوط پکڑے رہو
ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً
اور آپس میں جدائی نہ ڈالو اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک
فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا
دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں کو ملا کر آپس میں
وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم
بھائی بھائی بنا دیا۔ تم جہنم کے کنارے تھے تمہیں اس سے بچا لیا۔ یہ سب اس
منہا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تہتدون
لیے بیان کیا جاتا ہے کہ تم ہدایت حاصل کر سکو۔
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون
تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے

بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم

نیکیوں کا حکم دے، برائیوں سے منع کرے کہ یہی ہدایت یافتہ جماعت

وَلَا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من

ہوگی۔ اُن جیسے نہ ہو جنھوں نے آپس میں تفرقہ ڈالا اور نشانیوں

بعد مَا جاءَھُم البینات واولئک لھم

کے آجانے کے بعد بھی اختلاف پیدا کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے بہت

عذاب عظیم ۔

بڑا عذاب ہے ۔

آل عمران ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵

امام جعفر صادقؑ

آپ کا دور اور اس کے مشکلات

آپ کا مدرسہ اور اس کے تعلیمات

آپ کے شاگرد اور رواۃ احادیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد وآلہ الطیبین وصحبہ المنتجبین

ہمت شکن حالات

تمہید: گذشتہ جلد میں ہم اسلامی مذاہب کی نشو ونما اور اس کے عوامل و محرکات کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں ہم نے امام جعفر صادق کے سامنے پیش آنے والے بعض مشکلات اور آپ کے دور حیات کے بعض سوانح و حادثات کی طرف بھی اشارہ کیا تھا لیکن ابھی گفتگو ناتمام تھی اس لیے اس موضوع پر مزید بحث ضروری معلوم ہوتی ہے، یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ امام صادقؑ کے دور حیات میں اموی مظالم اس منزل تک پہونچ گئے تھے کہ نہ کوئی شیر خوار بچہ اپنے گہوارہ میں اطمینان کی سانس لے سکتا تھا اور نہ کوئی پیر کہن سال اپنے کنج خانہ میں، حکام جور کا کردار صاف بتا رہا تھا کہ خونی انقلاب بہت قریب ہے اور یہ آتش فشاں عنقریب پھٹنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انقلاب آیا اور اپنے چہرہ پر آل محمدؐ کی حمایت کا غازہ مل کر آیا۔ اب چاروں طرف ان کے پامال شدہ حقوق اور ان کے بہتے ہوئے خون کی گفتگو تھی۔ ظاہر ہے کہ صادق آل محمدؐ اس گھرانہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے اس لئے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس انقلاب میں آپ کا کردار کیا تھا؟ آپ نے سیاست وقت سے کنارہ کشی کی یا بعض بے سروپا تاریخوں کی بنیاد پر مقام ابواء میں ہونے والی کانفرنس میں عبداللہ بن الحسن کے ہاتھ پر سربراہ ملت کی حیثیت سے بیعت کر لی؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا واقعی جواب اسی وقت معلوم ہوگا جب ہم حالات کا صحیح تجزیہ کر کے انقلاب کے مقاصد، انقلابی مجاہدین کے نفسیات اور ان کے باہمی اختلاف کے باوجود اس ایک مرکز پر اتحاد کے اسباب معلوم کر لیں گے۔

لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ خواہشات کے اس طوفان میں امامؑ نے بالکل نیا طرز عمل

اختیار کیا تھا نہ آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے دی اور نہ اپنے اعزا میں کسی کو اقدام کرنے کی رائے دی آپ قائدین انقلاب کے نفسیات سے بخوبی واقف تھے آپ کو معلوم تھا کہ یہ آدمی اپنے ہیں اور نہ یہ زمانہ اپنا۔ بیعت سے اپنے لیے مشکلات پیدا کیے جا سکتے ہیں لیکن اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہیں حاصل کی جا سکتی یہی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی تھی کہ امامؑ نے اپنی حمایت کی آوازیں سننے کے باوجود اپنے کو میدان جنگ سے الگ کر لیا۔! جس کی تفصیل یہ ہے۔

آپ کے دور کے مشکلات

امام صادقؑ کا دور حیات ۸۳ھ سے ۱۴۸ھ تک یعنی عبدالملک بن مروان کی خلافت کے آخر سے منصور کی خلافت کے وسط تک ہے اس دور میں آپ نے بنی امیہ کا کافی دور حکومت دیکھا ان کے حکام کے مظالم سے عوام کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھا، دو سال کی عمر تک اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ کے ساتھ رہے ۱۱ سال سے ۳۲ سال تک امام باقرؑ کے زیر سایہ زندگی گذاری دونوں کی وراثت، دونوں کا سایہ عاطفت اور دونوں کا مقدس ماحول پانے کے بعد ۱۱۴ھ سے آپ نے اپنے کمالات کا مظاہرہ شروع کیا۔ امام باقرؑ کا انتقال ہوا اور آپ کے مدرسہ کی وسعتوں نے مکہ، مدینہ اور کوفہ وغیرہ کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا، یہ زمانہ بلاد اسلامیہ میں فتنوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ حکام میں باہمی اختلافات ارکان حکومت کو متزلزل بنائے ہوئے تھے عوام اموی سلطنت کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے تھے، سیاسی جماعتیں سازشوں میں مصروف تھیں اور عمائد سلطنت چین کی نیند سو رہے تھے انہیں نہ عوام کی فلاح و بہبود کا خیال تھا اور نہ اپنی صلاح و بقا کا، سیاست اور اقتصاد کے بگڑے ہوئے حالات ہر طبقہ کو بدظن بنائے ہوئے تھے۔ ایک کے بعد آنے والا دوسرا حاکم مزید مشکلات پیدا کر رہا تھا۔ اور پوری سلطنت ایسے طریق کار کے سوچنے پر مجبور ہو رہی تھی جس سے امت کو اس بلاء عام سے نجات دلائی جا سکے!

اقتصادی کشمکش عوام کو اور بھی پریشان کیے ہوئے تھی حکام زیادہ سے زیادہ خراج وصول کرنے کے خواہاں تھے اور عوام کے ساتھ برے سے برے سلوک کو روا سمجھتے تھے، عالم یہ تھا کہ فصل سے پہلے پھلوں کی قیمت لگا کر اپنی ہی قیمت سے سارے پھل خرید لئے جاتے تھے بازار کے بھاؤ سے کوئی تعلق نہ تھا (العصر العباسی الاول استاذ عبدالعزیز دوری)

ناجائز طریقہ سے جزیہ طلب کیا جاتا تھا حد یہ ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے راہبوں تک سے جزیہ وصول کر لیا تھا، اور پیر صنعت و حرفت، شادی بیاہ، انشاء و کتابت وغیرہ پر ٹیکس بھی لگائے جا رہے تھے۔

ادھر امیر شام معاویہ نے ساسانی حکومت کے طریقہ کو زندہ کر کے نوروز کے دن ہدیہ و تحفہ وصول کرنا شروع کر دیا اور ایک سال کے تحفہ میں ایک کروڑ ۳۰ لاکھ درہم وصول کر لئے (جہشیاری ص۱)

ہرات کے دہقان خراسان نے اسد بن عبداللہ قسری عامل ہشام کی خدمت میں ۱۱۹ھ میں ۱۰ لاکھ درہم پیش کئے (تاریخ کامل ص۱)

۱۲۰ھ میں والی ہرات نے دہقان کے ساتھ سونے چاندی کے مختلف ظروف اور ریشم و حریر کے متعدد کپڑے نذر کئے (طبری ۵ ص۱۶۵ ۱۲۰ھ)

عبدالملک بن مروان نے جزیرہ کے گورنر کو فرمان بھیجا کہ ملک کے ہر شخص کو مزدور فرض کر کے اس کی سالانہ آمدنی کا حساب کر کے ان کی کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت نکال کر باقی ان سے وصول کر لیا جائے۔ چنانچہ ہر شخص پر ۴ دینار ٹیکس لگا دیا گیا۔ (الخراج ص۲)

یمن کے گورنر محمد بن یوسف نے ملک کے تمام اموال پر قبضہ کر کے خراج کے علاوہ نئے نئے ٹیکس لگا دیئے۔ (السیادۃ العربیہ ص۲۸)

اسامہ بن زید، سلیمان بن عبدالملک کے پاس خراج جمع کر کے لایا اور اس نے عرض کی اے امیر یہ مال اس انداز سے جمع ہوا ہے کہ رعایا بالکل بیدم ہو گئی ہے کیا یہ

ممکن نہیں ہے کہ آپ خراج کے بارے میں کچھ تخفیف کر دیں تاکہ شہر آباد ہوں اور رعایا خوشحال ہو؟ سلیمان نے جواب دیا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، جا اور جا کر پہلے دودھ دوھ لے اور جب دودھ ختم ہو جائے تو خون ہی جمع کر۔ (جہشیاری ص۳۲)

یہی وہ ہمت شکن حالات تھے جن سے ساری رعایا مضطرب تھی، حکام وقت کا کام ٹیکس پر ٹیکس عائد کرنا تھا چاہے ملک تباہ ہو یا رعایا برباد، گورنروں کا فرض تھا کہ ہر ممکن شدت سے عائد شدہ ٹیکس وصول کریں اس لیئے کہ انعام کے امکانات بھی قوی تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ والی خراسان کو ٹیکس میں سے دس لاکھ درہم انعام دیدیئے گئے تھے۔

یزید بن معاویہ نے عبدالرحمٰن بن زیاد والی خراسان کو ۲۰ ہزار نقدا ور اس سے زیادہ کا مال دیدیا اور اس طرح اس کے مال کا یہ عالم ہو گیا کہ ایک دن اپنے کاتب سے کہنے لگا کہ "مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا مال گھر میں رکھ کر کس طرح سوتا ہوں"، کاتب نے سوال کیا حضور کا مال کتنا ہو گا؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ بازار سے کوئی ضروری چیز خریدے بغیر ہزار درہم روز کے حساب سے سو سال تک کھا سکتا ہوں! کاتب نے عرض کی خدا آپ کو نیند نصیب کرے آج کا سونا تعجب خیز نہیں ہے، حیرت تو اس وقت کی نیند پہ ہو گی جب یہ مال نہ رہ جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ خیانت کی نذر ہوا کچھ غصب ہوا اور کچھ چوری چلا گیا اور اب یہ حال ہو گیا کہ جو قرآن کی چاندی بیچی گئی اور ایسے گدھے پر سواری شروع ہوئی جس کے پاؤں زمین پر خط دیتے چلیں۔ اتفاق سے ایک دن مالک بن دینار سے ملاقات ہو گئی اس نے پوچھا کہ آپ کے مال کا کیا حشر ہوا! عبدالرحمٰن نے کہا کہ "سوائے ذات خدا کے کسی کے لیئے بقا نہیں ہے۔ (جہشیاری ص۱۸)

عمر بن عبدالعزیز نے تخت حکومت پر آنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ایسے تمام ٹیکسوں کی اصلاح کی اور اپنے کوفہ کے گورنر کے نام یہ فرمان لکھا" اہل کوفہ نے حکام جور کے ہاتھوں کافی مصائب برداشت کیے ہیں، دین کا خمیر عدل و احسان سے ہے اپنے نفس کا اہتمام کرو اور اسے گناہوں سے بچاؤ۔ برباد زمینوں کو آباد پر قیاس نہ کرو ہر زمین سے بقدر

امکان خراج وصول کرو۔ اضافہ ٹیکس مت لو۔ نوروز و عید کے تحفے بند کرو، قرآن کی قیمت، گھر کا کرایہ، نکاح کا درہم، نومسلم کا خراج سب ختم کرو۔ میری اطاعت کرو۔ میں نے تمہیں حاکم بنایا ہے۔ بغیر میری اجازت کے کسی کو کوئی سزا نہ دو، جو شخص حج کرنا چاہے اسے سو درہم فوراً عطا کردو۔ (کامل صفحہ ۲۹، طبری صفحہ ۱۳۶)

افسوس کہ عمر بن عبدالعزیز کی یہ تمام اصلاحات اس کے ساتھ ہی دفن ہوگئیں اور یزید بن عبدالملک نے برسر اقتدار آتے ہی اپنا فرمان جاری کر دیا "عمر دھوکے میں تھا اس کی باتوں کو چھوڑ دو لوگوں کو پہلی حالت پر لے آؤ ان سے ہر حال میں ٹیکس وصول کرو شادابی ہو یا قحط، وہ پسند کریں یا ناپسند، زندہ رہیں یا مر جائیں! (طبری، کامل)

سختیاں بڑھ گئیں امت کی گردن پر نئے نئے بوجھ لاد دیئے گئے عمال نے شدت برتنا شروع کردی اور کسی عجمی ملک کا گورنری صرف ایک انفرادی کا وسیلہ فرض کر لیا گیا۔ (السیادۃ العربیہ صفحہ ۳۱)

والی بننے کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا گیا ان کا ایک خاکہ یہ ہے کہ "عمر بن عبدالعزیز کے پاس بلال بن ابی بردہ آیا اور مسجد میں مستقل طور پر معتکف ہو گیا عمر کو یہ زہد پسند آگیا اور اس نے علاء بن ابی مغیرہ سے کہا کہ اگر اس کا ظاہر و باطن ایک ہے تو یہ بہترین انسان ہے علاء نے کہا کہ میں ابھی اسکی اطلاع لے آتا ہوں چنانچہ علاء مسجد میں آیا اور بلال سے کہنے لگا کہ آپ امیر سے میرے تقرب سے واقف ہیں میں نے ان سے آپ کو عراق کا والی بنانے کی سفارش کر دی ہے فرمایئے میرا کمیشن کیا ہوگا؟ بلال نے برجستہ جواب دیا کہ ایک سال کا کل مال یعنی ۲ کروڑ درہم۔ علاء نے کہا کہ اسے لکھ دیجئے! بلال نے لکھ دیا! علاء اس تحریر کو لیکر عمر کے پاس آئے عمر نے اسے دیکھ کر کوفہ کے گورنر کو خط لکھا کہ بلال نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے امتحان کر لیا اور اسے مجسمہ خباثت پایا۔ والسلام (کامل مبرد صفحہ ۱۵۸)

ظاہر ہے کہ حکومت دلوانے پر اتنا معاوضہ دے گا، حکومت پانے پر اس سے کہیں زیادہ وصول بھی کرے گا ورنہ اس کی کمی پوری کہاں سے ہوگی؟

تمہید انقلاب

حکومت نے عراق کی وصولی شیوخ قبائل کے حوالے کر دی اور انہوں نے اپنے مظالم شروع کر دیئے، خراسان میں ٹیکس آدمیوں کے حساب سے لگایا گیا اس لئے کہ زمین کے حساب سے رؤسا پر زیادہ ٹیکس لگ جاتا، اور یہ حکومت کی مصلحت کے خلاف تھا۔ مسلمان ہونے کا ٹیکس بھی فرض کر دیا گیا اور اس طرح اسلام کی اشاعت میں عظیم رخنہ پڑ گیا، بات صرف یہ تھی کہ اسلام نے جزیہ اور خراج غیر مسلم افراد پر عائد کیا تھا ان لوگوں نے صورت حال سے عاجز ہو کر یا اسلام سے اخلاص کی بنا پر اس کے دائرہ میں پناہ لینا شروع کر دی حکومت کا بینک بیلنس بگڑنے لگا اس لئے دولت پرست حکومت کا فرض ہو گیا کہ نو مسلم لوگوں پر بھی ٹیکس لگانے چاہے اسلام کی نشر و اشاعت کا کوئی بھی حشر کیوں نہ ہو جائے، تاریخ سے باخبر افراد جانتے ہیں کہ جزیہ و خراج کی کمی سے حکومت کے انتظامات پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا بلکہ اس سے حکام کے ہوا و ہوس کی تکمیل میں رخنہ پڑ رہا تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امویت کے خلاف ایک عام نفرت پھیل گئی ہر شخص احتجاج پر کمربستہ ہو گیا، حکام نے عوام کی فریاد سننا بند کر دیا، مسلمان قرآن و سنت کی تباہی نہ دیکھ سکے، بہتے ہوئے خون، لٹتے ہوئے اموال، لٹتی ہوئی آبروؤں نے مصلحین امت کو صدائے احتجاج بلند کرنے پہ مجبور کر دیا۔ دن گزرتے گئے، نفرت بڑھتی رہی لیکن ابھی آواز بلند نہ ہو سکی تھی کہ امام حسینؑ کا عظیم الشان اقدام آڑے آ گیا جس نے امت کے شعور نفرت کو بیدار کر دیا انقلاب کی صدائیں گونجنے لگیں، عوام میں آواز بلند کرنے کی سکت پیدا ہو گئی اور ۶۳ھ ! میں واقعہ حرہ کے سلسلے میں اہل مدینہ نے اپنے احساسات کو منظر عام پر لا کھڑا کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۰ ص۲۲)

انقلابات اٹھے، خونریزیاں ہوئیں، تین دن تک قتل نفس، ہتک حرمت، غصب

اموال کو مباح بنا یا گیا، صحابہ کرام تہ تیغ ہوئے باقی سے غلامی کی بیعت لی گئی۔ سات سو حاملان قرآن قتل ہوئے، اسو لقایا مہاجرین والنصار اور ۱۰ ہزار عام آدمی کام آئے لیکن انقلابات کی بنیاد مستحکم ہو گئی، ہر طرف انقلاب، ہر طرف احتجاج، ہر طرف خروج، ہر طرف بغاوت ہر طرف استنکار۔ عراق، حجاز، مصر، اردن سب انقلابات کی آماجگاہ!

مذکورہ بالا حالات کا جائزہ لینے کے بعد ان لوگوں کے خیالات کی بآسانی تردید کی جا سکتی ہے جنہوں نے اموی حکومت کے خاتمہ کو عجموں کے انقلاب کی طرف منسوب کر دیا ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب قرار دیے ہیں۔

۱۔ اموی سلطنت خالص عرب تھی اور اس میں عجم کو کوئی عہدہ نہ دیا گیا تھا۔

۲۔ عجموں کو عربوں سے شدید نفرت تھی اور عرب اموی حکومت کے نمائندے تھے۔

۳۔ عجموں نے ساسانی اقتدار کو پلٹانے کی کوشش کی تھی اور یہ جنگ صرف نسلی بنیادوں پر بنی تھی۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرنا چاہتے کہ امویت کے خاتمہ میں موالی (عجم) کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا، خراسان میں اس کی طاقتیں مکمل ہو گئی تھیں، ابو مسلم خراسانی نے اس کی قیادت کی تھی لیکن اس بات سے اتفاق بھی نہیں کر سکتے کہ اتنے عظیم انقلاب کو صرف نسلی و قومی تعصب کے سر ڈال کر امت اسلامیہ کو بالکل بے حس فرض کر لیا جائے اور اس میں حالات کے سمجھنے کی کوئی صلاحیت نہ مانی جائے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سرزمین فارس میں اٹھنے والے انقلابات کی قیادت بھی سلیمان بن کثیر خزاعی، قحطبہ بن شبیب الطائی اور ابو داؤد شیبانی جیسے رؤساء عرب کے ہاتھ میں تھی۔ انقلاب کے داعی نضر بن صبیح تمیمی، عبدالرحمن بن مسلم اور جہم بن عطیہ جیسے عرب ہی تھے۔ نقباء انقلاب میں پانچ بنی خزاعہ میں سے، تین بنی تمیم سے اور بعض ربیعہ وغیرہ میں سے تھے!

یہ کہنا بھی تاریخ سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ اموی حکومت میں موالی کو کوئی عہدہ نہ

دیا گیا تھا اس لیے ان لوگوں نے یہ انتقامی قدم اٹھایا تھا اس لئے کہ اموی تاریخ میں دیوان رسائل، تحصیل خراج، خفیہ، قیادت لشکر، امارت بلاد جیسے اہم عہدوں پہ موالی ہی فائز نظر آتے ہیں جس کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ سرجون بن منصور ! معاویہ کا غلام تھا اور معاویہ، یزید، معاویہ بن یزید اور مروان بن الحکم کے دور حکومت میں دیوان رسائل پہ مامور تھا۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن دراج ! معاویہ کے یہاں رسل و رسائل کا متولی تھا اور اس کا بھائی خراج پہ مامور تھا۔

۳۔ مرداس ! زیاد کا غلام تھا اور اس کے یہاں دیوان رسائل کا رئیس تھا۔

۴۔ ابوالزعیزعہ ! عبدالملک کا غلام تھا اور اس کے یہاں دیوان رسائل کا منتظم تھا۔ اسی دربار میں "امین السر" کا عہدہ بنی عامر کے غلام عمر بن الحارث کے سپرد تھا۔

۵۔ جناح ! عبدالملک کا غلام تھا اور دیوان خاتم کا رئیس۔

۶۔ ابوالعلاء یزید بن ابی مسلم ! بنی ثقیف کا غلام اور حجاج کے دربار کا جلاد تھا۔ حجاج کے بعد خراج عراق کا والی قرار پایا۔

۷۔ سعید الصابی ! ولید بن عبدالملک کے دیوان خاتم کا رئیس۔

۸۔ شعیب العمانی ! ولید کا غلام اور کاتب

۹۔ لیث بن ابی فروہ ! ام الحکم کا غلام، عمر بن عبدالعزیز کا کاتب

۱۰۔ عبداللہ بن ذکوان ! رملہ بنت شبیہ کا غلام، عراق کا محصل خراج

۱۱۔ محمد بن یزید ! عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے مصر کا والی۔

۱۲۔ سالم ! سعید بن عبدالملک کا غلام اور ولید کی طرف سے دیوان رسائل کا متولی

۱۳۔ عبدالحمید بن یحییٰ ! علاء کا غلام، مروان الحمار کا متولی دیوان

۱۴۔ عثمان بن قیس ! خالد قسری کا غلام، متولی دیوان

۱۵۔ طارق بن زیاد ! موسیٰ بن نصیر کا غلام، قائد لشکر

۱۶۔ نیزک بن صالح ! عمر بن عبدالعزیز کا غلام، امیر الشاس

۱۷۔ اسامہ ! معاویہ کا غلام، مصر کا امیر

۱۸۔ طارق بن عمرا عثمان کا غلام، مدینہ کا والی

۱۹۔ عطاء بن لیسار ! ام المومنین میمونہ کے غلام، مفتی شہر

۲۰۔ سمنان ! عبداللہ بن عمرو عاص کے غلام، مصر کے قاضی

۲۱۔ ابورجاء بن حبیب ! مفتی مصر

بلکہ بعض غلام تو ایسے تھے جن میں امویوں نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دیدی تھی چنانچہ عطاء بن رباح کے بارے میں یہ اعلان عام تھا کہ ان کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔

نافع دیلمی ابن عمر کے غلام کو مصر کا معلم بنا دیا گیا تھا، دمشق کی مسند قضاوت سلیمان بن ابی موسیٰ المتوفی ۱۱۹ھ کے ہاتھ میں تھی۔ زید بن اسلم عدوی المتوفی ۱۳۶ھ کا مسجد نبوی میں حلقہ درس تھا۔

اس کے علاوہ بے شمار موالی تھے جنہیں حکومت میں بڑے بڑے عہدے تفویض کیے گئے تھے اور جن کے مفصل تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ موالی کو انقلاب کا ذمہ دار ٹھہرانا بنوامیہ کو ان کے غلط کردار سے محفوظ رکھنے کی ایک سازش ہے جس سے ہمیں کوئی تعجب اس لئے نہیں ہوتا کہ جب کل مسلمان ان کے خلاف آواز نہ بلند کر سکے تو آج قلم کیا اٹھائیں گے، انہوں نے کل ان کے حق میں حدیثیں گڑھی ہیں تو آج ایک مفروضہ تیار کر دیتے ہیں کیا قباحت ہے۔ یہاں تو عالم یہ تھا کہ معاویہ نے یزید سے کہا کہ میں نے تیری ہر خواہش کو پورا کر دیا ہے اب کوئی تمنا تو نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے جہنم سے بچا لیجئے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ میرے لئے بیعت لے لیجئے اس لئے کہ جس نے امت محمدؐ پر تین دن حکومت کر لی وہ عذاب جہنم سے محفوظ ہو گیا۔ (کامل ج ۴ ص ۶۲)

یہ واقعہ اور یہ روایت اس بات کے گواہ ہیں کہ حکام اور ان کے پرستاروں نے اپنی باہمی سازش سے عوام کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی تھی کہ حکام کے بارے

میں کوئی سوال وجواب نہیں ہو سکتا ان کا حاکم ہو جانا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے !

حد ہوگئی کہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تاراج کر کے مکہ کا رخ کیا اور درمیان میں موت سامنے آگئی تو کہنے لگا کہ میں نے کلمہ توحید کے بعد اہل مدینہ کے قتل سے بہتر کوئی عمل خیر نہیں کیا ہے اور نہ قیامت کے روز کسی دوسرے عمل سے کوئی امید ہے ۔ (کامل ۴ صلا)

اور اسی طرح ولید کے سامنے ۴۰ شیوخ نے اس امر شہادت دی کہ خلیفہ پر عقاب نہیں ہو سکتا جس نے تین دن امت پر حکومت کر لی وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان جعلی روایتوں کے ذریعہ حکام سے سخت مواخذہ و احتساب کی روایتوں کو عوام کے ذہنوں سے محو کر دیا جائے حالانکہ حدیث صحیح میں یہی تھا کہ رسول اکرم نے جابر بن عبداللہ سے فرمایا کہ " خدا تمہیں بیوقوفوں کی حکومت سے بچائے "۔ جابر نے عرض کی حضور! یہ بیوقوفوں کی حکومت کیا ہے ! آپ نے فرمایا " میرے بعد ایسے حکام بھی ہوں گے جو میری سنت سے بالکل الگ ہونگے ان کی تصدیق کرنے والا اور ان کے ظلم کی اعانت کرنے والا مجھ سے بالکل غیر متعلق ہے اور جس نے ان کی تصدیق نہ کی اور ان کے ظلم پر اعانت نہ کی وہ مجھ سے ہے اور میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوگا "۔ (مسند احمد ۳ ص۳۲۱)

" میری امت کی ہلاکت اور تباہی قریش کے بیوقوف حکام کے ہاتھوں ہوگی "۔ (مسند احمد ۲ ص۲۵۵)

کعب بن عجرہ نے آنحضرت سے نقل کیا ہے کہ " عنقریب جھوٹے اور ظالم حکام برسراقتدار آئینگے جس نے انکی تصدیق کی اور انکے ظلم میں انکی اعانت کی وہ مجھ سے غیر متعلق ہے ۔ قیامت کے دن کوثر پر اس کا گذر نہ ہوگا اور جس نے انکی تصدیق نہ کی وہ مجھ سے ہے ۔ قیامت کے دن کوثر پر وارد ہوگا ۔ (تاریخ خطیب ص۳۶۲)

" عنقریب ایسے حکام بھی ہوں گے جو مختلف اسباب سے نماز کو وقت کے بعد پڑھیں گے اس لئے تم وقت سے پڑھا کرو "۔ (مسند احمد ۵ ص۲۱۵)

عوف بن مالک ناقل ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو تمہیں حکومت کے بارے میں اطلاع دوں! یاد رکھو اسکی ابتداء ملامت سے ہوتی ہے اسکے بعد ندامت ہے اور آخر میں عذاب روز قیامت سوائے ان لوگوں کے جو انصاف سے کام لیں۔ لیکن قرابتداری میں انصاف کیسے ہوگا؟" (الترغیب والترہیب ۳ صفحہ ۱۳۲)

بشر بن مالک آنحضرتؐ سے ناقل ہیں کہ "جو شخص امور مسلمین کا حاکم ہوگا اسے روز قیامت جہنم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا۔ اگر نیک کردار ہوگا تو نجات پائے گا ورنہ وہیں سے جہنم میں گرا دیا جائے گا۔" (طبرانی)

عمر بن الخطاب راوی ہیں کہ "روز قیامت سب سے بہتر انسان امام عادل ہوگا اور سب سے بدتر امام ظالم واحمق" (ترمذی ۷، اوسط طبرانی)

انس راوی ہیں کہ "امام ظالم کو روز قیامت رعایا کے سامنے پیش کیا جائے گا وہ اس سے بحث کر کے اسے شکست دیں گے اور اس وقت اس کو جہنم کا حکم مل جائے گا۔" (بزار)

ابو ہریرہ ناقل ہیں کہ "ہر دس آدمیوں کے حاکم کو روز قیامت گرفتار کر کے لایا جائے گا۔ اور اسے سوائے عدالت کے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔" (مسند احمد)

انس بن مالک راوی ہیں کہ "جس حاکم نے رعایا سے خیانت کی وہ جہنمی ہے۔"

اس کے علاوہ خود معاویہ کے فضائل میں وہ بے شمار جعلی روایتیں تیار کی گئیں جن سے اسلام بیزار اور اہل اسلام متنفر تھے، احتجاج کی آوازیں بلند ہوئیں لیکن ایسے دور میں کیا آواز جہاں زبانوں پر قفل لگے ہوں، شعور پامال ہو رہا ہو۔ اہل صداقت کو سزائیں دی جا رہی ہوں۔ اور دربدری کے راستے کھلے ہوئے ہوں؟۔ لیکن اس کے باوجود حافظین احادیث نے اس جعل کو واضح کیا جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن عمر سے آنحضرتؐ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے بزم میں ایک جنتی کے آنے کی بشارت دی اور اتنے میں معاویہ آ گئے دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا، تیسرے دن پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ (الحلیہ ۱۰ ص ۱۳۰۶)

ہشام بن عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے معاویہ کے لئے ہدایت اور ہلاکت سے نجات کی دعا کی

اس کے بعد محمد بن عبدالواحد کی باری آئی اور اس نے کذب و افتراء کا انبار لگا دیا۔ (خطیب ۲ ص ۳)

ابن حجر نے تو مستقل کتاب ہی فضائل معاویہ میں تالیف کر دی جبکہ معاویہ کو فضائل سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا جیسا کہ علامہ امینی دام ظلہ نے الغدیر ۱۰، ۱۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بات یہیں پر تمام نہیں ہوتی بلکہ اس کے بعد ان کے پایہ تخت کے بارے میں حدیثیں وضع ہونے لگیں اور اس کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو گیا جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ انقلاب کی شکل بدلنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کی گئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب کے پس منظر میں اموی دور کے وہ مظالم تھے جنہیں نہ اسلام برداشت کر سکتا اور نہ اہل اسلام۔ امت مصائب کا شکار رہتی۔ اور اہل بیت ظلم و ستم کا نشانہ، امویوں کا خیال تھا کہ ایسی ظالم و سفاک حکومت کبھی بقاء دوام سے ہمکنار ہو سکتی ہے انہیں یہ تصور نہ تھا کہ عام مسلمان بھی خلافت راشدہ کے بعد ایسی خونخوار حکومت کو برداشت نہ کر سکیں گے وہ اسلامی مملکت کو اوج کمال سے قعر ذلت میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، وہ ایسے حکام کے زیر نگیں نہیں رہ سکتے جو مظلوم کی فریاد اور ستم رسیدہ کی شکایت سننے سے گریز کرتے ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا انقلابات اٹھے امویت کی دھجیاں بکھریں اور چند باقی ماندہ لوگ در بدر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ نوبہ پہونچے تو وہاں سے نکالے گئے، بجاوہ پہونچے تو وہاں پناہ نہ ملی، یمن گئے تو وہاں رہنے کی جگہ نہ ملی اور ظالمین پر ارض خدا تنگ ہو گئی، اس سرگرداں و حیران قافلہ کی قیادت مروان کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ کے ہاتھوں میں تھی، ایک منزل پر پہونچنے کے بعد راستے میں پہاڑ نظر آیا دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہاڑ کے داہنے بائیں سے سفر کریں اور ایک ساعت کے بعد ایک مرکز پر مل جائیں، چنانچہ دونوں چلے، دن بھر چلتے رہے اور آپس میں ملاقات نہ ہوئی واپس ہوئے تو راستہ نہ ملا ادھر عبداللہ سے حبش کے ایک لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی ان لوگوں نے عبداللہ کو قتل کر کے

ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سارا سامان لوٹ کر ننگا کر کے چھوڑ دیا یہ لوگ صحرا میں مارے مارے پھرتے رہے یہاں تک کہ پیاس سے تباہی کے قریب پہونچ گئے حالت یہ تھی کہ ہاتھ میں پیشاب کر کے اسی کو پی لیتے تھے، تھوڑے دنوں کے بعد عبیداللہ کے قافلہ سے ملاقات ہوئی انکی حالت اس سے بھی بدتر تھی چلنے سے پیر زخمی ہو گئے تھے، پیشاب پینے سے ہونٹ کٹ گئے تھے حالت تباہ تھی چنانچہ اسی حال میں ایک منزل پر قیام کیا وہاں سے تھوڑا سا سامان جمع کر کے مزدوروں کی شکل سے مکہ میں داخل ہوئے عورتوں نے اپنے قصر دیکھے تو گریہ وزاری کی آوازیں بلند کر دیں اور قدرت نے عبرت و موعظہ کا آخری نمونہ پیش کر دیا (یعقوبی ۳ صـ۸۴ ،العقد الفرید ۳ صـ۱۹۸ ، صـ۱۹۹)

کہا جاتا ہے کہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے مقدمۂ لشکر کے قائد عامر بن صالح خراسانی نے بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان جعدی کو قتل کر کے اس کے قصر پر قبضہ کیا، قصر میں داخل ہو کر اس کا سر اسکی بیٹی آغوش میں رکھا اور اس سے شام کا کھانا طلب کیا۔ مروان کی بیٹی نے کہا اے عامر کیا یہ بات عبرت کے لئے کافی نہیں ہے کہ تو نے میرے باپ کو قتل کیا اور اس کی جگہ پر بیٹھ کر اس کا کھانا کھا رہا ہے اور یہ کہکر باپ سے خطاب کر کے فریاد کی، عامر یہ سنکر کانپنے لگا، سفاح کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے عامر کو سخت تنبیہ کی۔ (شذرات ۱ صـ۱۸۴)

ادھر منصور نے عبیداللہ بن مروان کو گرفتار کرا کے جیل میں ڈالدیا اور ایک دن جیل سے بلوا کر پوچھا کہ بادشاہ نوبہ کے ساتھ تیرا قصہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیراب تو گرانی زنجیر سے بولنے کی تاب نہیں ہے۔ منصور نے اسی عالم میں قصہ سنا اور پھر زندان میں بھجوا دیا، عبیداللہ رشید کے دور تک قید میں رہا اور وہیں سے واصل ہو گیا۔ (شذرات ۱ صـ۱۸۶)

عبداللہ بن علی نے دمشق میں داخل ہونے کے بعد بنی امیہ کی قبروں کے کھودنے کا حکم نافذ کر دیا چنانچہ معاویہ کی قبر کھودی گئی اس میں راکھ کا ڈھیر دکھائی دیا۔ عبدالملک

بن مروان کی قبر کھودی گئی اس میں کھوپڑی نظر آئی، یزید کی قبر کھودی گئی[عہ] اس میں راکھ جیسی چیز دیکھی گئی۔ ہشام بن عبدالملک کا جسم نکلوا کر اس پر تازیانے لگوائے اور پھر جلا کر راکھ کو ہوا میں اڑا دیا۔ (کامل ۵ ص ۲۰۵)

سلیمان بن علی نے بصرہ میں بنی امیہ کی ایک جماعت کو قتل کرا کے ان کے جسم سرراہ ڈال دیئے اور کتے انہیں کھا گئے ادھر کچھ لوگوں نے فرار اختیار کیا تو ان کے لئے زمین تنگ ہوگئی۔ عمر بن معاویہ بن عمر بن سبتان بن عتبہ مارا مارا پھرتا رہا اور بالآخر خاموشی سے سلیمان کے پاس پہونچ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ تمام شہروں سے ٹھوکر کھا کر آپ کے بصرہ سے یہاں تک آگیا ہوں۔ اگر قتل کر دیں تو راحت مل جائے گی اور چھوڑ دیں گے تو محفوظ ہو جاؤں گا۔ سلیمان نے پوچھا تم کون ہو؟ عمر نے اپنا تعارف کرایا! پوچھا کیوں آئے؟ کہا کہ عورتوں کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں۔ سلیمان کو رحم آگیا اس نے پناہ دیدی اور سفاح کو امان کے لئے خط لکھ دیا۔ (کامل ۵ ص ۲۰۶)

ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں مروان بن محمد بن مروان بن الحکم کے قتل کے بعد بنی امیہ کی بساط حکومت لپیٹ دی گئی اور عباسیین تخت حکومت پر جلوہ گر ہو گئے!

عباسی دور حکومت کا آغاز

دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر نئی حکومت سے بے پناہ امیدیں وابستہ ہوتی ہیں چنانچہ اموی سلطنت کے خاتمہ پر بھی عوام نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اتنے انقلابات اور اتنی گھمسان کی لڑائیوں کے بعد برسراقتدار آنے والی حکومت کتاب و سنت کی باقاعدہ پیروی کرے گی اور ایک ایسا عادلانہ نظام سامنے لائے گی جس کی ہلکی سی جھلک عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نظر آئی تھی۔

عہ ان واقعات اور ان کی قبر کے بارے میں کوئی تاریخی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا ہے لیکن اگر بفرض محال اس دور میں کوئی قبر بنا بھی دی گئی تھی تو یزید یا معاویہ کی قبر میں سوائے خاکستر کے اور کیا مل سکتا ہے جہنم اشارہ جنت کی دشمنی خاکستر نہ بنائے گی تو کیا مٹی کا ڈھیر رہے گا۔ جوادی

نگاہیں تخت حکومت کی طرف اٹھیں، آل محمدؐ کی حمایت کے اعلان نے امیدیں باندھیں اور ایک مرتبہ زمام اقتدار بنی عباس کے ہاتھوں میں نظر آئی۔ علوین نے قیادت کے مطالبہ کو ٹھکرایا اور عباسیوں کو اپنی امیدوں کی تکمیل کا موقع مل گیا۔ ظاہر ہے کہ ابتدائے امر سے اس انقلاب میں عباسیوں کا کوئی نام نہیں تھا۔ وہ تو صرف آل محمدؐ کے حقوق کی حمایت اور علویوں کی قیادت کا دم بھر رہے تھے اس لئے انہیں تخت حکومت پر دیکھ کر مسلمانوں نے پھر اعلان مخالفت کر دیا۔ عباسیوں نے یہ محسوس کیا کہ قوم ہم سے راضی نہیں ہے اور اور ایسے اضطرابی دور میں حکومت کو استحکام نہیں مل سکتا اس لئے ان لوگوں نے خراسان والوں کو آگے بڑھایا اور انہیں شیعوں کا عنوان دیکر سامنے کر دیا۔ خراسانیوں کو اہمیت دینے کا راز صرف یہ تھا کہ بنی عباس ان کے نفسیات سے آگاہ تھے چنانچہ خراسان انقلاب کا مرکز بن گیا، آل رسولؐ سے ہمدردی کا اظہار عام ہوگیا، قاتلان حسینؑ کی خانہ تلاشی شروع ہوگئی اور حکومت اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی نظر آئی تاریخ شاہد ہے کہ جب مروان الحمار کی لڑکیاں صالح بن علی کے پاس پیش ہوئیں اور ان میں سے ایک نے عرض کی امیر! خدا تم کو تمہارے مقصد میں کامیاب کرے اب ہمارے ظلم کی طرح آپ اپنے رحم وکرم کو عام کیجئے۔ صالح نے جواب دیا کہ ہم کوئی رعایت نہیں کر سکتے اس لئے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا ہے ان کے اہل حرم کو دربدر پھرایا ہے ان کے سر مبارک کو نیزہ پر بلند کیا ہے، بچی نے عرض کی میری درخواست صرف عفو کی ہے۔ (کامل ۵ ص ۲۰۴)

مروان کا سر سفاح کے سامنے آیا تو اس نے سجدۂ شکر کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں تم پر کامیاب بنایا اور ہمارا کوئی انتقام تمہارے ذمہ نہیں چھوڑا۔ (کامل ۵ ص ۲۰۳

یہ حالات تھے جنہیں دیکھ کر عوام خوش ہو رہے تھے انہیں ان کی تمنائیں پوری نظر آرہی تھیں، بنو امیہ قتل ہو رہے تھے انہیں آوارہ وطن کیا جا رہا تھا اور شعراء ان اقدامات کی مدح میں قصائد نظم کر رہے تھے۔

عوام میں قدرے سکون پیدا ہوا جب سفاح تخت حکومت پر آیا اور اس نے افتتاحیہ

خطبہ میں اعلان کیا۔ لوگو! مجھ پر خدا و رسول اور عباس کی طرف سے یہ ذمہ داری ہے کہ میں عدل و انصاف سے حکومت کروں، سیرت رسولؐ کو جاری کروں اور بنی امیہ کے نشانات مٹا دوں (کامل ۵ ص ۱۹۶)

اس خطبہ کا سننا تھا کہ عوام کی ہمدردیاں دوچند ہوگئیں اور سفاح کو چین کی سانس لینے کا موقع مل گیا، خون کی بنیاد پر قائم ہونے والی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اس انقلاب میں ہمارا اپنا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اس کی ساری طاقتیں حمایت آل محمدؐ سے حاصل کی گئی ہیں اس لیئے اس نے سب سے زیادہ قابل توجہ علویین کے مسئلہ کو بنایا۔ ان سے ہمدردی کا اظہار کر کے عوام کو مطمئن کیا اور استحکام حکومت کا یہ سلسلہ منصور کے دور کے درمیانی حصہ تک چلتا رہا۔ اتنے دنوں میں بنی عباس کو اپنے باطنی مقاصد کے اظہار کا موقع مل گیا اور منصور نے آل محمدؐ کی تباہی پر کمر باندھ لی، اس نے اپنی نظر میں یہ طے کر لیا کہ ان کے ہوتے ہوئے ہماری حکومت میں استحکام نہیں آ سکتا اور کسی وقت بھی بغاوت کا امکان پایا جاتا ہے چنانچہ اس نے ان کی پامالی کا انتظام شروع کر دیا اور حالات اس نازک منزل پر پہونچ گئے جسے دیکھ کر ایک شاعر کو کہنا پڑا۔

کاش بنی امیہ کا ظلم ہمارے سروں پر مسلط رہتا اور بنی عباس کا عدل جہنم واصل ہو جاتا

"امام صادقؑ وسط معرکہ میں"

امام صادقؑ نے ۸۳ھ سے ۱۳۲ھ تک پچاس سال بنی امیہ کے دور حکومت میں گذار لیے اور اس درمیان میں ان کے شدائد، مظالم عوام کے سامنے ان کا برتاؤ اور بلا خوف آخرت ہونے والے تمام اعمال کا بخوبی مشاہدہ کیا ہر آن کسی چاہنے والے کے قتل اور کسی دوست کی شہر بدری کی خبریں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں ۱۲۲ھ میں یہ اطلاع بھی ملی کہ حضرت زید کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کا جسم سولی پر لٹکا دیا گیا ہے پھر یہ بھی دیکھا کہ پانچ سال تک جسم اقدس تختۂ دار پر رہا اس کے بعد اتار کر نذر آتش کر دیا گیا، پھر جناب یحییٰ بن زید کے قتل کا

منظر سامنے آیا پھر والد بزرگوار اور جدِ نامدار کی زہر دغا سے شہادت دیکھی اور آئے دن ایک نئی خبر، ایک نیا سانحہ کانوں میں آتا رہا۔

امامؑ کے پیشِ نظر ماضی کے حوادث بھی تھے، کربلا کا المیہ دل کو تڑپا رہا تھا جس سے سکون حاصل کرنے کے لئے مجالسِ عزا برپا کی جا رہی تھیں، شعرا مرثیے پڑھتے تھے اور امام سیلِ اشک بہاتے تھے، حرہ کا واقعہ الگ دل کو بے چین کئے ہوئے تھا، حکام کی بے دینی اور ان کا ظلم الگ سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

انہیں حالات میں امامؑ زندگی بسر کر رہے تھے معاشرہ کی ہر خبر احساس کو مضطرب کر دیتی تھی لیکن مجبوری یہ تھی کہ حکام کی طرف سے سخت نگرانی اور لوگوں کے اتصال پر شدید پابندی تھی۔ امامؑ کرتے تو کیا کرتے؟ ایک مرتبہ ذمہ دارِ شریعت نے یہ طے کر لیا کہ سیاسی حالات کچھ بھی ہوں مجھے اصلاحِ حالات کے لئے قدم اٹھانا ہے اور لوگوں پر یہ واضح کر دینا ہے کہ بنی امیہ کے ان حکام کو دین و مذہب سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے یہ لوگ صرف تلوار کی زبان سے بولنا جانتے ہیں اور بس —!

ادھر انقلابی مجاہدین نے بھی یہ پیشکش کر دی کہ آپ اس انقلاب کی قیادت فرمائیں تاکہ ہم آپ کی راہنمائی میں اس ظالم حکومت کا تختہ الٹ دیں امامؑ نے ان مجاہدین کی نفسیات پر ایک ہلکی سی نظر ڈالکر اس قیادت کو ٹھکرا دیا، آپ نے دیکھا کہ اس وقت انقلاب کا رخ حمایتِ اہلبیتؑ کی طرف ضرور ہے لیکن استحکامِ حکومت کے بعد وہ جذبات منظرِ عام پر آجائیں گے جن کے لئے یہ قدم اٹھایا جا رہا ہے۔ امامؑ کا طرزِ فکر یہ تھا کہ خود بھی انقلاب سے الگ رہیں اور اپنے خاندان والوں کو بھی نصیحت کرتے رہیں۔ انہیں اپنی مستقبل بین نگاہوں سے دیکھے ہوئے مناظر سے آگاہ کر دیں اور یہ سمجھا دیں کہ کسی کام میں قبل از وقت ہاتھ ڈال دینا اس کام کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے اس لئے ایک بے مقصد کام کے لئے اپنے خونِ ناحق کی قربانی کسی طرح روا نہیں ہے۔ بنی عباس ملک و اقتدار کے بھوکے ہیں انہیں نہ آلِ محمدؐ سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ قرآن و سنت سے۔ ان کا سارا ڈھونگ تخت و تاج کے لئے ہے جس کے بعد کا منظر بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ چنانچہ ابو سلمہ خلال نے

بھی جب عباسیوں کی نیت کا اندازہ کر لیا تو علویین کی طرف عدول کا ارادہ کر کے اپنے غلام کے ہاتھ ایک خط بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ پہلے امام صادقؑ سے ملنا اگر وہ اقرار کر لیں تو خیر ورنہ عبداللہ المحض سے ملاقات کرنا اور اگر وہ بھی انکار کر دیں تو عمر والاشرف کے پاس خط لے جانا۔ قاصد امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے خط کو دیکھتے ہی فرمایا مجھے ابوسلمہ سے کیا تعلق ہے وہ میرے غیر کا شیعہ ہے۔ قاصد نے عرض کی حضور خط کو تو پڑھیں، حضرت نے چراغ قریب منگا کر خط کو اس پر رکھدیا، قاصد نے کہا کہ اس کا جواب؟ حضرت نے فرمایا تو نے تو دیکھ لیا۔! قاصد دوسرا خط لے کر عبداللہ المحض کے پاس گیا انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور فوراً امام صادقؑ کے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ ابوسلمہ نے ایک خط بھیجا ہے۔ جسے میرا خراسان کا ایک شیعہ لے آیا ہے اور مجھے اس میں خلافت کی دعوت دی گئی ہے۔ امام صادقؑ نے یہ سنا تو آپ کے تیور بدل گئے۔ فرمایا یہ اہل خراسان تمہارے شیعہ کیسے ہو گئے؟ کیا تو نے ابوسلمہ کو بھیجا ہے؟ کیا تم خراسانیوں کے نام سے واقف ہو؟ آخر تم نے انہیں شیعہ کیسے فرض کر لیا عبداللہ نے کہا مجھے تو آپ کے اس کلام سے کوئی غرض معلوم ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے مرد مسلم پر نصیحت واجب کی ہے اس لئے تم کو آگاہ کر رہا ہوں یاد رکھو یہ حکومت بنی عباس ہی کے حق میں تمام ہوگی۔ (الآداب السلطانیہ ابن الطقطقی[1])

ادھر سدیر صیرفی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "حضور! اب آپ کے بیٹھنے کا جواز کیا ہے؟" حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کی کہ اب آپ کے انصار واعوان بہت ہو گئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا تقریباً کتنے ہوں گے؟ سدیر نے عرض کی ایک لاکھ! حضرت نے تعجب سے پوچھا ایک لاکھ؟ سدیر نے عرض کی "حضور دو لاکھ کے قریب"! حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم کثرت دیکھتے ہو اور میں عاقبت پر نظر رکھتا ہوں۔ (اصول کافی ۲ ص۲۴۳)

بنی ہاشم نے محمد بن عبداللہ بن الحسن کی بیعت کرنا چاہی تو امام صادقؑ نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ کرو اس کام سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اس کے بعد آپ نے سفاح کی پشت

پر ہاتھ رکھ کر عبداللہ کو سمجھایا کہ خلافت ان لوگوں کو ملے گی اس میں نہ تمہارا کوئی حصہ ہے اور نہ تمہارے بچوں کا اور یاد رکھو کہ تمہارے دونوں بچے قتل کئے جائیں گے یہ کہہ کر آپ اٹھے اور عبدالعزیز بن عمران زہری کو اشارہ سے سمجھایا کہ یہ زرد چادر والا منصور ہی محمد کا قاتل ہوگا۔ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یہ بنائے حسد یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن میں نے اپنی زندگی ہی میں محمد اور ان کے بھائی کا قتل دیکھ لیا۔ (مقاتل الطالبین ص۱۱۷، طبری ۹ ص۲۳۳ ط ۱)

علی بن عمرو نے ابن داحہ سے روایت کی ہے کہ امام صادق نے عبداللہ بن الحسن کو سفاح و منصور کی طرف اشارہ کر کے سمجھایا کہ یہ حکومت ان دونوں کو ملے گی تمہیں اور تمہاری اولاد کو نہ ملے گی، ان کے بچے تک حکومت کریں گے اور تمہارا ایک بیٹا مقام ''احجار الزیت'' میں قتل ہوگا اور دوسرا بھی اس کے بعد تہِ تیغ ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ غصہ سے اٹھے اور چل دیئے منصور ساتھ چلا کچھ دور چل کر اس نے کہا آپ نے کچھ سوچا بھی کہ کیا کہہ دیا۔؟ آپ نے فرمایا خوب سمجھ کر کہا ہے اور خدا کی قسم یہ ہو کر رہے گا ......!

مصائب و خطرات امام صادق کی زندگی کا محاصرہ کئے رہے اور آپ ایک مومن و مخلص دل کے ساتھ ان تمام حالات کا مقابلہ کرتے رہے، ظالم کا ظلم آپ کو فریضۂ تبلیغ اور اعلاءِ کلمہ حق سے باز نہ رکھ سکا آپ نے اپنے لیئے ایک نیا راستہ معین کیا۔ خود بھی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی خاموش تبلیغ پر آمادہ کرتے رہے۔ آپ نے دیکھا کہ ظالم حکومت سے ٹکر لینے کے لیئے باہمی اخوت اور مواسات کی شدید ضرورت ہے اس لئے آپ نے تمام تر قوت ایسی اخوت کی ایجاد پر صرف کر دی اور چاہا کہ ایک ایسا معاشرہ ہمہ وقت تیار رہے جو موقع آجانے پر اپنی آواز کو ظالموں کے کانوں تک پہونچا سکے۔

امام صادق کے دور کے سیاسی حالات یہ تھے جن کا آپ ثبات قدم سے مقابلہ کر رہے تھے اسی کے مقابلہ میں اجتماعی اور مذہبی معاملات تھے جن کی راہ اور

بھی تاریک اور پرانے خطرات تھی۔ سیاسی انقلابات کے ساتھ نئے نئے افکار اور عجیب عجیب خیالات جنم لے رہے تھے مذہب کے ٹھیکیدار نوزائیدہ عقدوں کو حل کرنے سے عاجز اور اسلام کی آبرو کے تحفظ سے قاصر تھے، جاہلیت سر ابھار رہی تھی تعصب ملت کو تباہی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ امام صادقؑ ان حالات کو برداشت نہ کر سکے اور ایک عزم محکم کے ساتھ ملحدین کا مقابلہ کرنے کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر نئی فکر کا مقابلہ، ہر نئے فلسفہ سے ٹکر۔ ہر نئے مغالطہ کی نقاب کشائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وقت کا زیادہ حصہ انہیں مناظرات و مباحثات میں گذرنے لگا، چنانچہ تاریخ نے یہ واقعہ بھی محفوظ کیا ہے کہ عبدالملک دہری مصر سے آنحضرت سے بحث کرنے کے لیئے آیا تو آپ نے توحید پر ایسے دلائل و براہین پیش کیئے کہ اس نے آپ سے اپنے شاگردوں میں شمار کر لینے کی درخواست پیش کر دی اور حضرت نے اسے اپنے شاگرد ہشام کی شاگردی میں دیدیا (الصادق المظفر ص ۲۱۲)

ایک زندیق نے حضرت سے سوال کیا کہ بغیر دیکھے ہوئے خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اسے دلوں نے نور ایمان سے دیکھا ہے اور عقلوں نے بیداری سے مانا ہے، آنکھوں نے اس کی حکمت کے مناظر دیکھے ہیں اور کتب و رسل نے اس کے وجود کا اظہار و اعلان کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی، بحار جلد چہارم، اصول کافی)

جعد بن درہم زندیق نے ایک شیشی میں کچھ مٹی اور پانی ڈال کر کیڑے بنا دیئے اور لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ میں ان کیڑوں کا خالق ہوں۔ حضرت تک یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے ان کے مذکر و مونث کے بارے میں سوال کیا جائے اور نو وہ اپنے حکم سے ان کی رفتار کا رخ بدل دے۔ چنانچہ ابن حجر کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی اس نے مذہب الحاد کو ترک کر دیا۔ (لسان المیزان ۲ ص ۱۰۵)

عبدالکریم ابن ابی العوجا وغیرہ سے آپ کے مناظرے تاریخ میں ایک عظیم شہرت کے مالک ہیں جن کی تفصیل کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔

(یہ ابن ابی العوجاء وہی مردود ہے جسے ۱۶۱ھ میں الحاد کی سزا میں قتل کیا گیا اور جس نے قتل سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ میں نے تمہارے درمیان ۴ ہزار روایتیں گڑھ کر منتشر کردی ہیں) ۔

مشکلۂ غلو

امام صادقؑ کے لیے سب سے اہم مشکل غالیوں کا مسئلہ تھا ان مردودوں نے اسلامی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنے اور اپنے مردہ مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ائمہ اہلبیت کی طرف منسوب کر کے روایتیں نشر کرنا شروع کردی تھیں تاکہ امت کی توجہ ان کی طرف سے ہٹ جائے اور یہ لوگ اپنے منحوس ارادہ میں کامیاب ہوجائیں، مغیرہ بن سعید نے امام باقرؑ سے تعلق کا اعلان کر کے آپ کے خلاف روایتیں گڑھنا شروع کیں امام صادقؑ نے اس بلا ناگہانی کا بھی بروقت مقابلہ کیا، ان ملاعین کے کذب و افترا کا اعلان کیا اور امت کو فی الفور ایک عام قاعدہ عطا کر دیا جو حدیث قرآن و سنت کے موافق ہو یا اس پر ہمارے ہی کلام میں کوئی شاہد موجود ہو اسے قبول کیا جائے ورنہ رد کر دیا جائے اس لئے کہ مغیرہ بن سعید نے والد بزرگوار کے اصحاب کی کتابوں میں جھوٹی حدیثیں شامل کر دی ہیں خدا کے لیے خدا سے ڈرو اور خدا و رسولؐ کے خلاف ہماری طرف کسی قول کی نسبت نہ دو۔

ادھر کچھ غالیوں نے آپ کی خدائی کا بھی اعلان کر دیا آپ نے اس خباثت کا بھی بروقت تدارک کیا اور تمام شہروں میں اطلاع کرادی کہ ایسے لوگ ملعون ہیں اور ہم ان سے بیزار ہیں۔ (دعائم الاسلام ص۶۲، ص۶۳)

غالیوں کے مسئلہ میں آپ نے اتنی شدت اختیار کی کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، ملنا جلنا، شادی بیاہ اور میراث سب کو حرام کر دیا اور جب یہ کوفہ میں قتل کئے گئے تو آپ نے ان سب پر لعنت کی اور ان کے قتل پر اظہار افسوس کرنے والوں کو بھی ملعون قرار دیا۔ ابو الخطاب پر خدا و رسول اور ملائکہ و انسان کی لعنت کی، ابو بصیر سے فرمایا کہ جو

ہمیں خدا کہے اس سے برائت کرو ہم بھی اس سے بیزار ہیں، جو ہمیں نبی کہے اس سے بھی برائت کرو ہم بھی اس سے بیزار ہیں۔ جو ہمیں نبی کہے اس سے بھی برائت کرو اس پر خدا کی لعنت ہے بلکہ جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت!

اس کے علاوہ متعدد ارشادات و فرامین میں اس منحوس فرقہ کی مخالفت کا حکم دیا اور قتل کے علاوہ ان کا کوئی علاج تجویز نہیں کیا۔ امام صادقؑ کے اسی جہاد کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے سے ہی دنوں میں دشمن کا یہ مشن فیل ہو گیا، غالیوں کا ارادہ پہچان لیا گیا اور انہیں اسلامی معاشرہ سے الگ کر دیا گیا اور اب کتابوں کے علاوہ ان کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا یہ اور بات ہے ۔کہ سیاست کی رفتار ویسی ہی بے ڈھنگی رہ گئی اور آج بھی "اندھے اہل قلم" "تفرقہ پرداز مولفین" غالیوں کا وجود ثابت کر کے انہیں شیعوں کا ایک فرقہ شمار کرنا چاہتے ہیں" تاکہ مذہب اہلبیت سے منحرف کرنے کا جو مشن کل فیل ہو چکا ہے اسے آج کامیاب بنا سکیں۔!

امام صادقؑ کا مدرسۂ فکر

اور

اس کے تعلیمات

مدینہ! وہ مقدس شہر جہاں صحابہ و تابعین اور بڑے بڑے علماء امت آباد تھے، فقہ کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے، چاروں طرف سے طالبان علوم آ رہے تھے اور حافظ حدیث فقیہ عصر تیکہ نکل رہے تھے، یہ رسول کا دار الہجرۃ، شریعت کا وطن، نور کا مرکز اور اسلامی حکومت کا دار الخلافہ تھا۔ یہیں وہ اہلبیت آباد تھے جن میں آیت تطہیر نے مرکز طہارت قرار دیا تھا جو سعید بن مسیب کی زبان میں "علم کے حامل، ہدایت کے پرچم اور اسلام کے حکمراں تھے" اور مسلم بن ہلال عبدی کی زبان میں "نور خلافت کا مرکز اور گفتار نبوت کے مظہر تھے"۔

اسی مقدس شہر اور پاکیزہ گھرانے میں امام صادقؑ نے زندگی کے ابتدائی دن گذارے، نبوت کے گھر میں پیدا ہوئے ایمان کی چار دیواری میں پلے بڑھے اور مرکز وحی کے پیغام کو نشر کرنے کے ذمہ دار بن گئے۔ آپ کے مدرسہ مستقل، ثابت قدم اور ہر دور حکومت سے مقابل رہا، تہذیب نفس، بلندی عقل اور معراج کمال کے تمام ذخیرے آپ کے یہاں مہیا تھے اس مدرسہ کا مقصد لوگوں کی فکر و نظر کی بلندی اور ان کی اصول اسلام سے واقفیت تھی، احکام دین کا رواج اور اجتماعی مشکلات کا حل اس کا خاص ہدف تھا، مدینہ کی بہار کا زمانہ وہی تھا جب یہ مدرسہ عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا، چار طرف سے وفد آ رہے تھے اور علوم رسالت کی بھیک سے اپنی جھولیاں بھر رہے تھے۔ سیاسی حالات قدرے خوشگوار تھے اور لوگ مشکلات کو حل کرانے کے لئے ہجوم کئے ہوئے تھے، امت نے اس مدرسہ سے اتنا حاصل کیا جس کا چرچا شہر شہر اور ملک ملک ہو گیا۔ (صواعق ص۱۲۰)

مالک بن انس جو سیاسی اقتدار پانے سے پہلے اس مدرسہ کے باقاعدہ طالب علم تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام صادق اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے لیکن جب آپ کے سامنے رسول اکرمؐ کا ذکر آتا تھا تو چہرۂ مبارک زرد ہو جاتا تھا۔ حدیث بیان کرنے کے لئے طہارت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے ان کو یا تو نماز کی حالت میں دیکھا ہے یا خاموش پایا ہے یا پھر تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے، بے معنی کلام آپ کی ذات سے بعید تھا۔ آپ ان علماء میں سے تھے جن کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے (التوسل والوسیلہ ابن تیمیہ ص۵۲ ط ۲)

حافظ نیشاپوری کی روایت ہے کہ آپ اکثر حدیث بیان کیا کرتے تھے، لطف مجلس اور

افادۂ اجتماع آپ کے یہاں تھا رسول اکرم کا ذکر آتا تھا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا حج کے موقع پر احرام باندھتے کے بعد وہ ہیبت طاری ہوتی تھی کہ آواز گلوگیر ہو جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سواری پر ٹھہر نہ سکیں گے (الروضہ حافظ، مینا پوری)

تعلیمات:- انہیں علمی اجتماعات میں امام صادق کے تعلیمات نشر ہوتے تھے آپ کا کام انسانی نفوس میں فضیلت کی تخم ریزی اور خیر و برکت کی آبیاری تھا آپ کی گفتگو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہوتی تھی، نفوس کی تطہیر، اصلاح و ہدایت کے خطوط کی تعین آپ کا خصوصی مقصد تھا آپ نے ایک طرف امت کے دل میں خوف خدا اور اس کے احکام کی پابندی کا ذوق پیدا کر دیا اور دوسری طرف انہیں عمل پر آمادہ کیا۔ تجارت کی تعبیر عزت سے کی جیسا کہ معلی بن قنیس کا بیان ہے کہ ایک دن مجھے بازار جانے میں دیر ہو گئی تو حضرت نے فرمایا کہ اپنی عزت کی طرف جاؤ۔ ایک دوسرے شخص سے فرمایا کہ تم آج صبح اپنی عزت کی طرف نہیں گئے اس نے کہا کہ میں ایک جنازہ میں چلا گیا تھا آپ نے فرمایا بہر حال اپنی عزت کو فراموش نہ کرنا، معاذ نے اپنی تجارت ترک کر دی تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو تجارت مت چھوڑو اس سے عقل جاتی رہتی ہے اپنے عیال کے رزق میں وسعت دو تاکہ وہ تمہاری شکایت نہ کریں"

ایک دن آپ نے ایک صحابی کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ حج کے لئے کیوں نہیں گیا؟ لوگوں نے عرض کی کہ اس نے تجارت چھوڑ دی ہے اب سرمایہ کم ہو گیا ہے یہ سننا تھا کہ آپ سنبھل کر بیٹھ گئے فرمایا تجارت کو مت چھوڑو ورنہ بیکار ہو جاؤ گے تجارت کرو اسی میں برکت ہے۔

معاذ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے عرض کی حضور میں بازار چھوڑنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں تمہاری رائے کا وزن کم ہو جائے گا اور تم سے کسی بات میں مدد نہ لی جائے گی۔

اس قسم کے بے شمار ارشادات جن میں امت کو تجارت اور کاروبار پر آمادہ کیا گیا ہے تاکہ کسی کے دست نگر بن کر ذلیل نہ ہوں اپنا وقار باقی رکھیں اپنے اہل و عیال کے

رزق کا انتظام کرتے رہیں اور اپنے سے پست طبقہ کی امداد کر سکیں، لیکن چونکہ مال کی محبت سے خطرات بھی لاحق تھے اس لیئے اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ فرمایا "دیکھو طلب معیشت کو بیکار آدمی سے زیادہ اور دنیا پر قانع حریص آدمی سے کم ہونا چاہیئے چاہیئے اپنے نفس کو حرص سے محنت کی منزل میں لے آؤ اور ضعف و سستی سے بلند و بالا بناؤ، اتنا حاصل کرو جتنا ایک مومن کے لیئے ضروری ہے"

آپ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ خرچ میں زیادتی انسان کی اقتصادی زندگی کو تباہ کر سکتی ہے اس لیئے اس نکتہ کو بھی سمجھا دیا کہ "فضول خرچی سے فقیری پیدا ہوتی ہے۔ اور میانہ روی سے مالداری وجود میں آتی ہے"

عمل :- امام صادق نے امت اسلامیہ کو کاروبار پر آمادہ کرنے کے لیئے علمی اور قولی دونوں قسموں کی جدوجہد جاری رکھی کبھی اپنے بیان سے عمل کی ترغیب دلائی اور کبھی خود بنفس نفیس محنت کر کے اس کی خوبیوں کو آشکار کیا۔

چنانچہ ابو عمر شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت کو پھاوڑا لیئے ہوئے کام کرتے دیکھا تو عرض کی کہ یہ آپ مجھے عنایت کریں میں یہ کام کر دونگا، آپ نے فرمایا کہ مجھے طلب معیشت کے لیئے دھوپ کی گرمی کو برداشت کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

(اسماعیل بن جابر نے بھی اسی قسم کا قصہ بیان کیا ہے)

فضل بن قرۃ ناقل ہیں کہ میں نے حضرتؑ کو ایک قمیص پہنے ہوئے پھاوڑا چلاتے دیکھا تو صورت حال کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میں یہ کام دوسروں سے بھی کرا سکتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بھی رزق حلال کی طلب میں جدوجہد کرتا ہوا دیکھے۔

اس ترغیب و تحریص کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ بیکاری انسان کی عزت کو گرا دیتی ہے اور اس کے ذہن میں احساس کمتری پیدا ہونے لگتا ہے، اللہ نے انسان کو جسم و عقل کی قوتیں عنایت کی ہیں اس کے لیئے یہ کسی طرح بھی روا نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں کو معطل کر دے اور خود دوسروں کا دست نگر بن جائے، روایت نے دین و دنیا دونوں کے لیئے عمل کرنے کی دعوت دی ہے ارشاد ہوتا ہے "دنیا کے لیئے اس طرح کام کرو کہ گویا ابھی بڑا

موقع ہے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو کہ گویا کل مرجانا ہے "

ایک مقام پر اعلان ہوتا ہے کہ " دوسرے کے سر اپنا بوجھ ڈالنے والا ملعون ہوتا ہے ، اپنے اہل عیال سے غافل ہونے والا بھی ملعون ہے "

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ " راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا اولاد و اطفال کے لیے طلب رزق کی کوشش سے زیادہ اہم نہیں ہے " "طلب معاش کے لیے نکلنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے "

امیرالمومنینؑ کا عام دستور تھا کہ کسی شخص کو بھی دیکھ کر اس کے کام کے بارے میں سوال کرتے تھے اور اگر اس نے اپنی بیکاری کا اظہار کر دیا تو وہ آپ کی نظروں سے گر جاتا تھا "

اور اسی لیے امام صادقؑ نے معاذ سے فرمایا تھا کہ اگر تجارت چھوڑ دو گے تو لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاؤ گے اور لوگ تم سے مدد بھی نہ مانگیں گے !

عمل کی پر زور ترغیب و تحریص کے بعد آپ نے مالیات کا مکمل نظام سمجھایا ، ملکیت اور اس کے انتقال کے قواعد بتلائے کہ شعبہ مالیات ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اہم ترین محرک ہے ۔ اس کی تنظیم زندگی کے تمام شعبوں سے زیادہ ضروری ہے ، چنانچہ حسن بن علی بن شعبہ تحف العقول میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے معاشیات کے معاملات اور اکتساب و خرچ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ انسان کے تمام معاملات جن سے کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے چار قسم کے ہیں ، ان میں حلال بھی ہے اور حرام بھی ، انسان کا فریضہ ہے کہ حلال کو اپنائے اور حرام سے پرہیز کرے ، اکتساب کی پہلی قسم ولایت (ملازمت) ہے اس کے بعد صنعت ، اس کے بعد مزدوری اور اجارہ ، ملازمت کی حلال صورت ان حکام کی ملازمت ہے جنہیں اللہ نے ولایت عطا کی ہے ان کی ملازمت ، تقویت ، اعانت اور شرکت سب حلال ہے لیکن ظالم بادشاہ کی ملازمت اس کے لیے کام کرنا اس کی اعانت کرنا یہ سب حرام ہے اس میں حق کی تباہی کا اندیشہ ہے ہاں بربنائے مجبوری کے وقت خون پینا یا مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے ۔ اس کے بعد حضرت نے چاروں قسموں کے تفصیلات کی طرف اشارہ فرمایا جسے صاحب تحف العقول نے اپنی کتاب میں اور محدث عاملی نے وسائل الشیعہ میں درج کیا ہے

اسلامی برادری:- آپ نے اپنے مختلف بیانات میں اسلامی برادری اور اس کے حقوق پر شدت سے زور دیا ہے کہ اس طرح امت کے دلوں میں محبت و الفت پیدا ہوگی اور محبت تنظیم عالم و آدم کا بہترین ذریعہ ہے۔ کراہت و نفرت، باہمی عداوت کا سرچشمہ ہے، نفرت کی آنکھ خوبیوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ اسکی نظر ہمیشہ عیوب پر رہتی ہے اور عیب جوئی ہزار اختلاف کی بنیاد ہوتی ہے اس لیئے شیرازۂ اسلامی کو منظم رکھنے کے لیئے اخوت اور برادری کا لحاظ انتہائی ضروری ہے، سرکار دو عالم نے بھی اپنے اصحاب میں مواخات قائم کی تھی اور قرآن نے بھی اہل ایمان کی برادری کا اعلان کیا ہے حضور اکرمؐ نے برادری کا مفہوم قرار دیا ہے کہ آپ اپنے بھائی کے لیئے انہیں چیزوں کو پسند کریں جنہیں اپنے لیئے پسند کرتے ہیں، ایسا کرنے سے بھائی بھی آپ سے ویسا ہی سلوک کرے گا اور آپ کا نفس دونوں جہتوں سے مطمئن ہوگا اس جہت سے بھی کہ آپ نے دوسرے کے لیئے خیر ہی چاہا ہے اور اس جہت سے بھی کہ دوسرا آپ کے لیئے شر نہیں پسند کر سکتا، یہی وہ اجتماعی خوشبختی اور معاشرتی اصلاح تھی جس کے پیش نظر امام صادق نے باہمی اخوت پر زور دیا اور کسی وقت بھی مسلمان کو اپنے بھائی کے حالات سے غافل نہیں ہونے دیا۔ صفوان جمال راوی ہیں کہ مکہ سے ایک شخص میمون نامی امام صادق کی خدمت میں آیا اور آپ سے کرایہ کے ختم ہوجانے کی شکایت کی آپ نے اس کی حاجت پوری کرنے کا حکم دیدیا میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اس کی حاجت پوری کرکے پلٹ آیا حضرت نے مجھے سوال کیا میں نے صورت حال سے اطلاع دی آپ نے فرمایا کہ "ایک مومن کی حاجت کا پورا کردینا ہفتہ بھر کے طواف سے بہتر ہے" اس لیئے کہ حاجت روائی سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہے اور محبت و الفت سے اجتماعی فوائد تشکیل پاتے ہیں، نفرت اختلافات کا سرچشمہ ہے، محبت چشم پوشی کی دعوت دیتی ہے اور نفرت اظہار عیوب کی، محبت محبت پیدا کراتی ہے اور نفرت نفرت، اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ "عدالت محبت کی جانشین ہے"، سقراطیس کا کہنا تھا کہ دنیا کا کوئی شخص محبت کے بغیر نہیں جی سکتا چاہے ساری دنیا اس کی طرف مائل کیوں نہ ہوجائے۔ جو شخص محبت کو حقیر سمجھتا ہے وہ خود حقیر و صغیر ہوتا ہے۔

امام صادقؑ کے یہ تعلیمات زبان ہی کی حد تک محدود نہیں رہے بلکہ عملی میدان میں بھی آپ نے بڑے بڑے مجاہدات کیئے ہیں اسی اجتماعی محبت و اخوت کی ایجاد کے لیئے اپنے ذاتی سرمایہ سے کافی حصہ صرف فرمایا جیسا کہ سعید ابن بیان "رئیس قافلہ حجاج" کا بیان ہے کہ میں اپنے داماد سے ایک میراث کے بارے میں جھگڑا کر رہا تھا کہ اتنے میں مفضل بن عمر کا گذر ہو گیا انہوں نے کچھ دیر توقف کیا اس کے بعد فرمایا میرے ساتھ چلو ہم لوگ ان کے ساتھ گئے اور انہوں نے ۴۰۰ درہم پر صلح کرا دی اور اسے اپنے پاس سے عطا کر دیا ہم لوگوں نے مال لے لیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ یہ مجھے امام صادقؑ نے بطور امانت عطا فرمایا ہے کہ میں اس سے اختلاف کو رفع کرا کے صلح کرایا کروں۔ (اصول کافی ج۲ ص۲۰۹ ط ۲ دار الکتب الاسلامیہ طہران)

ظلم سے مقابلہ انسانی عقلوں کا متفقہ فیصلہ اور عقلائے عالم کا اجماعی مسلک ہے کہ ظلم ایک بدترین صفت اور عدل ایک بہترین خصلت ہے۔ عدل خوبیوں کا سرچشمہ اور فضیلت کی پھوٹتی ہوئی منبع ہے، اسلام نے عدل کے قیام کے لیئے بے پناہ اہتمام کیا ہے اور اسی سلسلے میں کسی نقطہ کو فروگذاشت نہیں کیا۔ امام صادقؑ نے ظلم کی ممانعت، ظالمین کی اعانت سے انکار، اور ان سے دوری پہ شدت سے زور دیا ہے اور اس طرح پر امکانی کوشش کی ہے کہ لوگوں کے قطع تعلق سے ظلم کی بنیادیں مسمار ہو جائیں اور عدل کا نظام برسر اقتدار آجائے امام عدل امیر المومنینؑ کا ارشاد تھا کہ "کانٹوں پر لیٹ کر رات بسر کر لینا اور زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جانا ظالم ہونے سے کہیں زیادہ بہتر ہے" "اگر مجھے ساتوں اقلیم کا بادشاہ بنا دیا جائے اور یہ مطالبہ ہو کہ ایک چیونٹی پر ظلم کر کے اس کے منہ سے دانہ جو چھین لوں تو یہ میرے بس سے باہر ہے" اہلبیتؑ کا یہی مشن وہ تھا جو ظالمین کی نظروں میں کھٹک رہا تھا اور وہ ہر وقت ان حضرات کے درپے آزار رہتے تھے، تلواریں کھینچی رہیں لیکن یہ حضرات ظالمین کی طرف نہ کھنچ سکے، قرآن پر عمل اور ظالموں سے ترک تعلق ان کا شعار رہا، مقصد صرف یہ تھا کہ امت کی آبرو محفوظ رہے اور اس کی عزت کو ٹھیس نہ لگنے پائے چنانچہ صفوان کہتے ہیں کہ میں امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت

حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری تمام باتیں ٹھیک ہیں لیکن ایک بات .... میں نے گھبرا کر عرض کی حضور! میری جان قربان وہ کیا ہے؟ فرمایا تم ہارون کو اونٹ کرایہ پر دیتے ہو اس نے عرض کی کہ حضور کسی غلط کام کے لیئے نہیں دیتا صرف مکہ کے سفر کے لیئے دیتا ہوں وہ بھی خود نہیں جاتا غلاموں کو بھیجتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بہر حال تمہاری یہ خواہش تو ضرور ہوتی ہے کہ یہ زندہ و سلامت واپس آئے تاکہ مجھے کرایہ ملے میں نے عرض کی حضور! یہ تو بہر حال ہوتا ہے۔ فرمایا جو ان کی بقا کا خواہشمند ہے وہ انہیں میں سے ہے اور جو ان میں سے ہے وہ جہنمی ہے۔ میں نے فوراً تمام اونٹ بیچ ڈالے تاکہ اس مصیبت سے نجات ہی مل جائے۔

یہ تھا امام صادقؑ کا جہاد ظلم کی مخالفت اور اس کے عیوب کے اعلان کے سلسلے میں آپ نے امت کو واضح لفظوں میں بتا دیا تھا کہ دنیا کا ہر فساد اور ہر بغاوت ظلم کی پیداوار ہے۔ قحط، خشک سالی، بھوک خوف، بلاء یہ سارے حادثات بندوں کے باہمی ظلم سے پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے ظلم کی مخالفت کے ساتھ ظالم سے تقرب اور اس کی ملازمت کو بھی حرام کر دیا کہ اس میں حق کی تباہی اور باطل کے رواج کا اندیشہ ہے۔ عذافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ابو ایوب اور ربیع سے معاملت کرتے ہو۔ آخر اس وقت کیا کرو گے جب تمہارا نام ظالموں کے مددگاروں میں پکارا جائے گا؟ یونس بن یعقوب کو ظالموں کی مسجد بنانے تک سے روک دیا۔ ایک شخص نے ظالمین کے یہاں معماری اور ان کو چیزیں کرایہ پر دینے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کے لئے ایک گرہ باندھنا ایک ظرف ڈھکنا ایک قلم کھینچنا تک پسند نہیں کرتا اس لئے کہ ظالموں کے مددگار روز قیامت جہنم کے طبقات میں رہیں گے۔ اس نے گھبرا کر عرض کی کہ اب ایسا نہیں کروں گا اور سوچتا ہوا پلٹا کہ حضرت نے مجھے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ مجھ سے بھی ظلم و جور کا اندیشہ تھا اب میں آپ کے پاس جا کر ہر ممکن قسم کھاؤں گا کہ میں ظلم نہ کروں گا آپ مجھے اجازت دیجئے چنانچہ یہ طے کر کے حضرت کے پاس آیا۔ اور

صورت حال کو بیان کیا آپ نے فرمایا کہ بہ تم نے کیا کہا ؟ میں نے دوبارہ ساری قسمیں کھائیں - آپ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ آسمان تک پہونچ جانا آسان ہے لیکن یہ اجازت ممکن نہیں ہے (تجارت جواہر ص۳۶)

اس بے پناہ شدت کے باوجود حضرتؑ نے ان مواقع پر ظالمین کی ملازمت کو جائز بھی قرار دیا ہے جب مومنین کا فائدہ، امت کی اصلاح، تعلیمات اسلام کے رواج اور محرمات کی ممانعت کے امکانات قوی ہوں چنانچہ مختلف احادیث میں اس حقیقت کا اعلان بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اہواز کے امیر نجاشی کے نام آپ کے مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے - (وسائل کتاب التجارۃ)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم نے ظالمین کے دروازے پر ایسے افراد بھی رکھدئے ہیں جن کی دلیل واضح ہو اور جن سے قیام عدل کے امکانات ہوں اولیا خدا کیطرف سے دفاع کریں اور امور مسلمین کی اصلاح کا انتظام کریں -

آپ نے اپنی پوری زندگی منفی سیاست میں گذار دی اور آپ کا تمام تر مقصد یہ رہا کہ ہمارے چاہنے والے ظالمین سے امکان بھر علیحدگی اختیار کریں - چنانچہ استاد توفیق فکیکی نے اپنی کتاب "احیا ۃ الصادق ص۲" پر تحریر فرمایا ہے کہ سیاست میں عدم تعاون اور منفی طرز عمل کی بنیاد امام صادقؑ سے پڑی ہے آپ کا مقصد یہ تھا کہ حقوق کا احترام نہ کرنے والی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا جائے - ایسی حکومت قانون و قاعدہ، عہد و پیمان، دستور و اصول، حقوق و فرائض کا استہزاء کرتی ہے اور فساد فی الارض کے جملہ وسائل مہیا کیا کرتی ہے - آپ نے ہر شخص پر حسب حیثیت عدم تعاون کو فرض کیا ملازمتوں سے روکا، عذاب الٰہی سے ڈرایا اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک مستقل دستور بنا دیا کہ اب کوئی مصلح یا خادم قوم یا پابند حقوق انسان، قہر و غلبہ اور جبر و استبداد کے مقابلہ میں اس سے بہتر سیاست نہیں اختیار کر سکتا، یہ قانون قوتِ ایمان سے معمور ل حرارتِ عقیدہ سے تڑپتے ہوئے نفس، پاکیزہ روح اور "ظلم دشمن مزاج" رکھنے والے افراد کے لئے ہے دوسرے شخص میں اس کی صلاحیت و استعداد نہیں پیدا ہو سکتی -

امام صادقؑ نے اس حقیقت کو بھی تشنۂ اظہار نہیں چھوڑا کہ ظلم کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں ہوسکتا اس کا دائرہ صرف سلطان جائر کی ملازمت تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے وہ تمام معاملات ظلم میں داخل ہیں جن میں کسی حق تلفی کا امکان ہو چنانچہ ابو حمزہ نے آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "ظلم کرنے والا کوئی خیر نہیں کرسکتا، ظالم مظلوم سے اتنا مال نہیں لیتا جتنا مظلوم ظالم کے دین میں سے لیتا ہے۔" "جو انسان دوسروں سے برائی کرتا ہے۔ وہ اپنی ساتھ برائی کا بھی انتظام کرے" "جس نے برادر مومن کا مال کھایا اس نے جہنم کے شعلے کھائے" "خبردار! کسی مظلوم کے خلاف ظالم کی مدد نہ کرو ورنہ مظلوم کی فریاد کے مقابلہ میں کوئی دعا قبول نہ ہوگی، رسولِ اکرم کا ارشاد ہے کہ مظلوم کی دعا ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے اس لئے ایک کو دوسرے کے کام آنا چاہیئے، مسلم کی اعانت خیرات اور ایک مہینہ کے روزوں سے زیادہ بہتر ہے بلکہ مسجد حرام میں اعتکاف سے بھی افضل ہے۔" "جس نے مظلوم کے مقابلہ میں ظالم کی اعانت کی اللہ اس سے اس وقت تک ناراض رہے گا جبتک اپنے ظلم سے دستبردار نہ ہوجائے۔"

عزت نفس: عزت نفس اور خودداری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس کا احترام کرے اسے اس کا واقعی رتبہ عطا کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے خودداری کے جذبہ کو ٹھیس لگے۔ امام صادقؑ نے اپنے جہاد مسلسل میں اس پہلو پر بھی بیحد تاکید کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ "مومن کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ نفس کو ذلیل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے بعد میں معذرت کرنا پڑے۔" طلب معاش کی تاکید اور مختلف محرمات کی ممانعت کا فلسفہ بھی انسان کی خودداری ہی میں مضمر تھا اور اسی بیش بہا جوہر کی حفاظت کے لئے یہ تمام کوشش کی جارہی تھی۔ عزت نفس کے اہم اسباب، عفت، قناعت، امانت، صبر، صدق و وفا اور اس کے سب سے بڑے مہلک جراثیم جھوٹ، خیانت، ریاکاری جعلسازی اور لالچ وغیرہ تھا۔ ان فضائل سے عزت نفس کا اضافہ اور ان رذائل سے عزت نفس کی کمی کوئی محتاج

استدلال بات نہیں ہے ، انسان فطری اعتبار سے ان حقائق سے آگاہ ہے اور اسلام نے بھی انہیں نکات کی تائید کی ہے ۔ امام صادق کا ارشاد ہے "جس نے اپنے کو شر سے بچائے رکھا وہ عزت دار ہے"۔ "مومن کے لئے دین میں قوت، نرمی میں احتیاط، یقین میں ایمان ۔ فقہ میں حرص، ہدایت میں نشاط، استقامت میں نیکی، حلم میں علم، نرمی میں ہوشیاری، حق میں سخاوت، مالداری میں میانہ روی، فاقہ میں تحمل، قدرت میں عفو، نصیحت میں اطاعت، خواہش میں روک تھام، رغبت میں پرہیز، جہاد میں شوق، مشغولیت میں نماز، شدت میں صبر، سختیوں میں وقار، نرمیوں میں شکریہ کا انداز ہوتا ہے، وہ نہ غیبت کرتا ہے نہ غرور نہ قطع رحم کرتا ہے نہ سستی نہ بدکلام ہوتا ہے نہ ترش رو ۔ اس کی نگاہ غلط انداز نہیں ہوتی، اس کا پیٹ رسوا کن نہیں ہوتا اسکی شہوت غالب نہیں آتی، وہ نہ حسد کرتا ہے نہ چوری اور نہ ظلم"۔

" اللہ نے مومنین کو تمام اختیارات دیئے ہیں لیکن اپنے نفس کو ذلیل کرنے کا اختیار نہیں دیا ارشاد احدیت ہے کہ عزت صرف اللہ و رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے ۔ مومن عزیز ہوتا ہے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا، مومن پہاڑ سے زیادہ بلند ہوتا ہے پہاڑ اس کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے پہاڑ توڑا جا سکتا ہے لیکن مومن کا ایمان کم نہیں کیا جا سکتا"۔

اس کے علاوہ بے شمار ارشادات ہیں جہاں بزدلی، کمزوری، خود فروشی و خود فراموشی سے روکا گیا ہے کہ ان باتوں سے دین میں کاہلی، تبلیغ میں سستی، خدمت دین میں کمی اور اور معمولی مصائب میں اضطراب جیسی مذموم صفتیں وجود میں آجاتی ہیں

قوت ارادی : ارادہ قوت عمل کا وہ اولین محرک ہے جس کے بل بوتے پر طبیعت کے مختلف رجحانات اور نفس کے گوناگوں خواہشات کا مقابلہ کیا جاتا ہے ۔ ارادہ کی طاقت انسانی کردار میں فضیلت کے لئے سب سے بڑی بنیاد اور رذائل کے لئے سد سکندری کی حیثیت رکھتی ہے ۔ قوی الارادہ انسان ہی وہ صاحب عظمت ہوتا ہے جو اپنے عزائم سے عجائب روزگار کی ایجاد کرتا ہے، جسم کی طاقت ارادہ کی بلندی اور قوت کے مقابلہ ہیچ ہو جاتی ہے چنانچہ امام صادق کا ارشاد ہے کہ "کوئی

ارادہ وعزم سے کمزور نہیں ہوتا" قوت ارادی کا مالک ایک معاشرہ اور سماج کی اصلاح کا بیڑا اٹھا سکتا ہے خیر و برکت کے چشمے اس کی ٹھوکر سے بر آمد ہوتے ہیں اس لئے شخصیت سازی میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

امام صادق نے قوت ارادی اور اس قسم کے دیگر فضائل و خصائل کی طرف متوجہ کر کے انسان کو اس کی صحیح عظمت و منزلت سے روشناس کر دیا ہے آپ کا مقصد یہ کہ مسلمانوں کے اندر ایک ایسی روح پیدا ہو جائے جس میں اسلامی اخلاق کی جھلک اور مذہبی تعلیمات کی آئینہ داری ہو حضرت کے یہ ارشادات مختلف مقامات پر منتشر طریقہ سے نظر آتے ہیں کاش آپ کی زندگی بھر کی جہد مسلسل کا یہ خلاصہ کسی ایک مرتب شکل میں ہوتا اور امت اسلامیہ اسے مشعل راہ بنا سکتی۔

خطوط و نصائح: امام صادق نے اپنے مختلف خطوط و مراسلات میں امت کو وہ گرانقدر نصائح اور مواعظ حسنہ عطا فرمائے ہیں جن کی نظیر اخلاقی دنیا میں ناممکن ہے، عبداللہ نجاشی کے خط کی تفصیل عبداللہ بن سلیمان نوفلی نے یوں بیان کی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں نجاشی کا غلام آگیا اور اس نے حضرتؑ کو ایک خط دیا آپ نے اسے پڑھا تو اس میں یہ عبارت درج تھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا آپ کو باقی رکھے اور مجھے آپ کا فدیہ قرار دے صورت حال یہ ہے کہ میں اہواز کی ولایت میں مبتلا ہو گیا ہوں مجھے ایسے حدود و امثال تعلیم کیجئے جس سے قرب خدا اور رسولؐ کی راہیں معلوم کر سکوں، شائد خدا مجھے اس بلا سے نجات دے آپ تو اللہ کی حجت اور اس کے دین کے امانتدار ہیں آپ پر اس کی مسلسل نعمتیں ہیں" حضرتؑ نے فوری طور پر یہ جواب مرحمت فرمایا "بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ تم پر اپنا لطف و کرم فرمائے تم کو اپنی حفاظت میں رکھے میں تمہارے لئے ایک مختصر ہدایت لکھتا ہوں اس پر عمل کرو گے تو سلامتی پاؤ گے، مجھے میرے پدر بزرگوار نے اپنے آباء کرام کے واسطے سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد بتایا ہے کہ جس نے مرد مومن کو صحیح مشورہ نہ دیا اس کی عقل سلب ہو جائے گی۔ یاد رکھو تمہاری نجات اس بات میں ہے کہ

خون کی حفاظت کرو اولیاء خدا کو اذیت نہ دو۔ رعایا پر نرمی کرو۔ معاشرت کا انداز اچھا رکھو۔ نرمی کرو لیکن ضعف کے ساتھ نہیں، سختی کرو لیکن تشدد کے انداز سے نہیں اپنے ساتھیوں اور آنے والوں سے مدارات کا سلوک کرو۔ حق و عدل کے معاملات میں رعایا کا ساتھ دو۔ دیکھو چغلخوروں اور افترا پردازوں سے بچتے رہنا ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں لغزش میں مبتلا کر دیں اور تم ان کی باتوں میں آجاؤ ایسا کرو گے تو پروردگار ناراض ہو گا اور تمہاری عزت خطرہ میں پڑ جائے گی اپنے اسرار و امور کو اس شخص کے حوالہ کرو جو دین میں ہمخیال، امانتدار اور آزمایا ہوا ہو۔ اگر کوئی درہم کوئی خلعت یا کوئی سواری غیر راہ خدا میں کسی شاعر یا مسخرے کو دینا تو اتنا ہی راہ خدا میں بھی صرف کرنا۔ اپنے عطیے اور انعامات سپاہیوں، قاصدوں، سفیروں اور فوجیوں کے لئے رکھو۔ نیکیاں احسانات، صدقات، آب و طعام، ہدایا، زنوم حج وغیرہ اپنے پاکیزہ ترین کسب سے نکالو۔ سونے چاندی کا ذخیرہ نہ رکھو ایسے لوگوں کے لئے قرآن نے عذاب الیم کی بشارت دی ہے۔ جو طعام راہ خدا میں دو اسے کم نہ سمجھو اس سے غضب الٰہی سے نجات ملتی ہے میں نے اپنے آباء و اجداد کے واسطے سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ جس کا ہمسایہ بھوکا رہے اور وہ سیر ہو کر سو جائے وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ امیر المومنینؑ نے یہ سنکر عرض کیا تھا کہ اس طرح تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے تو حضور نے فرمایا تھا کہ یہ بات اپنی ضرورت سے فاضل آب و دانہ اور لباس و خلعت کے لئے ہے، چنانچہ امیر المومنینؑ دنیا سے اس عالم میں گئے کہ آپ کے ذمہ کوئی بار نہ تھا اور نہ کوئی قابل ملامت بات آپ کی زندگی میں پیدا ہو سکی آپ کے بعد آئمہ ہدیٰ نے یہی سیرت اختیار کی اور کبھی اپنے کردار کو آلودہ نہیں کیا۔ عبداللہ! دیکھو کسی مومن کو دھمکانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ مومن کی طرف نگاہ تند سے دیکھنے والا روز قیامت سایۂ رحمت الٰہی سے محروم رہے گا اسے دیمک کی شکل میں محشور کیا جائے گا یہاں تک دار جہنم ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے مقام اخلاق اموال حکومت کے متعلق قوانین تحریر فرمائے جس پر عمل کرنے والا یقیناً نجات یافتہ ہو سکتا ہے (بحار ۱۷، ۲۹۳، وسائل باب الولایہ)

ایک شخص اہواز سے حضرت کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میرے ذمہ عبداللہ نجاشی کا کچھ خراج باقی ہے آپ ایک سفارشی خط لکھ دیجئے! آپ نے صرف ایک کلمہ تحریر فرمایا "بسم اللہ الرحمن الرحیم اپنے بھائی کو خوش کرو اللہ تمہیں خوش کرے گا۔" نجاشی نے خط دیکھتے ہی آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کے خراج کو معاف کر دیا اور اس سے دریافت کیا کیا میں نے تمہیں خوش کر دیا؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں

صفات الٰہیہ: عبدالملک بن اعین نے آپ کے نام عراق سے ایک خط لکھا کہ یہاں کچھ لوگ خدا کی شکل وصورت اور اس کے نقش ونگار معین کرتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس سلسلے میں صحیح راستہ کی ہدایت فرمائیں؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا "تم نے توحید کے بارے اور اپنے ہموطن لوگوں کے عقیدے کے بارے میں دریافت کیا ہے تو یاد رکھو کہ خدا بلند وبالا اور بے مثل ہے وہ سمیع وبصیر ہے اس کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے افتراء پرداز اور غلط گو ہیں۔ یاد رکھو کہ توحید کے بارے میں صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اللہ کو کسی کی شبیہ نہ بناؤ اور نہ اس کے احکام کو بالکل الگ تصور کرو وہ ثابت وموجود ہے لیکن دنیا کے وصف کرنیوالوں سے اجل وارفع ہے۔ دیکھو! قرآن سے تجاوز نہ کرو ورنہ ایمان کے بعد بھی گمراہ ہو جاؤ گے (کافی ص۱۰۲)

اصحاب کے نام: "اللہ سے ڈرو اور خیر کے علاوہ زبان بند رکھو! آخرت میں کام آنے والی باتوں کے علاوہ سکوت اختیار کرو، ذکر خدا اور تسبیح وتہلیل میں زیادتی کرو اس سے دعائیں مانگو وہ سب سے بلند ہے اس تک کسی کی رسائی نہیں ہے، حرف باطل سے اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو تاکہ جہنم سے بچے رہو اس لئے کہ ایسی باتوں میں انسان اگر توبہ نہ کرے تو جہنم کا اندیشہ ہے۔"

"اپنے پروردگار سے عافیت مانگو، سکون سے رہو، نیک کرداروں کی طرح۔ پاک وپاکیزہ رہو، مسلمان مسکینوں کا خیال رکھو ان کو حقیر سمجھنا دین میں لغزش کا سبب ہے، مسلمان کی توہین کرنے والا عذاب خدا کا مستحق ہوتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے

پر زیادتی نہ کرو یہ صالحین کا شعار نہیں ہے ایسا کرنے والا خود بھی مظالم میں مبتلا ہو گا۔ اور اللہ اس کا ساتھ نہ دے گا پھر وہ مظالم کا شکار ہی رہے گا۔ آپس میں حسد نہ کرو حسد کفر کی بنیاد ہے، مظلوم مسلمان کے خلاف ظالم کی اعانت نہ کرو ورنہ اس کی دعا قبول ہو کر رہے گی۔ حرام چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو کہ اللہ کے محرمات کی توہین کرنے والا جنت سے محروم رہے گا۔"

نصائح: تاریخی اعتبار سے یہ بات کسی طرح بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ اہلبیت کی علمی شہرت، ان کی قوت استدلال اور ان کے طرز ہدایت کے استحکام کی بنا پر امت کے بڑے بڑے علماء ان سے استفادہ کو بیحد غنیمت شمار کرتے تھے، امام صادق چونکہ اس گھرانہ کی اہم ترین اور اپنے دور کی کامل ترین فرد تھے اس لئے ان کے گرد امت کا اجتماع ایک فطری امر تھا، امت یہ چاہتی تھی کہ آل رسولؐ سے ہدایات حاصل کرلیں تاکہ ان کے مقرر کئے ہوئے خطوط پر چلکر نجات پا سکیں، سفیان ثوری برابر کے حاضری دینے والے تھے، ابو حنیفہ باریابی کو غنیمت شمار کرتے تھے اور کوفہ میں امامؑ کی خدمت میں فخر نیا بی ان کا مستقل شعار تھا، مالک آپ کے مواعظ حسنہ سے برابر مستفید ہوتے رہتے تھے۔ سفیان ثوری نے تو ان نصائح کو مشہور بھی کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے حکومت نے انہیں اپنی طرف موڑنے کی کوشش کی اور جب ناکام ہو گئی تو ان پر شاہی عتاب نازل کر دیا۔ حفص بن غیاث آپ کے مواعظ کو مشعل راہ بناتے تھے اور اسے آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرتے جاتے تھے چنانچہ انہیں حضرت نے درج ذیل نصیحت فرمائی ہے۔

"اگر ممکن ہو تو لوگوں میں غیر معروف ہو جاؤ۔ اس لئے کہ لوگوں میں شہرت کا نہ ہونا کوئی عیب نہیں ہے پھر کوئی اللہ کی نظر میں قابل تعریف ہو تو لوگوں کی مذمت سے کیا اثر پڑتا ہے اگر گھر میں بیٹھنا ممکن ہو تو باہر نہ نکلو اس لئے کہ باہر نکلنے کی ذمہ داری یہ ہے کہ غیبت نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، حسد نہ کرو۔ ریاکاری نہ کرو، تصنع نہ برتو، سستی نہ کرو۔ (وسائل ے باب الجہاد ج ۲)

سفیان ثوری کو نصیحت :۔

"شبہات میں توقف کرنا ہلاکتوں میں گر پڑنے سے زیادہ بہتر ہے، بغیر سمجھے روایت بیان کرنے سے روایت نہ کرنا ہی اچھا ہے ہر حق پہ ایک حقیقت اور ہر صداقت پر ایک نور ہے لہذا جو بات کتاب خدا کے موافق ہو اسے بیلو ورنہ ترک کردو" (تاریخ یعقوبی ص۱۱۵ ج۳)

نصر بن کثیر راوی ہیں کہ میں سفیان ثوری کے ساتھ حضرت جعفرؑ بن محمدؐ کے پاس گیا اور میں نے عرض کی کہ میرا ارادہ حج کے لئے ہے آپ مجھے کوئی دعا تعلیم فرمائیں؟ آپ نے یہ دعا تعلیم کی "یَا سَابِقَ الْفَوْتِ یَا سَامِعَ الصَّوْتِ یَا کَاسِیَ الْعِظَامِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ" خانۂ کعبہ کی دیوار پر ہاتھ رکھ کر یہ فقرے ادا کرو اور پھر جو چاہو مانگو۔ لتنے میں سفیان نے کوئی بات کہی جو میں سمجھ نہ سکا حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "جب کوئی محبوب شے ملے تو حمد خدا کرو، جب کوئی ناپسندیدہ بات رونما ہو تو لاحول پڑھو جب رزق ملنے میں تاخیر ہو تو استغفار کیا کرو"

ایک اور مرتبہ سفیان نے حضرت سے مل کر درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا "جھوٹے کے لئے کوئی مروت نہیں ہے نزدر رنج کا کوئی بھائی نہیں، حاسد کے لیئے راحت نہیں، بدخلق کے لئے سیادت و ریاست نہیں"

سفیان نے عرض کی حضور کچھ اور؟ فرمایا سفیان! "خدا پر بھروسہ رکھو تاکہ مومن رہو اس کی عطا پر راضی رہو تاکہ غنی کہلاؤ ساتھیوں سے اچھا برتاؤ کرو کہ مسلمان رہ سکو، فاجر کا ساتھ نہ رکھو کہ وہ فجور سکھائے گا۔ اپنے امور میں خداترس لوگوں سے مشورہ کرو"

سفیان نے پھر درخواست کی۔ کچھ اور؟۔ فرمایا "جو شخص بلا قبیلہ کی عزت، بلا مال کی مالداری، بلا سلطنت کی ہیبت چاہتا ہے وہ معصیت کی ذلت سے اطاعت کی عزت میں آجائے"

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سفیان نے آکر حضرتؑ سے عرض کی جب تک حضور حدیث نہ بیان فرمائیں گے میں نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں حدیث تو بیان کئے دیتا ہوں لیکن زیادہ احادیث میں تمہارے لیئے بہتری نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی بھی نعمت کی بقاء و دوام چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ شکر خدا کرو۔ اس لئے کہ شکر پر اضافہ کا وعدہ کیا گیا ہے

اگر رزق میں تاخیر ہو جائے تو استغفار کرو اس لئے کہ قرآن نے استغفار پر آسمان سے نعمتوں کے نزول اور زمین پر باغ و بہار، اموال و اولاد، اشجار و انہار کا وعدہ کیا ہے۔ دیکھو اگر کسی کی طرف سے کوئی رنج پہونچے تو لاحول پڑھا کرو یہی کشائش حال کی کنجی اور جنت کا خزانہ ہے۔ سفیان نے یہ سنا تو بار بار انگلیوں پر گن گن کے کہنے لگے واہ کیا تین باتیں ہیں۔ تین باتیں۔ تین۔ سبحان اللہ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۹۳ بروایت مالک بن انس)۔

عبداللہ بن جندب کو نصیحت: "ابن جندب! مومن وہی ہے جو اللہ کا خوف رکھے، الٰہی توفیق کے سلب ہو جانے سے ڈرے، نعمت خدا کا ذکر آئے تو کانپ اٹھے۔ آیات الٰہی کی تلاوت سنے تو ایمان میں اضافہ ہو اور پھر اللہ پر اعتماد بھی ہو، ابن جندب! صرف اپنے عمل پر بھروسہ کرنے والا ہلاک ہوگا، گناہوں پر جرأت کر کے رحمت کی امید کرنے والے کو نجات نہیں ہے۔ عبداللہ نے عرض کی حضور! نجات کس کے لئے ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو امید و بیم کی درمیانی کیفیت میں رہتے ہیں جن کے دل اس طائر کے پنجہ میں رہتے ہیں جو شوق ثواب اور خوف عقاب کے بل بوتے پر پرواز کرتا ہے، افسوس ان لوگوں پر ہے جو نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔ تنہائی میں سوتے رہتے ہیں۔ فرصت کے وقت میں اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور نہ اللہ روز قیامت ان سے بات ہی کرے گا۔ ابن جندب! اپنی محبت و عداوت سب اللہ کے لئے رکھو، رسیمان ہدایت سے تمسک کرو تاکہ تمہارے اعمال قبول ہو سکیں، آخرت میں اپنا حصہ لو، دولت مل جائے تو غرور نہ کرو، فقیری میں فریادی نہ بنو، بد سرشتی نہ اختیار کرو کہ لوگ تم سے دور رہنے لگیں، خرافات مت بکو کہ لوگ ذلیل سمجھیں، اپنے سے بڑے کا عیب نہ نکالو چھوٹے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اہل امر سے جھگڑا نہ کرو۔ بیوقوفوں کی اطاعت نہ کرو۔ ابن جندب! جو تم سے بے تعلق رکھے تم اس سے تعلقات قائم کرو جو تمہیں محروم کرے تم اسے عطا کرو۔ جو تم سے برائی کرے تم اس سے اچھائی کرو۔ جو تمہیں گالی دے تم اسے سلام

کرو۔ جو تم سے جھگڑا کرے تم اس سے انصاف کرو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو۔ اس لئے کہ یہی بات تم اپنے لئے چاہتے ہو۔ ابن جندب! لوگوں کے سامنے صدقہ نہ دو کہ وہ تمہاری تعریف کریں ورنہ وہ تعریف ہی تمہارا اجر بن جائے گی۔ داہنے ہاتھ سے اس طرح دو کہ بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو اس لئے کہ جس کے لئے کر رہے ہو وہ نیت سے باخبر ہے اور جزا علی الاعلان دیتا ہے (تحف العقول ص ۷۴-۷۵)

بعض اصحاب کو نصیحت: "بے معنی بات مت کرو، بامقصد گفتگو بھی بے محل بولنے والا اپنے لئے مصیبت بن جاتا ہے کسی عقلمند یا احمق سے جھگڑا نہ کرو۔ کہ عقلمند سے جھگڑا اس کی دوری کا سبب ہوتا ہے اور بیوقوف سے جدال اس کی تباہی کا باعث۔ برادر مومن کو غائبانہ طور پر اسی طرح یاد کرو جیسے اپنا تذکرہ پسند کرتے ہو، عمل اس آدمی جیسا کرو جو نیکی کی جزا اور برائی کی سزا کا قائل ہو۔"

اس کے علاوہ اہلبیت طاہرین کے بے شمار ارشادات ہیں جن میں انسان کی تطہیر نفس، تذکیہ جذبات، اجتناب شہوات احتراز لذات کا مکمل دستور مرتب کیا گیا ہے۔ ان پر عمل کرنے والے کے لئے نجات اور رشد و ہدایت کے راستے کھلے ہوئے ہیں، انداز بیان ایسا شیریں ہے کہ گویا تلخ و تند موعظہ میں بھی کانوں میں رس گھولا جا رہا ہے۔؟

کلمات قصار: "اللہ سے ڈرو، آپس میں نیک کردار بھائی بنو۔ اللہ کے لئے محبت کرو، تعلقات رکھو، ایک دوسرے پر رحم کرو ملاقات کرو۔ اور آمد و رفت جاری رکھو"

"ظلم سے بچو اس لئے کہ مظلوم کی دعا آسمان تک جاتی ہے۔"

"جسے مسلمانوں کے امور کی فکر نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہے، رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی صبح کو اٹھ کر امور مسلمین کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے، جو کسی کو مسلمانوں کے نام سے فریاد کرتے سنے اور لبیک نہ کہے وہ بھی مسلمان نہیں ہے۔"

"اللہ کی نظر میں محبوب صدقہ لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا ان کی باہمی دوری کو قربت سے بدلنا ہے"

"مومن وہی ہے جس کا کسب پاکیزہ، اخلاق اچھا اور باطن صحیح ہو۔ ضرورت سے زیادہ مال کو راہ خدا میں خرچ کرے، بلا ضرورت کلام نہ کرے، لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں اور وہ لوگوں سے از خود انصاف کرے"

"مومن وہ ہے جو ہر ایک کی مدد کرے، اپنا خرچ کم رکھے، معاش کی اچھی تدبیر کرے اور ایک جگہ سے دو مرتبہ دھوکا نہ کھائے"

"اپنے کام اللہ کے لئے کرو لوگوں کے لئے نہیں اس لئے کہ جو اللہ کے لئے ہوتا ہے وہ اللہ تک پہونچتا ہے اور جو بندوں کے لئے ہوتا ہے وہ اس تک نہیں پہونچتا"

"ریاست کے شوقین لوگوں سے بچو اس لئے کہ جس کے پیچھے چار آدمی چلیں وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گا"

"کسی عقلمند یا بیوقوف سے جھگڑا نہ کرو کہ عقلمند تم سے نفرت کرے گا اور بیوقوف تم کو اذیت پہونچائے گا"

"خصومت سے بچو یہ دل کو مشغول کر لیتی ہے اور کردار میں نفاق پیدا کراتی ہے جو عداوت کا بیج بوئے گا اسے وہی کاٹنا بھی پڑے گا۔ اور جو اپنے نفس پر قابو نہ رکھے گا اسے عقل پر بھی قابو نہیں ہو سکتا"

"غصہ سے بدتر کوئی شے نہیں ہے، غضبناک آدمی نفس محترم کو قتل کر دیتا ہے اور آبرومند کو عیب لگاتا ہے"

"جس نے بیوقوف کا جواب بیوقوفی سے دیا اس نے اپنے لئے وہی پسند کیا جو دوسرا کر رہا ہے"

"جو ظالم کو ظلم میں معذور سمجھے گا اللہ اس پر ظالم کو مسلط کر دے گا پھر نہ اس کی دعا قبول ہوگی اور نہ اسے مظلومیت کا کوئی اجر ملے گا"

"اپنی خواہش سے اسی طرح ڈرو جیسے اپنے دشمن سے ڈرتے ہو اس لئے کہ انسان

کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس اور اس کی زبان ہے "

"بد اخلاق آدمی اپنے کو خود عذاب میں مبتلا کرتا ہے "

"بغیر سمجھے بوجھے عمل کرنے والا راستے سے ہٹ کے چلنے والا ہے اس کی تیز رفتاری اسے منزل سے دور ہی کرتی رہے گی"

"جو تمہارا احترام کرے تم اس کا احترام کرو اور جو تمہیں ذلیل کرے تم اپنے کو اس سے بلند کر لو"

"مذاق سے بچو اس سے آبرو کو خطرہ رہتا ہے "

"خاموشی سے بہتر کوئی چیز، جہالت سے زیادہ خطرناک کوئی دشمن، جھوٹ سے بدتر کوئی مرض نہیں ہے "

"مومن سے خود بخود انس پیدا ہوتا ہے اور جس سے لوگوں کو انس نہ ہو اس میں خیر ہی کیا ہے!

"عدل اس پانی سے زیادہ شیریں ہوتا ہے جو کسی پیاسے کو مل جاتا ہے"

"عدل کتنا ہی مختصر ہو اس کی وسعت بے پناہ ہے "

"جس نے لوگوں سے ہاتھ کھینچ لیا اس نے ایک ہاتھ کھینچا اور اس سے بے شمار ہاتھ کھینچ گئے "

"جس کے پاس عقل ہے اس کے پاس دین بھی ہے اور جس کے پاس دین ہے وہ جنتی ہے"

"فقہا رسولوں کے امانتدار ہیں جب انہیں بادشاہوں کی طرف جھکتے ہوئے دیکھو تو ان سے خطرہ محسوس کرو "

"جب تمہیں کسی بھائی کی طرف سے کوئی بری خبر ملے تو غمگین نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ صحیح کہتا ہے تو گویا تمہیں اپنے فعل کی سزا مل گئی اور اگر غلط کہتا ہے تو تمہیں مفت کا ثواب مل گیا "

"نیکی تین باتوں سے مکمل ہوتی ہے۔ جلدی کرے، کم سمجھے، پوشیدہ رکھے "

"انسان کی فطری خصلتوں میں نہ جھوٹ داخل ہے اور نہ خیانت۔"

"تین چیزوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ دین، تواضع، خرچ۔"

"جو تین باتوں سے بچے گا اسے تین چیزیں ملیں گی شر سے بچا تو عزت پائے گا۔ تکبر سے بچا تو بزرگی ملے گی، بخل سے بچا تو باشرف ہوگا۔"

"تین چیزوں سے بغض پیدا ہوتا ہے۔ نفاق، خود پسندی، ظلم۔"

"دین کی آفتیں۔ حسد، خود پسندی، فخر۔"

"مومن ترقی کی خواہش کرسکتا ہے دوسرے کی ترقی سے جل نہیں سکتا۔"

"اللہ سے ڈرو اور انصاف کرو۔ اس لئے کہ ناانصافی کو ناپسند رکھتے ہو۔"

"جس امت نے قوی کے مقابلہ میں ضعیف کا ساتھ نہیں دیا وہ پاکیزہ و محترم نہیں ہو سکتی۔"

"اس قوم پر افسوس ہے جو نیکیوں کا حکم نہیں دیتی اور برائیوں سے منع نہیں کرتی۔"

"تین چیزیں بلندیوں کی طلب سے روک دیتی ہیں۔ کم ہمتی، بے حیائی، کمزور رائے۔"

"تین چیزوں سے پرہیز کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ بروں کا ساتھ، عورتوں سے بات چیت، بدعتیوں کے ساتھ نشست و برخاست۔"

"تین چیزوں کی احتیاج تمام دنیا کو ہے۔ امن، عدل، خوشحالی۔"

"تین چیزوں سے زندگی خراب ہوتی ہے۔ ظالم بادشاہ، برا ہمسایہ، بدزبان عورت۔"

"باہمی تعلقات اور حسن ہمسایہ ملک کی آبادی اور عمر کی زیادتی کے باعث ہوتے ہیں۔"

"جو ہمسایہ سے اچھا سلوک نہ کرے وہ ہم سے نہیں ہے۔"

"جسے تین چیزیں مل گئیں وہ سب سے بڑا مالدار ہے۔ اپنے مال پر قناعت دوسروں کے مال سے مایوسی، فضول باتوں سے علیحدگی۔"

"جو انجام پر نظر نہ رکھے وہ عقلمند نہیں ہے۔ انجام بینی عقلوں کی پرورش کا ذریعہ ہے۔"

"جب کسی آدمی کو اپنے گناہوں سے غافل ہو کر دوسروں کے عیب تلاش کرتے دیکھو تو سمجھو کہ اس سے انتقام ہو گیا۔"

"اپنے نفس کو مضرت رساں مواقع سے بچاؤ۔ طلب معاش کی طرح اس کے بچانے کی فکر کرو اس لیے کہ تمہارا نفس تمہارے عمل میں گرفتار ہے۔"

"اللہ سے دن و رات کے حملوں سے پناہ مانگو یعنی عذاب الٰہی اور گناہوں پر مواخذہ سے بچو۔"

"بیوقوف سے مشورہ نہ کرو وہ بلاوجہ پریشان بھی ہوگا اور کام بھی نہ ہوگا۔ جھوٹے سے مدد نہ مانگو وہ دور کو قریب اور قریب کو زبردستی دور بنا دے گا۔ بادشاہوں کی محبت پر بھروسہ نہ کرو وہ عین اعتماد کے موقع پر پالغزش دیں گے۔ اور خاص تعلقات کے وقت پر الگ ہو جائیں گے۔"

"بادشاہ کے پاس تین طبقے ہوتے ہیں ایک خیر کا موافق ہوتا ہے یہ اس کے لیے برکت ہوتا ہے، ایک شر کا ہم آہنگ ہوتا ہے یہ اس کے لیے عذاب ہوتا ہے۔ ایک کو اپنے کام سے کام ہوتا ہے یہ اس کے کام آسکتا ہے اور نہ اس کے حق میں مذموم ہے یہ اور بات ہے کہ مذمت سے قریب ضرور ہے۔"

"شہر والے تین چیزوں کے بغیر منظم نہیں ہو سکتے، فقیہ محتاط، امیر خیر، طبیب حاذق و معتبر۔"

"بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں دو تو جان و مال سے ساتھ دیتے ہیں یہ سچے بھائی ہیں اور ایک مال لے لیتا ہے کام نہیں آیا کرتا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

"بہترین مددگار حلم اور برداشت ہے۔"

"جس نے غصہ کو ضبط کیا وہ دنیا و آخرت میں عزت والا ہے۔"

"مومن کے لیے فرائض کے بعد اللہ کی نظر میں محبوب ترین شے وسعت اخلاق ہے۔"

"اچھا سلوک اور خوش روئی محبت کی موجد اور جنت میں داخلہ کی باعث ہے۔"

"عداوت بونے والا عداوت ہی کاٹ سکتا ہے۔"

"خود پسندی کا شکار ہلاک ہوگا۔"

"حیرت اس انسان پر ہے جو اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے حالانکہ انجام سے بے خبر ہے۔"

"غدر کرنے والا اور جبر سے کام لینے والا باطنی طور پر احساس کمتری کا شکار رہتا ہے۔"

"جب زمانہ ظلم کا ہو اور لوگ غداری پر آمادہ ہوں تو ہر کسی پر بھروسہ کرنا عاجزی ہے۔"

"اگر بھائی کی محبت کو آزمانا ہو تو اسے غصہ دلا دو اگر محبت رہ جائے تو وہ بھائی ہے ورنہ سب مکاری ہے۔"

"اپنے بھائی پر پورا پورا بھروسہ نہ کرو کہ جلدی کی لغزش سے سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"مسلمانوں کا سچا یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناخوش کر کے بندوں کو خوش نہ کرے، جو اللہ نے اسے نہیں دیا اس پر دوسروں کی ملامت نہ کرے، اس لئے کہ رزق نہ کسی لالچ سے آتا ہے اور نہ کسی نفرت سے جا سکتا ہے۔"

"اللہ سے یوں ڈرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا تو یہ کفر ہے۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ وہ دیکھتا ہے لیکن ہم گناہ کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"جس گھر والوں کو نرمی ملی اسے وسعت رزق بھی ملے گی اس لئے کہ نرمی سے کچھ کمی نہیں آتی اور اسراف سے کچھ باقی نہیں رہتا۔"

"علم حاصل کرو اور اسی کے ساتھ حلم و وقار پیدا کرو۔ جابر عالم نہ بنو کہ تمہارے باطل کے ساتھ حق بھی برباد ہو جائے۔"

"مومن وہی ہے جو غصہ میں حق سے الگ نہ ہو اور خوشی میں باطل میں داخل نہ ہو۔"

"اللہ سے ڈرو اور باہمی حسد سے بچو۔"

"بکریوں کے لئے دو بھیڑیئے اتنے خطرناک نہیں ہیں جتنی دین مسلم کے لئے

مال اور شرف کی محبت خطرناک ہے۔"

"قیامت کے دن تین قسم کے لوگ اللہ سے بے حد قریب ہوں گے، ایک وہ جو اقتدار پا کر بھی کمزور پر ظلم نہ کرے، دوسرے وہ جو دو آدمیوں کے بیچ میں ہے تو کسی پر دباؤ نہ ڈالے، تیسرے وہ جو ہمیشہ حق کہے چاہے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو۔"

"بدخو و غلط آدمی کی تین علامتیں ہیں، اپنے مافوق سے جھگڑا، بے سمجھے بوجھے گفتگو اور ناممکن کی کوشش۔"

"دو کمزور مخلوق یتیم اور عورت کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔"

"مفضل! دو باتیں یاد رکھو اور ان سے بچو انہیں سے لوگ ہلاک ہوتے ہیں باطل کو دین نہ بناؤ۔ بغیر علم کے فتویٰ نہ دو۔"

"متکبر کو اچھی تعریف، بخیل کو کثرت احباب، بدخلق کو شرف، کنجوس کو صلۂ رحم مسخرے کو سچی محبت، کم علم کو شرعی قضاوت، غیبت شعار کو سلامتی، حاسد کو اطمینان قلب، چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر گرفت کرنے والے کو سرداری اور ناتجربہ کار خود پسند کو ریاست کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔"

"بیوقوفی وہ ذلیل صفت ہے جس میں چھوٹے پر زیادتی بڑے سے خضوع اور کثرت سے معذرت کا وجود عمل میں آتا ہے۔"

"فطرت انسانی یہ ہے کہ احسان کرنے والے سے محبت اور برائی کرنے والے سے نفرت کرے۔"

"جو تم پر تین مرتبہ غضبناک ہو اور کوئی بری بات نہ کہے اسے دوست سمجھو اور جسے دوست رکھنا ہے اس سے جھگڑا، مذاق اور جھوٹا وعدہ نہ کرو۔"

"پانچ قسم کے آدمیوں کے ساتھ نہ رہو۔ احمق کہ وہ فائدہ کی کوشش میں نقصان پہنچائے گا۔ جھوٹا۔ کہ وہ ایک سراب ہے جو دور کو قریب اور قریب کو دور بتاتا رہے گا۔ فاسق۔ کہ وہ تمہیں ایک لقمہ میں بیچ دے گا۔ بخیل۔ کہ وہ

ضرورت کے وقت ساتھ چھوڑ دے گا۔ بزدل۔ کہ وہ تمہیں دشمن کے سپرد کر دے گا!"

"تین قسم کے آدمیوں پر رحم واجب ہے۔ مالدار جو فقیر ہو جائے، عزیز قوم جو ذلیل ہو جائے۔ عالم جسے جاہل کھلونا بنا لیں"

"جب اللہ کسی رعیت پر خیر کرتا ہے تو انہیں رحمدل بادشاہ اور عادل وزیر عطا کر دیتا ہے"

"مومنین سب بھائی بھائی ہیں ایک ماں باپ کے بیٹے اس لئے جب ایک رگ پر چوٹ پڑے گی تو دوسری خود بخود پھڑک اٹھے گی"

"تنقید عداوت کا باعث ہے، بے صبری رسوائی ہے اور افشائے راز بے اعتباری کا سبب ہے"

"نامحرم پر نظر سے بچو نظر دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ خوش بخت وہ ہے جس کی نظر آنکھ میں نہ ہو بلکہ دل میں ہو"

"حفص بن البختری کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک شخص آگیا آپ نے پوچھا تم اسے دوست رکھتے ہو؟۔ میں نے عرض کی جی ہاں! فرمایا کیوں نہ ہو یہ تمہارا دینی بھائی ہے، دشمن کے مقابلہ میں تمہارے کام آئے گا۔ اور رزق تمہارا اپنا ہی کھائے گا"

یہ کلمات اس بے پناہ ذخیرہ کا ایک جز ہیں جو مختلف کتب و رسائل میں منتشر ہے۔ کاش کوئی ایسا مجاہد پیدا ہو جاتا جو حضرت کے اس ذخیرہ کو یکجا کر کے امت کے سامنے پیش کر دیتا اور امت یہ دیکھتی کہ آل محمدؐ نے رشد و ہدایت، تبلیغ و ترویج اسلام اور اصلاح قوم کے لئے کیا بیش بہا ذخیرہ مہیا کیا ہے۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن میں نفس کی اصلاح، جذبات کے تزکیہ اور خواہشات کی تطہیر کا مکمل سامان ہے ان پر عمل کرنے کے بعد انسان سکون قلب اور اطمینان نفس کی بے بہا دولت حاصل کر سکتا ہے۔ اور سماج چین کی زندگی گذار سکتا ہے۔

ان اخلاقیات کے علاوہ فقہ و تفسیر و حدیث و کلام کے موضوعات آپ کے بیانات وارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ہم اشارے کے علاوہ اور کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے علامہ عصر نے

آپ سے استفادہ کیا اور ارباب قلم نے اپنے تالیفات میں ان افادات کو جمع کر دیا ہے۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا امت کا کام ہے۔

مصادر بحث

۱۔ کافی — محمد بن یعقوب کلینی
۲۔ تحف العقول — ابو محمد حسن بن علی بن شعبہ
۳۔ وسائل — محمد بن الحسن الحر العاملی
۴۔ حلیۃ الاولیاء — حافظ ابو نعیم اصفہانی
۵۔ جامع السعادات — نراقی
۶۔ روضہ — حافظ نیشاپوری
۷۔ خصال — صدوق
۸۔ محاسن — برقی
۹۔ الامام الصادق — مظفر
۱۰۔ الاثنا عشریہ — ابن قاسم حسینی
۱۱۔ بحار الانوار ج ۱۷ — مجلسی
۱۲۔ تذکرہ — ابن حمدون
وغیرہ

امام جعفر صادقؑ

تلامذہ، رواۃ حدیث

امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ فکر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان رجال فکر اور ابطال علم کا نام لینا بھی ضروری ہے جنہوں نے اس مدرسہ میں داخلہ لیا اور اس سے وہ کچھ لے کر نکلے جسے آج امت اسلامیہ اپنی عقلی اور فکری میراث تصور کر رہی ہے، اس مدرسہ کی امتیازی صفت یہ تھی کہ اس نے کسی وقت بھی حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ اس کے اشاروں پہ چلنا ہی گوارا کیا۔ اس کی نظر میں یہ تمام سیاستیں اسلام کے اس واقعی نظام سے بالکل اجنبی تھیں یہی امت کی نیک بختی اور اس کی ہر شعبہ حیات میں ترقی کی ضمانت تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں حکومت کو اسکی ترقی اور وسعت کی راہ میں ہر اعتبار سے حائل ہونا ہی چاہیئے تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا طاقتیں صرف کر دی گئیں رکاوٹیں پیدا کی گئیں لیکن یہ مدرسہ ان تمام سخت ترین حالات کا مقابلہ کر کے آگے ہی بڑھتا گیا اور آج ساری امت کے لیئے مشعل راہ اور سنگ میل بن گیا۔

اس مقام پہ یہ بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اموی اور عباسی حکومت کے طرز عمل اور اس کے انداز مزاحمت میں کافی فرق تھا، بنو امیہ اہلبیت سے کھلم کھلا معارض تھے ان کا کام ذکر اہلبیتؑ کا مٹانا، ان کے چاہنے والوں کو اذیت دینا اور ان کو امت سے الگ کر دینا تھا وہ ان سے روایت کرنے والوں کو سزائیں دینتے تھے اور ہر اس آدمی کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے جو حکومت کے مصالح کی رعایت کرے۔ اور حقوق آل محمد کی پرواہ نہ کرے چنانچہ اس فہرست میں بھی حسب ذیل نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

سلیمان بن اشرق اموی غلام جسے مفتی دمشق بنایا گیا۔

عبداللہ بن زکوان راوی ابوہریرہ جسے والی امور حکومت بنایا گیا اور اتنا بلند کیا گیا کہ بقول لیث ۳۰۰ طالب علم اس کے پیچھے چلنے لگے۔ نافع غلام ابن عمر جسے فقیہ وقت مانا گیا جبکہ خود ابن عمر اس سے کہتے تھے کہ میرے خلاف اس طرح روایتیں نہ گڑھنا جس طرح عکرمہ نے ابن عباس کے خلاف روایتیں گڑھی ہیں۔

(تہذیب التہذیب، ص۲۶۶)

سلیمان بن یسار جسے مفتی مدینہ بنایا گیا۔

مکحول غلام بنی ہذیل جسے عالم دمشق بنایا گیا۔

ابو حازم سلمہ بن دینار اعرج غلام بنی مخزوم جسے عالم مدینہ قرار دیا گیا۔

سلیمان بن طرخان، اسماعیل بن خالد بجلی اور عکرمہ جنہیں بڑے بڑے محدثین کا درجہ دیدیا گیا اور عکرمہ کی روایتیں عظیم ترین منزل کی مالک ہوگئیں۔

بنو امیہ نے اپنی غرض کے "تابع افراد کو درجات تقسیم کئے اور اپنے کام نہ آنے والوں کو مورد عتاب ٹھہرایا سعید بن مسیب متوفی ۹۳ھ کو صرف اپنی "تائید نہ کرنے پہ باقاعدہ مرمت کر کے شہر میں تشہیر کرایا۔

ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے اموی دربار میں بلایا گیا میں نے دل میں سوچا کہ اب خیر نہیں ہے اس لئے کہ میں اس مسئلہ میں حضرت علیؑ کا ہم خیال تھا لیکن یہ سوچ کر چلا کہ میں حق ہی کہوں گا پھر جو ہوتا ہو گا۔ ہوگا اس لئے کہ بنی امیہ حضرت علیؑ کا نام نہیں سننا چاہتے تھے، علماء ان کی حدیثوں کو۔ "قال الشیخ" کے عنوان سے بیان کرتے تھے، حسن بصری آپ کی تعبیر ابو زینب سے کیا کرتے تھے۔ (مناقب ابو حنیفہ مکی ا ص۱۷۱)

حسن بصری کا تقیہ اس منزل پہ پہونچ گیا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے خلاف بھی کہہ جایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ابان بن عیاش نے اسی بات پہ ٹوک دیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس طرح ان ظالموں سے اپنے خون کا بچاؤ کیا کرتا ہوں ورنہ ابتک کہ قتل ہو گیا ہوتا (الحسن البصری ابن جوزی ص۸)

شعبی تو اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمیں آل محمد سے کیا ملا؟ ان سے دوستی کریں تو قتل کئے جائیں دشمنی کریں تو جہنم میں چلے جائیں۔ دونوں صورتوں میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔ (عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲ ص۱۱۲)

بنی امیہ کے دور میں وابستگان آل محمدؐ اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے والوں کے لئے حالات انتہائی ناسازگار تھے لیکن ایک عرصہ کے بعد ان کی حکومت کمزور

ہوئی تو لوگوں کو اس ڈیوڑھی تک پہونچنے کا موقع مل گیا اور امام باقرؑ کا ایک ایسا حلقۂ درس قائم ہوگیا کہ مدینہ بھر میں آپ کی حدیث تمام ہونے سے پہلے کسی کے درس کا آغاز نہ ہوتا تھا اور یہی حال مکہ کا بھی تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاز نے ولائے اہلبیتؑ کے طفیل میں ان کے علوم و معارف سے اپنا دامن بھر لیا۔ باقی شہروں کے لوگ بھی مدینہ ہی کے محتاج تھے کہ وہ رسول اکرمؐ کا تبلیغی وطن اور صحابہ کرام کا مرکز تھا۔ چار طرف سے لوگ مدینہ کی طرف آتے تھے اور امام صادقؑ کا دور آتے آتے یہ گھر ایک اسلامیات کی یونیورسٹی بن گیا تھا۔ ۴ ہزار شاگردوں کا ہجوم درس رونق دید کے قابل تھی۔ شاگردوں نے آپ کے بیانات کو اپنی اپنی ڈائری میں محفوظ کیا اور اس طرح ۴ سو مصنفین کی چار سو کتابیں مرتب ہوگئیں!! امام صادقؑ کی یہ شہرت اور مرجعیت کوئی قابل تعجب یا نئی چیز نہ تھی کہ آپ اپنے دور میں اہلبیتؑ کی نمایاں ترین فرد اور جملہ علمی کمالات کے جامع تھے آپ کے فیوض و برکات کی یہ کیفیت تھی کہ کوفہ میں نو سو شیخ آپ سے روایتیں بیان کرتے تھے! آپ کے خاص خاص شاگردوں نے خاص خاص موضوعات پر کتابیں بھی تالیف کی ہیں جیسے

۱- ابان بن تغلب ربعی ابوسعید کوفی متوفی ۱۴۱ھ صاحب معانی القرآن، القراءات، الاصول علی مذہب الشیعہ (فہرست ابن ندیم ص۳۰۸)

۲- علی بن یقطین متوفی ۱۸۲ھ صاحب کتاب ملاحم

۳- ابوحمزہ ثابت ابن ابی صفیہ ثمالی متوفی ۱۵۰ھ صاحب تفسیر۔ (کشف الظنون ۲ ص۲۴۴، فہرست ابن ندیم ص۵۰)

۴- ابوبصیر یحییٰ بن قاسم متوفی ۱۵۰ھ صاحب تفسیر (ابن ندیم)

۵- علی بن حمزہ کوفی بطائنی صاحب کتاب جامع ابواب فقہ (نجاشی)

۶- اسماعیل بن خالد محمد بن مہاجر صاحب کتاب القضاء (شیخ طوسی)

۷- مفضل بن عمر صاحب کتاب توحید" اس کتاب میں امام صادقؑ کا وہ مناظرہ درج ہے جو آپ نے ایک طبیب سے توحید کے بارے میں فرمایا تھا اس میں عالم کی کیفیت اس کے اجزائے ترکیبیہ، تخلیق انسان، کیفیت ولادت و غذا و طبیعت و فطرت

دماغ اور اس کی عظمت، اعضا کی ساخت اس کی حکمت وقدرت، دل، خون، رگ، اعصاب
قوت جاذبہ وماسکہ وہاضمہ ودافعہ، ترکیب بدن، تنظیم اعضاء، درستی قامت
اعمال واسرار حواس، ہوا، فضا، موت، کلام، منطق، کتابت، علم، معرفت
بصیرت اور ان تمام اشیاء کا ذکر موجود ہے جو حیات انسانی کے لیئے لازم ہیں۔

۸۔ ہشام بن الحکم متوفی ۱۸۵ھ صاحب کتاب "الامام" "حدوث الاشیاء" "الرد علی الزنادقہ" "الالکف" یہ امام کاظمؑ وصادقؑ دونوں کے شاگرد تھے۔ ابن ندیم نے ان کی ۲۵ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (فہرست صفحہ ۲۵۰)

۹۔ ابوجعفر احول محمد بن نعمان مومن طاق، آپ امام جعفر صادقؑ کے خاص شاگرد تھے علم کلام میں بیمثل ونظیر تھے ایک چھتہ میں بیٹھ کر دشمنوں سے بحث کرتے تھے اور ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اسی لیئے دشمن آپ کو "شیطان طاق" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے آپ کی تالیفات میں "کتاب الامامت" "کتاب المعرفہ" "الرد علی المعتزلہ" "کتاب فی امر طلحہ والزبیر" ہے (فہرست ابن ندیم ص ۲۵۰)

ان کے علاوہ بہت سے اصحاب ہیں جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں اپنی تالیفات کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے اور جن کا تذکرہ آئندہ جلدوں میں مناسب موقع ومحل سے ہوتا رہے گا۔ اس وقت زیر بحث وہ اصحاب ہیں جنہوں نے حضرت سے حدیثوں کی روایت کی ہے اور امت اسلامیہ کے ہر راستہ میں ہدایت کی مشعلیں روشن کی ہیں۔ ایسے حضرات کی مکمل فہرست مرتب کرنے کے لیئے تو کئی جلدیں درکار ہونگی لیکن ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف ان حضرات کا تذکرہ کریں گے جنہوں نے علم حدیث میں شہرت پائی ہے اور جن کی حدیثوں کو اصحاب صحاح ستہ نے اپنی صحیح کتابوں میں جگہ دی ہے۔

تلامذہ

۱۔ ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن زہری متوفی ۱۸۳ھ اپنے وقت کے مرجع اور اصحاب صحاح میں سے ہیں آپ سے یزید بن ہارون، احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین۔ ابوحاتم۔ عجلی۔ احمد بن حنبل نے آپ کی توثیق کی ہے۔ تہذیب اور کافی میں آپ کی روایتیں یعقوب کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں۔

۲۔ ابراہیم بن زیاد بغدادی متوفی ۲۲۸ھ! آپ کی روایتیں مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہیں۔

۳۔ ابراہیم بن محمد بن یحییٰ اور سلمی ابواسحاق مدنی متوفی ۱۹۱ھ

۴۔ ابراہیم بن طہمان بن شعیب ہروی متوفی ۱۶۸ھ! صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں، احمد ابوداؤد۔ ابوحاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔

۵۔ ابراہیم بن علی بن حسن بن رافع مدنی! آپ سے احمد بن محمد، ابراہیم بن منذر۔ یعقوب بن حمید نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے درج کیا ہے۔

۶۔ ابراہیم بن مہاجر ازدی۔! آپ سے حفص بن راشد وغیرہ نے روایت کی ہے جن کا ذکر خطیب نے متفق میں کیا ہے۔

۷۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ متوفی ۱۸۴ھ۔! آپ سے شافعی نے روایت کی ہے اور انہوں نے ہی توثیق کی ہے، ابن حنبل کے نزدیک ناقابل قبول ہیں لیکن ابن عقدہ اور ابن عدی کی نظر میں روایت کے اعتبار سے ٹھیک ہیں بلکہ بعض علماء عامہ کا خیال ہے کہ واقدی کی ساری کتابیں انہیں کی ہیں۔

۸۔ بسام بن عبداللہ صیرفی ابوالحسن کوفی! احمد اور یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے، نسائی نے روایت نقل کی ہے اور ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔

۹۔ بشار بن قیراط نیشاپوری۔! آپ سے عبداللہ بن ولید بن مہران۔ عمر بن رافع۔ نوح بن

انس نے روایت کی ہے اور ابن عدی نے اصحاب رائے میں شمار کیا ہے۔

۱۰۔ بشار بن میمون خراسانی متوفی ۱۸۰ھ! مکہ کے ساکن تھے پھر بغداد آئے اور امام صادق ؑ سے روایت کی اس سلسلے میں سیاست شعار لوگوں نے آپ کی روایت کو ترک کر دیا۔

۱۱۔ تلید بن سلیمان محاربی کوفی اعرج متوفی ۱۹۰ھ۔! آپ سے ابن حنبل، اسحاق بن موسیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے نقل کیا ہے، ابن عقدہ نے آپ کے حالات میں امام صادق ؑ کی پوری تابعیت کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ الجراح بن ملیح رواسی کوفی متوفی ۱۷۵ھ! آپ سے آپ کے فرزند۔ ابو قتیبہ سفیان بن عقبہ اور ابن مہدی نے روایت کی ہے، ابن سعد نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے، بخاری نے الادب المفرد میں اور مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں یہ روایتیں نقل کی ہیں۔ ابو احمد بن عدی نے آپ کے روایات کو مستقیم مانا ہے اور آپ کو سچا تسلیم کیا ہے اس لئے آپ سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳۔ جریر بن عبدالحمید بن قرط فاتی متوفی ۱۸۸ھ۔! آپ سے ابن راہویہ، فرزندان ابو شیبہ۔ یحییٰ بن معین۔ موسیٰ قطان۔ محمد بن قدامہ وغیرہ نے روایت کی ہے عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے، نسائی۔ ابوالقاسم اور ابن حجر نے تقریب میں توثیق کی ہے۔

۱۴۔ حبیب بن نعمان اسدی۔! ابن حجر نے مقبول قرار دیا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابوداؤد، و ابن ماجہ نے روایتیں درج کی ہیں۔

۱۵۔ حسن بن عیاش بن سالم اسدی کوفی متوفی ۱۷۲ھ۔! ابن مہدی اور احمد بن یونس نے روایت کی ہے۔ ابن معین و نسائی و ابن حبان نے توثیق کی ہے اور مسلم و ترمذی و نسائی نے روایت کو اپنی صحاح میں جگہ دی ہے۔

۱۶۔ حکم بن عتیبہ کندی متوفی ۱۱۳ھ! رجال صحاح ستہ میں ہیں اور اعمش، منصور، ابو اسحاق

شیبانی وغیرہ نے روایت کی ہے ، نجاشی نے رواۃ صادق میں شمار کیا ہے کافی ، تہذیب ، نہایہ میں روایتیں نقل ہوئی ہیں ۔ ابن حجر نے فقیہ ثقہ ۔ ابن عیینہ نے ابراہیم اور شعبی کے بعد بے مثل قرار دیا ہے ابو حاتم ابن معین نے توثیق کی ہے عجلی نے صاحب سنت قرار دیا ہے اور شعبہ بن حجاج و ابن قتیبہ کی طرح انکی شیعیت کا بھی ذکر کیا ہے ۔

۱۷ ۔ حبیب بن یسار کندی کوفی ۔! آپ سے زکریا بن یحییٰ حمیری ، ابو الجارود ، یوسف بن صہیب وغیرہ نے روایت کی ہے ، ابن معین ۔ ابو زرعہ ، ابو داؤد ابن حبان ۔ ابن حجر نے توثیق کی ہے اور ترمذی و ابو داؤد نے روایت نقل کی ہے ۔

۱۸ ۔ حارث بن عمران جعفری مدنی ۔! مشکدانہ ۔ علی ابن محمد موصلی اور محمود بن غیلان نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے ۔

۱۹ ۔ حارث بن عمیر بصری ! ان کے فرزند حمزہ ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے ، ابن معین نے توثیق کی ہے اور چار اصحاب صحاح نے حدیث نقل کی ہے ۔

۲۰ ۔ حمید ابن قیس اعرج متوفی ۱۳۰ھ ! ان کا شمار صحاح ستہ کے راویوں میں ہے ان سے معمر سفیان ، مالک ابن انس وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

۲۱ ۔ حماد ابن عیسیٰ مدنی متوفی ۲۰۸ھ ۔ ! انکی حدیث ترمذی ، ابن ماجہ نے نقل کی ہے ان سے ابو اسحاق ، محمد ابن بکار ، محمد ابن مثنیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

۲۲ ۔ حارث ابن عمران اسدی ! ان سے ابو سعید نے روایت کی ہے اور اسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔

۲۳ ۔ حاتم ابن اسمٰعیل مدنی متوفی ۱۸۶ھ یا ۱۸۷ھ ! ان سے یحییٰ ابن سعید و ابراہیم ابن حمزہ و ہارون ابن معروف و عثمان ابن ابی شیبہ ، محمد ابن مہران وغیرہ نے روایت کی ہے جسے تمام اصحاب صحاح نے نقل کیا ہے ۔

۲۴ ۔ داؤد ابن زبرقان رقاشی مصری بغدادی متوفی ۱۸۶ھ ! ان سے سعید ابن عروہ

دبقیہ وعلی ابن حجر وشعبہ ابن حجاج وابوصالح مصری وحسن ابن عرفہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ جس کا ذکر جامع الرواۃ میں ہے ان کی حدثیں ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہیں۔

۲۵۔ ربیع ابن حبیب ! ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے ان کی حدیث نقل کی ہے۔

۲۶۔ رحیل ابن معاویہ ! ان سے زہیر اور شجاع ابن ولید نے روایت کی ہے ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ ابن حجر نے صدوق قرار دیا ہے ابوداؤد اور ترمذی نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۲۷۔ رقبہ ابن مصقلہ عبدی کوفی متوفی ۱۳۱ھ ! ان سے سلیمان تیمی وابوعوانہ وابن فضل نے روایت کی ہے ثقہ قرار دیا ہے بخاری۔ مسلم۔ ترمذی ، ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ کی تفسیر میں انکی روایتیں درج ہیں۔

۲۸۔ رکین ابن ربیع کوفی متوفی ۱۳۱ھ ! ان سے شعبہ۔ ثوری۔ معمر ابن سلیمان نے روایت کی ہے۔ نسائی اور ابن حجر نے توثیق کی ہے۔ مسلم اور باقی اصحاب صحاح نے اپنی کتابوں میں ان کی روایت درج کی ہے۔ بخاری نے ادب المفرد میں ان کی روایت کی جگہ دی ہے۔

۲۹۔ زکریا ابن اسحٰق مکی متوفی ۱۴۰ھ ! بخاری اور ابوداؤد وابن معین نے انکی توثیق کی ہے اور صحاح ستہ میں ان کی روایت کی ہیں۔

۳۰۔ زیاد ابن سعد خراسانی ! ان سے ابن جریح وہمام ومالک ابن انس نے روایت کی ہے نسائی اور ابن حجر نے توثیق کی ہے اور صحاح ستہ میں روایتیں درج کی ہیں۔

۳۱۔ زبید ابن عطا کوفی ان سے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

۳۲۔ زہیر ابن محمد تمیمی متوفی ۱۶۲ھ

۳۳۔ زبید ابن حسن قریشی ! ان سے اسحٰق اور ابن مدینی نے روایت کی ہے

جسے ترمذی نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

۳۴۔ سعید ابن سالم کوفی ان سے شافعی ویحییٰ ابن آدم نے روایت کی ہے ابو داؤد اور ابن حجر نے ان کی صداقت کا اعتراف کیا ہے ابو داؤد اور نسائی نے ان کی حدیثوں کو نقل کیا ہے۔

۳۵۔ سعید ابن عبدالجبار زبیدی ! ان کی روایت ابن ماجہ نے نقل کی ہے جسے محمد مقدمی، ہشام ابن عبیداللہ ویحییٰ ابن مغیرہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

۳۶۔ سعید ابن عبدالرحمٰن مدنی متوفی ۱۷۶ھ ! ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے، ابن وہب ومحمد ابن سلیمان وعلیؑ ابن حجر نے روایت کی ہے، مسلم وابو داؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے۔

۳۷۔ سلمہ ابن کہیل کوفی متوفی ۱۲۱ھ ! ان سے یحییٰ وشعبہ وحماد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ صحاح ستہ نے ان کی روایتیں درج کی ہیں۔ احمد اور ابن حجر نے توثیق کی ہے اور امام باقرؑ کی طرف سے مذمت بھی نقل کی گئی ہے۔

۳۸۔ سلیمان ابن مہران کاہلی کوفی متوفی ۱۴۵ھ/۱۴۸ھ ! صحاح ستہ کے راویوں میں اور قدیم مذاہب کے رئیسوں میں تھے۔

۳۹۔ سلیمان ابن بلال قرشی متوفی ۱۷۲ھ ! ان سے ابو عامر وابن مبارک ومعلی ابن منصور وعبداللہ ابن وہب وغیرہ نے روایت کی ہے اور صحاح ستہ نے نقل کیا ہے۔ ابن سعد وابن عدی واحمد ابن حنبل اور ابن داؤد نے ان کی توثیق کی ہے۔

۴۰۔ سفیان ثوری کوفی متوفی ۱۶۱ھ ! رئیس مذہب قدیم اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام صادقؑ کی خدمت میں بکثرت آمد ورفت رکھتے تھے ان کی بہت سی حدیثیں ہیں جسے ابن داؤد، حلبی اور کشی نے نقل کیا ہے۔

۴۱۔ سفیان ابن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ ! ان کا ذکر پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔

۴۲۔ سعید ابن عبدالرحمٰن متوفی ۱۷۶ھ ! احمد وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور

بخاری کے تمام اصحاب صحاح نے ان کی روایتیں نقل کی ہیں ۔

۴۳۔ سنان ابن ہارون کوفی ! ان سے وکیع اور محمد ابن سلیمان نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے ۔

۴۴۔ سعید ابن ظریف کوفی ! ان سے اسرائیل اور ابن علیہ نے روایت کی ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ شیخ نے ان کی روایتوں کو غیر معتبر اور ابن حجر نے ان کو رافضی قرار دیا ہے ۔

۴۵۔ سعید ابن خیثم کوفی متوفی ۱۸۰ھ ! ان سے احمد ابن حنبل اور عبداللہ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے ۔ ابن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے ترمذی اور نسائی نے اپنے یہاں جگہ دی ہے ۔

۴۶۔ سعید ابن حسان قاضی ! ان سے دونوں سفیان ، ابو احمد ، زبیری ، وکیع ، ابونعیم وغیرہ نے روایت کی ہے ابن معین نے توثیق کی ہے ۔ ابن حجر نے صادق کہا ہے مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے اپنے یہاں نقل کیا ہے ۔

۴۷۔ سعید ابن سالم مکی ! ابن حجر نے انکی صداقت کا اعتراف کیا ہے ابن معین نے قابل قبول سمجھا ہے ابو داؤد اور ابن عدی نے سچا قرار دیا ہے شافعی و یحیٰی ابن آدم و اسد ابن موسیٰ و احمد بن یونس نے ان سے روایت کی ہے اور ابو داؤد و نسائی نے اسے نقل کیا ہے ۔

۴۸۔ سعید ابن مسلمہ ابن ہشام ابن عبدالملک ابن مروان اموی ! ذہبی اور ابن داؤد نے انہیں امام صادق ؑ کے راویوں اور شاگردوں میں شمار کیا ہے امام شافعی و عمر ابن اسمعیل و علی ابن میمون عطار نے اس سے روایت کی ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے جمع کیا ہے ۔

۴۹۔ سالم بن عبدالواحد مرادی کوفی ! ان سے صباح ابن محارب اور وکیع نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے ، ابن حجر نے مقبول ابن حبان نے موثق اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے ۔

۵۰۔ شعبہ ابن حجاج متوفی ۱۶۰؁ھ! ان کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے ۔

۵۱۔ شعیب ابن خالد بجلی! ابوداؤد نے ان کی حدیث نقل کی ہے، نسائی نے قابل قبول قرار دیا ہے ۔اور یحییٰ ابن قیس، حجاج ابن دینار، زہیر ابن معاویہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے ۔

۵۲۔ ضحاک ابن مخلد شیبانی متوفی ۲۱۲؁ھ! اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صحاح ستہ کے راوی ہیں بخاری واحمد وابن وہبی ان کے شاگرد تھے، نجاشی کا کہنا ہے ۔کہ انہوں نے امام صادقؑ سے ایک پوری کتاب روایت کی ہے جسے ہارون ابن مسلم اور عباسؒ ابن محمد ابن حاتم نے ان سے روایت کیا ہے ۔ یہ امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں سب سے آخر تک دنیا میں رہے ۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۶ صفحہ ۵۴)

۵۳۔ طلحہ ابن زید قرشی ۔ ان سے شیبان ابن فروخ نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اُسے نقل کیا ہے ۔ احمد اور ابن معین نے انہیں جعلساز قرار دیا ہے۔

۵۴۔ عاصم ابن عمران! ان سے ابوداؤد واسمٰعیل ابن ابی ادریس ومحمد ابن فلیح وعبداللہ ابن ناصح وابن وہب وغیرہ نے روایت کی ہے ۔ جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے ۔ اور احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۵۵۔ عاصم ابن حمید کوفی! ان سے محمد ابن عبداللہ ابن نمیر ویحییٰ واسماعیل ابن موسیٰ و ابونعیم نے روایت کی ہے ابوزرعہ ان کی توثیق کی ہے اور ابن حجر نے انکی صداقت کا اعتراف کیا ہے ۔

۵۶۔ عاصم ابن سلیمان بصری متوفی ۱۴۱؁ھ! یہ صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں ان سے قتادہ وسلیمان ومعمر ابن راشد وحماد ابن زید وشعبہ واسماعیل ابن ذکریا وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

۵۷۔ عامر ابن سمط کوفی! ابن حجر وابن قطان، ان کی توثیق کی ہے اور نسائی نے مسند علی میں انکی روایت درج کی ہے ۔

۵۸- عنبہ ابن عبداللہ! ان سے شعبہ وابو معاویہ وابو اسامہ نے روایت کی ہے احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور اصحاب صحاح ستہ نے ان سے چالیس حدیثیں نقل کی ہیں۔

۵۹- عثمان ابن فرقد بصری! ان سے بخاری اور ترمذی نے روایت کی ہے۔

۶۰- عثمان ابن عبدالرحمن زہیری! ان کو مالکی بھی کہا جاتا ہے۔ ابن معین نے ان کی تکذیب کی ہے اور ابن حجر نے متروک قرار دیا ہے۔

۶۱- عثمان ابن مطر بصری شیبانی! ان سے مسلم ابن ابراہیم نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اُسے نقل کیا ہے۔

۶۲- عطاء ابن مسلم حلبی متوفی ۱۹۰ھ! ان سے ابن مبارک وابو توبہ و عبدالرحمن ابن یزید و ہشام ابن عمار نے روایت کی ہے اور ترمذی نے شمائل میں اور نسائی نے سنن میں ان سے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۳- علی ابن حمزہ اسدی متوفی ۱۸۰ھ المعروف بہ کسائی! علم نحو کے بہت بڑے استاد تھے اور انہی کے قول کی بنا پر امام جعفر صادقؑ کے راوی تھے۔

۶۴- علی ابن صالح ہمدانی کوفی متوفی ۱۵۱ھ! ان سے ابن نمیر و وکیع وابو نعیم نے روایت کی ہے جس نے بخاری کے علاوہ سب نے نقل کیا ہے۔ احمد و ابن معین و ابن حجر نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۵- عوام ابن حوشب شیبانی متوفی ۱۴۸ھ! صحاح ستہ نے ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔ اور عجلی نے ان کی توثیق کرتے ہوئے انہیں تقریباً دو سو حدیثوں کا راوی قرار دیا ہے۔

۶۶- عیسیٰ ابن عمر اسدی کوفی متوفی ۱۵۶ھ! ان سے ابن مبارک اور وکیع نے روایت کی ہے جسے ترمذی اور نسائیؒ نے نقل کیا ہے۔ ابن معین اور نسائیؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔

۶۷- عبدالجبار ابن عباس ہمدانی! ان سے مسلم ابن قتیبہ اور ابن مبارک نے روایت

کی ہے ابو حاتم اور ابن حجر نے توثیق کی ہے ان کی حدیث کو بخاری نے ادب مفرد میں اور ترمذی نے صحیح میں جگہ دی ہے۔

۶۸ - عبدالعزیز ابن عبداللہ تیمی متوفی ۱۶۶ھ! یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں - لیث اور ابن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے - ابن سعد و ابن حبان و ابن معین نے توثیق کی ہے۔

۶۹ - عبدالعزیز ابن محمد درآوردی متوفی ۱۸۷ھ! صحاح ستہ کے راوی ہیں - اسحٰق ابن راہویہ اور یعقوب دورقی وغیرہ نے روایت کی ہے - ابن مدینی وغیرہ نے توثیق کی ہے۔

۷۰ - عبدالعزیز ابن عمران مدنی متوفی ۱۹۷ھ ترمذی کے راوی ہیں - ان سے سلیمان و یعقوب ابن محمد و علی ابن محمد مدائنی و محمد ابن یحییٰ و ابو غسان و ابراہیم ابن منذر وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۷۱ - عبدالعزیز ابن مطلب مخزومی! ان سے بخاری نے ادب مفرد میں مسلم و ترمذی نے صحیح میں اور ابن ماجہ نے سنن میں روایت درج کی ہے۔

۷۲ - عبدالوہاب ابن عبدالمجید متوفی ۱۹۴ھ! شافعی و احمد ابن حنبل و یحییٰ ابن معین و ابن مدینی وغیرہ کے استاد تھے۔

۷۳ - عبدالملک ابن جریج متوفی ۱۴۹ھ! کتب صحاح ستہ کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۷۴ - عبداللہ ابن رجاء مکی متوفی ۱۸۰ھ! ان سے احمد ابن حنبل و یحییٰ ابن معین و اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے - جسے مسلم و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و بخاری نے درج کیا ہے - ابن معین و ابو حاتم و ابن سعد نے ان کی توثیق کی ہے۔

۷۵ - عبداللہ ابن جعفر سعدی متوفی ۱۷۸ھ! ان سے قتیبہ اور علی ابن حجر نے روایت کی ہے کہ جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

۷۶۔ عبداللہ ابن جعفر ابن عبدالرحمٰن متوفی ۱۷۰ھ ! عجلی نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابومعین نے صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ علاوہ بخاری کے سب نے ان سے حدیث لی ہے۔

۷۷۔ عبداللہ ابن زبیر اسدی مکی متوفی ۲۱۹ھ ! بخاری کے استاد تھے صحیح بخاری ترمذی اور ابن ماجہ نے تفسیر میں ان کی روایت درج کی ہے۔ یعقوب اسدی نے ان کی پوری ایک کتاب امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔

۷۸۔ عبداللہ بن دکین کوفی۔ ان سے یزید بن ہارون، ابونعیم، موسیٰ بن اسماعیل، محمد بن بکار وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری نے "الادب المفرد" میں نقل کیا ہے۔ احمد نے ان کی توثیق کی ہے۔

۷۹۔ عبداللہ بن میمون مخزومی ! ان سے ابوالخطاب زیاد بن یحییٰ، موصل بن احباب یعقوب بن حمید اور ابوالازہر نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے، نسائی نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابوحاتم نے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور ابن داؤد حلی نے توثیق کی ہے۔

۸۰۔ عبیداللہ بن عمر مدنی متوفی ۱۴۷ھ ! مدینہ کے فقہاء سبعہ اور صحاح ستہ کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے شعبہ، دونوں سفیان لیث، معمر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابونعیم نے آپ کے امام صادقؑ سے روایت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

۸۱۔ علی بن ہاشم بن برید عابدی کوفی متوفی ۱۸۱ھ ! احمد بن حنبل کے اساتذہ میں تھے، احمد ابن معین وابن منیع وغیرہ کے شیخ تھے ان کی حدیث کو بخاری نے "الادب المفرد" میں اور باقی اصحاب صحاح نے اپنے صحاح میں درج کیا ہے۔

۸۲۔ علی بن عبدالاعلیٰ کوفی ! ان کی حدیث ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے درج کی ہے ترمذی نے توثیق کی ہے۔ احمد و نسائی نے قابل قبول ٹھہرایا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابراہیم بن طہمان، ہیثم، زہیر بن معاویہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۸۳۔ عمرو خالد قرشی ! ان سے اسماعیل بن یونس، عباد بن کثیر بصری، جعفر بن زیاد وغیرہ نے روایت کی ہے جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

۸۴۔ عمرو ابن ہارون بلخی متوفی ۱۴۴ھ! ان کی حدیثیں بکثرت ہیں۔ انہیں چوتھے طبقے کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے ان کی روایت نقل کی ہے ان کے پاس امام جعفر صادقؑ کی ساٹھ حدیثیں ہیں جسے احمد ابن حنبل نے نقل کیا ہے۔

۸۵۔ عمر ابن قیس کوفی متوفی ۱۴۲ھ! ان سے اسماعیل ابن ابی خالد وثوری واسماعیل ابن ذکریا ومعصب ابن سلام وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم واحمد ونسائی نے توثیق کی ہے۔ بخاری نے ادب مفرد میں اور باقی حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

۸۶۔ عمر ابن دینار مکی متوفی ۱۲۶ھ! ان سے مالک وشعبہ وداؤد نے روایت کی ہے انہوں نے امام باقرؑ و امام صادقؑ سے حدیث لی ہے اور ان کی حدیث صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

۸۷۔ فضیل ابن عیاض تمیمی متوفی ۱۸۷ھ! ان کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے۔

۸۸۔ فضیل ابن مرزوق کوفی ! ان سے یحیٰی ابن آدم وغیرہ نے روایت کی ہے دونوں سفیانوں نے توثیق کی ہے۔ ابن معین نے کٹر شیعہ کہا ہے۔ بخاری کے علاوہ سب نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔

۸۹۔ یکیع ابن سلیمان خزائی کوفی متوفی ۱۶۸ھ! صحاح ستہ کے راوی ہیں ابن وہب، ابو عامر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حجر نے صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے کثیر الخطاء قرار دیا ہے۔

۹۰۔ قاسم ابن معین ! متوفی ۱۷۵ھ ان سے مہدی اور ابو نعیم نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے توثیق کی ہے۔ اور ابو داؤد ونسائی نے روایت درج کی ہے۔

۹۱ - قاسم ابن عبداللہ عمری متوفی ۱۵۰ھ! ان سے محمد ابن حسن ابن زبالہ اور عبداللہ ابن وہیب وغیرہ نے روایت کی ہے - جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے - احمد ابن حنبل نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے -

۹۲ - محمد ابن اسماعیل کوفی متوفی ۱۶۷ھ ! ان سے یحییٰ ابن آدم، ابو نعیم و یحییٰ حمانی و محمد ابن حسن ابن مختار نے روایت کی ہے جسے نسائی نے خصائص میں نقل کیا ہے ابن ابی حاتم نے امام صادقؑ کے راویوں میں شمار کیا ہے - اور ابن حجر نے شیعہ لیکن صادق کہا ہے -

۹۳ - محمد ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ! ان سے یحییٰ انصاری - شعبہ، اور دونوں حماد - وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری کے علاوہ سب نے نقل کیا ہے -

۹۴ - محمد ابن فلیح مدنی متوفی ۱۹۷ھ! ان سے ابراہیم ابن منذر - محمد ابن یعقوب زبیری اور ابو سعید نے روایت کی ہے جسے بخاری نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے -

۹۵ - محمد ابن حسن ہمدانی! ان سے اسماعیل ابن ابراہیم - حسن ابن حماد اور ابن بیتع نے روایت کی ہے : ترمذی نے نقل کیا ہے

۹۶ - محمد ابن راشد دمشقی متوفی ۱۶۰ھ! ان سے ثوری - شعبہ - ابن مبارک ابن مہدی - زید ابن ابی زرقا - ولید ابن مسلم اور یزید ابن ہارون وغیرہ نے روایت کی ہے - جسے ابو داؤد - ترمذی - نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے - ابن معین نے توثیق کی ہے - عبدالرزاق نے اپنے وقت کا سب سے زیادہ محتاط قرار دیا ہے - احمد ابن حنبل انتہائی معتبر کہا ہے - ابو حاتم کا بیان ہے کہ رافضی تھے ابو زرعہ کہتے ہیں کہ ابو مسہر نے ان سے روایت نہیں کی اس لئے کہ یہ حکام عصر پر خروج جائز جانتے تھے - ذہبی نے ابو حاتم کی رائے پر بھی اعتراض کیا ہے کہ ایک شامی آدمی جس کا قیام بصرہ میں رہا

ہو وہ کیونکہ رافضی ہو سکتا ہے؟ - شاید اس کا سبب یہ ہے کہ محمد ابن راشد خزاعی تھے اور یہ قبیلہ محب اہلبیت ہے - ہمیں ذہبی کے بیان پر تنقید کر کے بات کو طول دینا منظور نہیں ہے - صرف اتنا اشارہ کرنا کہ ان لوگوں کی نظر میں رافضیت محبت اہلبیت کا دوسرا نام ہے - اب چاہے رافضی کافر کہا جائے یا مسلمان معتبر قرار دیا جائے یا غیر معتبر - اس کا فیصلہ اسلام کے قوانین اور رسول اکرمؐ کے ارشادات ہی کر سکتے ہیں -

۹۷- محمد ابن ثابت بصری! ان سے عبدالصمد ابن عبدالوارث - جعفر ابن سلیمان - ابو داؤد - ابو عبیدہ وغیرہ نے روایت کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔

۹۸- محمد ابن مجیب کوفی! انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے بکثرت حدیثیں لی ہیں۔ جیسے عبدالرحمٰن ابن عفان، عبدالرحمٰن ابن نافع، عیسیٰ ابن محمد، مسلم ابن فیض وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے -

۹۹- محمد ابن جعفر مدنی! ان سے خالد ابن مخلد - سعید ابن ابی مریم نے روایت کی ہے ابن معین اور ابن حجر نے تقریب میں معتبر لکھا ہے ان کی حدیث صحاح ستہ میں درج ہے -

۱۰۰- معلّی ابن ہلال کوفی! قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے جسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے - احمد وغیرہ نے انکی تکذیب کی ہے -

۱۰۱- معمر ابن راشد بصری متوفی ۱۵۳ھ! ان سے ایوب - ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے - ابن حجر نے ان کے فضل وکمال اور وثوق کا اعتراف کیا ہے یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں -

۱۰۲- معمر ابن یحییٰ کوفی! بخاری کے راوی ہیں - ابو زرعہ نے توثیق کی ہے -

۱۰۳- منصور ابن معتمر کوفی متوفی ۱۳۲ھ! صحاح ستہ کے راوی ہیں امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے شاگرد ہیں - عجلی کا بیان ہے کہ انکی دو ہزار حدیثیں ہیں -

۱۰۴- منہال ابن عمر اسدی کوفی - مسلم کے علاوہ سب نے ان کی روایت درج کی ہے

ابن معین اور نسائی نے توثیق کی ہے ۔ شعبہ اور اعمش نے ان سے روایت کی ہے اور انہوں نے امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے ۔

۱۰۵۔ میسر ابن حبیب کوفی ! ان شعبہ اور اسرائیل نے روایت کی ہے ۔ ابن معین عجلی اور نسائی نے توثیق کی ہے ۔ ابن حجر نے ساتویں طبقہ کا صادق مانا ہے ۔ بخاری نے ادب مفرد میں اور ابوداؤد ۔ ترمذی اور نسائی نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے ۔

۱۰۶۔ مالک ابن انس متوفی ۱۷۹ھ ! ان کا ذکر جلد اول میں آچکا ہے ۔

۱۰۷۔ مکی ابن ابراہیم بلخی متوفی ۲۱۵ھ : بخاری کے استاد اور صحاح ستہ کے راوی ہیں ۔

۱۰۸۔ مسعود ابن سعد کوفی ! ان سے ابو خالد احمر اور ابو غسان نے روایت کی ہے مسلم اور نسائی نے نقل کیا ہے اور ابن معین نے توثیق کی ہے ۔

۱۰۹۔ مسلم ابن خالد مکی متوفی ۱۸۹ھ ان سے شافعی اور ابن وہب وغیرہ نے روایت کی ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے ۔

۱۱۰۔ مصعب ابن سلام کوفی ! احمد ابن حنبل اور ابو الاشج نے ان سے روایت کی ہے ۔ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے ابن معین اور عجلی انہیں قابل قبول اور معتبر قرار دیا ہے ۔

۱۱۱۔ معاویہ ابن صالح حضرمی متوفی ۱۵۸ھ ! یہ اندلس کے قاضی تھے ان سے ثوری ۔ لیث اور ابن وہب نے روایت کی ہے ۔ احمد اور ابن معین نے توثیق کی ہے ۔ اور بخاری کے علاوہ تمام ارباب صحاح نے ان سے حدیث لی ہے ۔

۱۱۲۔ معاویہ بن عمار بجلی دہنی متوفی ۱۷۵ھ ! ان سے یحییٰ بن سعید ، معاذ بن معاذ وغیرہ نے روایت کی ہے مسلم ، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے ۔ ابن معین و

ابوداؤد نے توثیق کی ہے، منہج المقال میں ان کی کتاب الصلوٰۃ، کتاب یوم ولیلہ کتاب الطلاق، کتاب الدعا کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۱۳۔ معروف بن خربوذ مکی۔ ان سے وکیع وغیرہ نے روایت کی ہے بخاری، مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ یہ امام باقرؑ و امام صادقؑ کے شاگرد تھے (یہ معروف کوفی کے علاوہ دوسرے بزرگ ہیں)

۱۱۴۔ مفضل بن صالح اسدی کوفی! ان کی حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔ اور ان سے محمد بن عبید، احمد بن بدیل اور محمد بن اسماعیل نے روایت کی ہے۔

۱۱۵۔ نعمان بن ثابت ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ! ان کا تذکرہ پہلی جلد میں ہوچکا ہے۔

۱۱۶۔ نوح بن دراج کوفی قاضی متوفی ۱۸۲ھ! ان سے سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔

۱۱۷۔ ہارون بن سعد عجلی! ابن معین نے انہیں قابل قبول قرار دیا ہے، مسلم نے صحیح میں ان کی حدیث نقل کی ہے۔ کشی نے انہیں زیدی المذہب کہا ہے ابن حجر نے رافضی لیکن تائب قرار دیا ہے۔

۱۱۸۔ ہارون بن موسیٰ ازدی! ان سے ابن اسد، مسلم بن ابراہیم وغیرہ نے روایت کی ہے جیسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے ابن معین نے ثقہ اور ابن حجر نے ثقہ متہم المذہب قرار دیا ہے۔

۱۱۹۔ ہلال بن ابی حمید صیرفی کوفی! ان سے مسعر، شعبہ نے روایت کی ہے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے نقل کیا ہے۔

۱۲۰۔ وہیب بن خالد بصری متوفی ۱۶۵ھ! صحاح ستہ کے راوی ہیں، ابن سعد نے حجت کثیر الحدیث کہا ہے۔ منہج المقال میں ثقہ قرار دئے گئے ہیں نجاشی نے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۱۔ یحییٰ بن سعید بن فروخ قطان متوفی ۱۹۸ھ! اپنے وقت کے جید عالم اور حافظ تھے، صحاح ستہ نے ان کی حدیثیں لی ہیں احمد اور ابن معین کے شیخ تھے

۱۲۲۔ یحییٰ بن قیس انصاری مدنی متوفی ۱۴۳ھ! ان سے اوزاعی، دونوں سفیان وغیرہ نے روایت کی ہے ابن مدینی نے ان کی ۳ سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے جسے بخاری نے "الادب المفرد" میں درج کیا ہے ابن سعد نے ثقہ حجت کا لقب دیا ہے۔

۱۲۳۔ یحییٰ بن سلیم طائفی متوفی ۱۹۳ھ! ان سے احمد و اسحاق و قتیبہ نے روایت کی ہے، ابن معین و نسائی و ابن سعد نے توثیق کی اور بخاری نے قابل احتجاج تسلیم کیا ہے۔

۱۲۴۔ یعلیٰ بن الحرث کوفی متوفی ۱۶۸ھ! ان سے وکیع، ابن مہدی وغیرہ نے روایت کی ہے جسے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

اس کے علاوہ آپ سے روایت کرنے والے شیعہ حضرات کی فہرست تیسری جلد میں ذکر کی جائے گی۔ اور اس کے بعد چھٹی جلد میں ان شیعہ راویوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ جن کی حدیثیں صحاح ستہ کے اوراق کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ایسے راویوں کی تعداد بھی تین سو سے زیادہ ہے اس لئے یہاں اختصار کے پیش نظر یہ سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔

اس بحث کے اہم ترین ماخذ یہ ہیں

۱۔ فہرست	شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی	المتوفی ۴۶۰ھ
۲۔ خلاصۃ تہذیب الکمال	احمد بن عبداللہ خزرجی انصاری	
۳۔ منہج المقال	سید محمد استر آبادی	متوفی ۱۰۲۱ھ
۴۔ تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	متوفی ۸۵۲ھ
۵۔ تقریب التہذیب	"	"
۶۔ جامع الرواۃ	اردبیلی	متوفی ۱۱۰۱ھ
۷۔ خلاصہ	علامہ جمال الدین حلی	متوفی ۷۲۶ھ

۸ -	الرجال	تقی الدین ابن داؤد	قرن ہفتم
۹ -	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابو نعیم اصفہانی	متوفی ۴۳۰ھ
۱۰ -	تاریخ بغداد	خطیب بغداد	متوفی ۴۶۳ھ
۱۱ -	شذرات الذہب	ابن عماد حنبلی	متوفی ۱۰۸۹ھ
۱۲ -	تنقیح المقال	عبداللہ مامقانی	متوفی ۱۳۵۱ھ
۱۳ -	لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی	
۱۴ -	تہذیب الاسماء واللغات	محی الدین ابن شرف نووی	متوفی ۶۷۶ھ
۱۵ -	میزان الاعتدال	ذہبی	متوفی ۷۴۸ھ
۱۶ -	طبقات الحفاظ	"	"
۱۷ -	تاریخ الاسلام	"	"
۱۸ -	الجرح والتعدیل	عبدالرحمن بن ابی حاتم	متوفی ۳۲۷ھ

توضیح! اس کے بعد کسی دوسری بحث میں داخل ہونے سے پہلے چند نکات کی وضاحت کر دینا انتہائی ضروری ہے۔

۱ - رواۃ :-

چونکہ امام جعفر صادقؑ کا مدرسہ فکر اپنے وقت میں بے حد مشہور ہو چکا تھا اور اس میں مختلف عقائد، نظریات افکار و خیالات کے لوگ داخل ہو رہے تھے اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ انہیں ہر ایک کا ذہن ہر ایک کا دماغ اور ہر ایک کا اندازہ فہم یکساں نہ ہو۔ چنانچہ ان میں بعض ایسے مفاد پرست بھی تھے جن کا کام صرف آپ کے بیانات کو مسخ کر کے اس کا غلط پروپیگنڈا کرنا تھا۔ وہب ابن وہب ابو البختری اس سلسلے میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ سالم بن حفص عجلی، مغیرہ بن سعید صائد ہندی، محمد بن مقلاص وغیرہ بھی اپنے وقت کے مشہور جعلساز تھے، امام جعفر صادقؑ کو ایسے لوگوں کے حالات کا صحیح اندازہ تھا اور آپ یہ جانتے تھے کہ یہ انتہائی خطرناک لوگ ہیں اس لئے آپ نے فی الفور یہ اعلان کر دیا کہ

ہم سے جنگ کرتے والا ہمارے حق میں اس سے زیادہ خطرناک نہیں ہے
جو ہمارے خلاف باتیں گڑھ کر ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔"
"لوگ ہمارے خلاف جھوٹ پر تُل گئے ہیں۔ ہم جب بھی کوئی بات کہتے
ہیں تو باہر نکلتے ہی اس کی غلط تاویل کر لیتے ہیں یہ حدیث سے ثواب کے طالب
نہیں ہیں بلکہ طالب دنیا ہیں اور ان میں سے ہر ایک ریاست کا طلبگار ہے۔"
بعض لوگوں کا کاروبار تو یہ تھا کہ حضرت کی حدیثیں کم و زیادہ کر کے بیان کیا کرتے
تھے چنانچہ ایک شخص نے حضرت سے عرض کی کہ میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے
"جب تمہیں معرفت حاصل ہو جائے تو جو چاہو کرو" آپ نے فرمایا بالکل غلط
ہے میں نے یہ کہا ہے کہ "جب تمہیں معرفت ہو جائے تو جو چاہو کرو اتنا ہی تم سے
قبول کیا جائے گا" اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہم اہلبیت کے درمیان ایسے
لوگوں کو داخل کر دیتا ہے جن کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں ہے پھر جب اس کی
کوئی شخصیت بن جاتی ہے تو وہ ہمارے خلاف جھوٹ بولنے لگتا ہے۔"
اس کے بعد آپ نے عملی طور پر اس قسم کے افراد سے قطع تعلق کر کے
امت کو ان سے ڈرا کے ان کے فتنوں کا قلع قمع کیا، علماء رجال نے بھی
اس کام کے لئے پوری پوری بحثیں کیں۔ سچے، جھوٹے۔ اچھے بُرے کا امتیاز
قائم کرنے کے لئے علمی معیار مقرر کئے اور اس طرح صحیح و سقیم کے تفرقہ
کے لئے حسب ذیل قسم کی کتابیں تالیف کر ڈالیں۔

کتاب الرجال	شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی	متوفی سنہ ۴۶۰ھ
کتاب الشیخ	احمد بن علی بن احمد النجاشی	متوفی سنہ ۴۵۰ھ
کتاب الضعفا	احمد بن عبید اللہ غضائری	
کتاب تقی الدین حسن بن علی بن داؤد		
خلاصہ	علامہ جمال الدین حلی	متوفی سنہ ۷۲۶ھ

علم رجال میں راویوں کی جانچ پڑتال کے لئے علماء اہلسنت نے بھی کافی

احتیاط سے کام لیا ہے لیکن علماء شیعہ نے اس کے علاوہ بھی بعض شرائط کا اضافہ کرکے اس علم کو مزید استحکام بخشا ہے اور دین کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی ہے۔ خود رسول اکرمؐ کا بھی مشہور ارشاد ہے کہ میرے خلاف حدیث گڑھنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے!

۲۔ مشاہیر ثقات!

امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی وثاقت شہرۂ آفاق اور جن کا اعتبار مسلم الثبوت ہے لیکن افسوس کہ اس مقام پر ان کے تذکرہ کی گنجائش نہیں ہے، خدا نے چاہا تو تیسری جلد میں اس کی قدرے تفصیل بیان کی جائے گی اس وقت صرف چند مولفین کے نام بطور فہرست درج کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن خالد عطار عبدی
۲۔ ابراہیم بن نعیم عبدی المعروف بہ ابی الصباح
۳۔ اسحاق بن لیث کاہلی
۴۔ اسحاق بن جندب
۵۔ انس بن عیاض لیثی
۶۔ برد اسکاف ازدی
۷۔ ایوب بن عطیہ حذاء
۸۔ ثابت بن جریر
۹۔ ثابت بن صریر
۱۰۔ ثعلبہ بن میمون فقیہ
۱۱۔ جحدر بن مغیرہ طائی
۱۲۔ جعفر بن الحکم عبدی
۱۳۔ جمیل بن دراج
۱۴۔ حارث بن مغیرہ نصری
۱۵۔ حبیب بن نعمان اسدی
۱۶۔ حذیفہ بن زائدہ اسدی
۱۷۔ حریز بن عبداللہ سجستانی
۱۸۔ حسان بن مہران کوفی
۱۹۔ حسن بن حسین جحدری کندی
۲۰۔ خطاب بن مسلم کوفی
۲۱۔ خلاد بن سرحان عطار کوفی
۲۲۔ رافع بن سلمہ بن زیاد اشجعی
۲۳۔ زریق بن زبیر خلقانی
۲۴۔ زکریا بن یحییٰ واسطی
۲۵۔ زید بن یونس شحام کوفی
۲۶۔ سالم حناط کوفی
۲۷۔ سالم بن مکرم بن عبداللہ
۲۸۔ سری بن عبداللہ سلمی کوفی

۲۹ - سعید بن عبدالرحمٰن سمان کوفی
۳۰ - سعید بن غزوان اسدی
۳۱ - سلام بن ابی عمرہ خراسانی (ان کی کتاب آجتک موجود ہے الذریعہ ۳۳۶)
۳۲ - سلیم فراء کوفی
۳۳ - سلیمان بن داؤد منقری
۳۴ - سماعہ بن مہران حضرمی
۳۵ - سوید بن مسلم
۳۶ - سیف بن سلیمان تمار کوفی
۳۷ - شعیب عقر کوفی
۳۸ - شہاب بن عبد ربہ
۳۹ - صباح حذاء بن صبیح کوفی
۴۰ - صباح بن یحییٰ مزنی (تلمیذ امام باقرؑ و صادقؑ)
۴۱ - صفوان بن مہران کوفی
۴۲ - طلاب بن حوشب شیبانی کوفی
۴۳ - عاصم بن سلیمان بصری
۴۴ - عامر بن جداعہ ازدی
۴۵ - عبید بن زرارہ بن اعین
۴۶ - عبیداللہ بن الولید رصافی (راوی امام باقرؑ و صادقؑ)
۴۷ - عقبہ بن خالد اسدی
۴۸ - علی بن عقبہ بن خالد اسدی
۴۹ - عمار بن مروان یشکری
۵۰ - عمار بن موسیٰ ساباطی
۵۱ - عمرو بن ابراہیم ازدی
۵۲ - عمرو بن الیاس بجلی
۵۳ - عمرو بن حریث صیرفی
۵۴ - عمرو بن خالد خیاط
۵۵ - عمرو بن منہال صیرفی
۵۶ - ابو محمد بن قتیبہ اعشیٰ معزمی
۵۷ - کعیب بن عبداللہ کوفی
۵۸ - مالک بن عطیہ احمسی
۵۹ - محمد بن حمران نہدی
۶۰ - محمد بن عذافر صیرفی (صحابی امام صادقؑ و کاظمؑ)
۶۱ - عباد بن صہیب بصری
۶۲ - عباس بن الولید کوفی
۶۳ - عبدالحمید بن ابی العلاء ازدی
۶۴ - عبدالرحمٰن بن محمد فزاری
۶۵ - عبدالغفار بن حبیب طائی
۶۶ - عبدالغفار بن قیس انصاری (تلمیذ امام باقرؑ و صادقؑ)
۶۷ - عبدالکریم بن ہلال جعفی خلقانی
۶۸ - عبداللہ بن ابی یعفور
۶۹ - عبداللہ بن بکیر بن اعین شیبانی
۷۰ - عبداللہ بن زرارہ بن اعین
۷۱ - عبداللہ بن سعید بن شبل

۲۷۔ عبداللہ بن غالب اسدی فقیہ ۴۷۔ عبدالملک بن حکیم خثعمی کوفی
۳۷۔ عبداللہ بن الفضل نوفلی ۵۷۔ عبدالملک بن عتبہ نخعی صیرفی کوفی

اس کے علاوہ فہرست طوسی، کتاب نجاشی اور جامع الرواۃ میں مولفین کا ایک سلسلہ ہے جسے آقائے بزرگ محمد محسن طہرانی دام ظلہ نے کتاب "الذریعہ" کی چھٹی جلد میں حرف ح کے سلسلے میں اور پہلی جلد میں حرف حمزہ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے، ہم نے سابق میں بعض حضرات کا ذکر کر دیا ہے اور باقی کا آئندہ تذکرہ کریں گے۔!

۴۔ جابر بن حیان :۔

علم کیمیاء میں جابر کی شخصیت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس علم میں نام پیدا کیا ان کو صوفی اور حرانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے موضوع بحث سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے لیکن بعض اسباب کی بنا پر کسی حد تک ان کے حالات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ جابر نے علم کیمیاء کے توازن کی بحثیں اور فلسفہ کے اہم مباحث کو اجاگر کیا اور نئی نئی تحقیقات منظر عام پر سے آئے، ان کے تالیفات کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے اور بعض لوگوں نے انہیں الجبرا کا موجد قرار دیا ہے۔ علم کیمیاء کے بارے میں انہوں نے ہزار صفحہ کے پانچسو رسالے تالیف کیئے ہیں۔ ان کے بارے میں اختلافات کی نوعیت یہ ہے بعض لوگوں کا سوال ہے کہ یہ ایک موسوم شخصیت ہے جسے نمونہ کے طور پر وضع کر لیا گیا ہے ورنہ تاریخ عرب میں ایسی کسی عظیم ہستی کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب ابن ندیم نے فہرست میں یہ دیا ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے گھر میں بیٹھ کر متعدد تجربات کیئے ہوں علوم کے ذخیرے مہیا کیے ہوں لوگوں کو جدید تحقیقات سے آشنا کیا ہو۔ اس کے بارے میں وجود و عدم کی بحث انتہائی جہالت اور حماقت ہے۔ جابر ایک شہرۂ آفاق شخصیت ہے جس کی تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں بعض لوگ انہیں خراسانی کہتے ہیں اور رازی نے انہیں اپنا استاد کہہ کر ظاہر کیا ہے۔ ان کے تالیفات مذہب شیعہ اور مختلف علوم کے بارے میں بکثرت ہیں جنکا برمحل تذکرہ کیا گیا ہے

اور کیا جا رہا ہے"۔

مستشرقین کے درمیان بھی جابر کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں مستشرق کراؤس نے ان کی "تالیفات کو شائع کیا ہے جنمیں شیعیت کے دلائل واضح طور پر پائے جاتے ہیں! لیکن بعض مستشرقین کو یہ بات کھل گئی ہے اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ علم کیمیا میں اولیت کا شرف کسی مسلمان عرب کو مل سکے اس لئے انہوں نے کبھی ان کے وجود کو مشکوک بنایا، کبھی ان کے دور میں شک کیا۔ کبھی ان کی کتابوں کو بے اعتبار ٹھہرایا۔ کبھی ان کے امام صادقؑ سے استفادہ کرنے کا انکار کیا اور کبھی کتابوں کی ترتیب وتہذیب پر اعتراض کیا کہ یہ سلیقہ اس دور کے انسان کے لئے غیر معروف ہے!

استاد اسماعیل مظہر نے رسالہ المقتطف میں (۶۸ ، ۴۴۵ و ۶۱۷ تا ۶۲۵) اور استاد احمد زکی صالح نے "الرسالۃ" عدد ۸ ص۱۲۰۴، ۱۲۰۶ پر ان تمام اوہام کی دھجیاں اڑادی ہیں اور یہ واضح کر دیا ہے کہ جابر شیعہ مذہب انسان تھے اور شیعوں نے علوم کے سلسلے میں بڑی اہم خدمات انجام دی ہیں یہانتک کہ مذہب کو فلسفی رنگ دینے میں امیرالمومنین علیؑ بن ابیطالب کا اپنا ایک مخصوص فلسفہ مشہور ہوگیا ہے ۔"

(حیاۃ الامام الصادق المظفر) بعض لوگوں نے ایک شاعرؔ کے کلام سے تمسک کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ جابر خالد بن یزید کے شاگرد تھے اور خالد وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعتراف کرتے ہوئے خود حکومت سے دست کشی کر لی تھی (کشف الظنون ۳ ص۱۹۸) لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات انتہائی مہمل ہے اس لئے کہ جابر نے خود اپنے رسالوں میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ میں نے یہ باتیں براہ راست امام جعفر صادقؑ سے لی ہیں (رسائل جابر نشر کردہ مستشرق کراؤس ص۳۲۵) خواص کبیر کے ص۲۰۵ پر جابر کا بیان ہے کہ میں ایک دن امام جعفر صادقؑ کے گھر جا رہا تھا .... اسکے علاوہ جابجا اس کی تصریح موجود ہے ص۳۱۶ مقالہ ۲۲ میں لکھتے ہیں کہ حضرتؑ نے مجھے ان خواص کے جمع کرنے کا حکم دیا اور آئندہ بھی ایسے تصنیفات کے اضافہ کا مشورہ دیا۔ وفیات الاعیان ابن خلکان، مراۃ الجنان یافعی، تاریخ ابن الوردی، کشف الظنون

دائرۃ المعارف پطرس بستانی، قاموس الاعلام ترکی، وغیرہ میں اس بات کی تصریح و تفصیل بقدر ضرورت موجود ہے۔

استاذ محمد یحیٰی نے اپنی کتاب "امام صادق ملہم الکیمیاء" میں لکھا ہے کہ علوم کی تاریخ میں جابر کا مسئلہ اور ان کا امام جعفر صادقؑ سے ارتباط بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس موضوع کو اکثر مستشرقین اور اہل کیمیا نے محل بحث بنایا ہے لیکن کوئی قابل اطمینان کام نہیں کیا اس لئے کہ انہوں نے موضوع کے دیگر مصادر کی چھان بین کی ہے اور خود جابر کے بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے ہمارا خیال ہے کہ ہم جابر ہی کے رسائل کی روشنی میں اس بحث کا تجزیہ کریں اور امام صادقؑ کی فکری خدمات کا صحیح جائزہ لیں! ...... اس کے بعد ص ۳۹ پر لکھتے ہیں کہ جابر کے چھوڑے ہوئے علمی ذخیرہ کی چھان بین کرنے کے بعد یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انہیں یہ سب کچھ امام جعفر صادقؑ سے ملا تھا۔ مستشرقین کو یہ حقیقت معلوم تھی لیکن انہیں یہ بات پسند نہیں آئی اس لئے انہوں نے تنقید میں عجیب و غریب پہلو اختیار کئے اور آخر میں یہ کہہ دیا کہ امام صادقؑ کو ان علوم و فنون میں دستگاہ ناممکن ہے۔ درّوسکا کا کہنا ہے کہ مدینہ میں بیٹھکر امام صادقؑ کو کیمیاء کے اصول و عملیات کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔ برٹلو فرانسیسی اور ہولمیارڈ انگریز کو جابر کی طرف منسوب شدہ معلومات نے حیرت میں ڈال دیا ہے۔"

اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں جنہیں استاد موصوف نے ذکر کیا ہے لیکن ہم اس موضوع سے غیر متعلق ہیں اس لئے انہیں ترک کئے دیتے ہیں ہم نے تو امام صادقؑ کے شاگردوں کی مناسبت سے جابر کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا ورنہ تفصیلات کے لئے دوسرا محل درکار ہے!

۴۔ فرقے:-

امام جعفر صادقؑ کا مدرسہ مختلف علوم و فنون کا مرکز تھا اس لئے اس کا کوئی تعلیمی دستور مرتب نہ ہو سکا تھا مختلف مسائل کے ضرورتمند ارباب نظر آیا کرتے تھے اور اپنی ضرورت کے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، کبھی آپ خود سے علوم و فنون

پر روشنی ڈالتے تھے اور کبھی اصحاب کو جمع کر کے اپنے آباؤ اجداد کی حدیثیں اور علم کلام کے نکات نوٹ کرایا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ دور دور سے تحصیل علم کی غرض سے آتے اور اپنی علمی تشنگی رفع کیا کرتے تھے۔ آپ نے عراق و مکہ میں مختلف مذاہب کے ارباب فکر سے بحثیں کیں۔ انہیں ان کے مسلک کی غلطی سے آگاہ کیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ بعض نے صدق دل سے استفادہ کیا اور بعض نے عناد و فساد سے کام لیا۔ اور تحصیل علم کو "فساد فی الارض" کا وسیلہ بنا لیا!

امام صادقؑ سے متعلق مختلف علمی بحثیں ہیں جنہیں اس مقام پر ذکر ہونا چاہیئے لیکن ہم نے انہیں صرف اس لئے ترک کر دیا ہے کہ یہ بحث ہر جلد میں مختلف مقامات پر ہوتی رہے گی۔ آپ کے سلسلۂ نسب کو بھی محل بحث سے خارج کر دیا ہے۔ اور آپ کا حسب و نسب پوری طرح واضح ہے ائمہ اربعہ کے حسب و نسب کو تو اس لئے زیر بحث لایا گیا تھا کہ ان کے حسب و نسب پر اور زمان و مکان کے بارے میں بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ تاہم ایک مختصر اشارہ امام محمد باقرؑ کی زندگی کے بارے میں ضرور کریں گے کہ اس سے حضرت کا تعلق براہ راست ہے اور اس کی روشنی میں آپ کی زندگی کا جائزہ لینے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ

کے

سایۂ عاطفت میں

ابو جعفر محمد بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب علیہم السلام

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنی حیات طیبہ کا ایک بڑا حصہ اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ اور اپنے جد نامدار امام زین العابدینؑ کی آغوش عاطفت میں گذارا ہے ۔ انہیں بزرگوں نے آپ کی پرورش کی اور انہیں کے ذریعہ اسرار آلہی آپ تک منتقل ہوئے ، ہم اس مقام پر ان حضرات کی مکمل سیرت کے تذکرہ سے معذور ہیں لیکن امام محمد باقرؑ کے بعض حالات کی طرف ضرور اشارہ کریں گے اس لیئے کہ آپ ہی کے دور میں اہلبیتؑ کے مدرسۂ تربیت کی بنیاد پڑی اور آپ ہی کے مدرسہ میں بڑے بڑے اصحاب اور تابعین نے شرف شاگردی حاصل کیا ، آپ نے بیشمار تشنگان علوم کو سیراب کیا اور دین و مذہب کو لا مذہب علماء کے فتوؤں سے پاک و پاکیزہ بنایا ۔

ولادت :-

امام محمد باقرؑ مدینہ میں ۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور بقول شیخ مفید، نہایہ ابن کثیر، تاریخ ابن اثیر، ۵ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا ، مسعودی کے خیال میں آپ کا انتقال ولید کے دور میں ہوا ۔ آپ نے ابتداء کے تین چار سال امام حسینؑ کے زیر سایہ گذارے جس میں کربلا کا المناک سانحہ بھی پیش آیا ۔ ۳۴ سال پدر بزرگوار کے ساتھ رہے اور ۱۸ ۔ ۱۹ سال ان کے بعد زندگی گذاری ، آپ کے دور حیات میں حسب ذیل حکام برسر اقتدار آئے ۔ معاویہ ابن ابی سفیان ، یزید

معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن الحکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک ۔

کنیت ولقب :-

آپ کی کنیت ابوجعفر اول اور لقب باقر ہے ۔ باقر کے معنی شگافتہ کرنے والے ہیں اور آپ کو باقر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے علوم میں موشگافیاں کر کے اسکی وسعتوں کو کہیں زیادہ بڑھا دیا ہے (قاموس ۱/۳۷۷، لسان العرب ۵/۱۴۰، حیاۃ الحیوان ۱/۱۴۰، تاریخ ابوالفداء ۱/۲۱۵)

- ذہبی کا بیان ہے کہ یہ لقب آپکو رسول اکرمؐ نے عطا فرمایا ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۱۱)
- جابر بن عبداللہ انصاری متوفی ۷۸ھ کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا جابر تم اس وقت تک زندہ رہو گے کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو جو حسینؑ کی نسل سے ہوگا اور علوم میں وسعت پیدا کرے گا لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا (حاشیہ القاموس المحیط ۱/۳۷۶، الفصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۱۹۳)
- یعقوبی کی روایت کی بنا پر آنحضرتؐ نے جابر سے فرمایا تم عنقریب میرے اس فرزند سے ملو گے جو میرا شبیہ ہوگا اور اس کا نام میرا نام ہوگا ۔ لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا، اس حکم کے بعد جابر جب ضعیف ہو گئے تو برابر "یا باقر یا باقر" کہا کرتے تھے (تاریخ یعقوبی ۳/۶۱)
- مدائنی نے جابر کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حسینؑ آپ کی گود میں بیٹھے تھے آپ انہیں کھلا رہے تھے اسی دوران میں آپنے فرمایا اسے جابر اس کے یہاں ایک بچہ ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور وہ روز قیامت زین العابدین کے لقب سے یاد کیا جائے گا اس کے بعد اس کے یہاں ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام محمد ہوگا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا

سلام کہہ دینا۔ (تذکرۃ الخواص ص۳۴۳، احسن القصص سید علی نکری ۲/۲ ص۳۸)

- شبلنجی نے یہی روایت زبیر بن محمد بن مسلم سے نقل کی ہے (نور الابصار ص۱۴۳)
- عیون الاخبار ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ حضرتؐ نے جابر سے فرمایا تمہاری زندگی میں میرا ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام میرا نام ہوگا وہ علم کی وسعتوں میں اضافہ کرے گا۔ لہذا جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔
(عیون الاخبار ۱ ص۲۱۲)

بہر حال علوم اسلامیہ میں آپ کی منفرد شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے تاریخ علم پر آپ کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔ یہ اور بات کہ تاریخ نے بہت کم افراد کو ان کی اصلی جگہ پر بٹھایا ہے۔!

اقوال علماء :-

- محمد باقرؑ کو دیکھنے سے پہلے میں یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ امام زین العابدینؑ کی اولاد میں کوئی ان کا بیٹا بھی ہو سکتا ہے۔ محمد بن المنکدر
- علماء اعلام کو محمد باقرؑ کے علاوہ کسی کے سامنے ناچیز ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ عبد اللہ بن عطا (حلیۃ الاولیاء)
- محمدؑ بن علیؑ کو باقرؑ اسی لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے علوم میں موشگافیاں کی ہیں ان کی والدہ ام عبد اللہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ وہ تابعی جلیل تھے ان کی جلالت و امامت پر اتفاق ہے۔ ان کا شمار مدینہ کے عظیم فقہاء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے جابر وانس وابو المسیب وابن الحنفیہ وغیرہ سے روایتیں سنی ہیں اور ان سے

ع۔ پہلی جلد میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے بارے میں اختلافی روایات [illegible] یا نقلی روایت کیے [illegible] امام اسلامی ذوق کے تحت استعمال ہوتے [illegible] ورنہ [illegible] جو فقہ [illegible] تبلیغ [illegible] انسان [illegible] سے کسب علم وفیض کے قطعی محتاج نہ تھے۔

ابو اسحاق سبیعی، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، زہری، ربیعہ وغیرہ جیسے بزرگ تابعین نے روایتیں لی ہیں۔ بخاری اور مسلم نے ان کی حدیثیں نقل کی ہیں ۔۔۔ محی الدین ابن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ (تہذیب الاسماء واللغات)

- ابو جعفر محمدؒ بن زین العابدینؒ امام جعفر صادقؒ کے والد اور شیعوں کے ایک امام ہیں انہیں باقر اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے علم کو وسیع بنایا ہے عبداللہ بن عطاء اپنے کو ان کے مقابلہ میں ہیچ تصور کرتے تھے، وہ ۵۶ سال زندہ رہے اور اپنے والد کے ساتھ بقیع میں دفن ہوئے ۔۔۔ عفیف الدین یافعی (مرآۃ الجنان ا ص۲۴۷)

- ابو جعفر محمد باقرؒ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے ان کا شمار فقہاء مدینہ میں تھا، وسعت علم کی وجہ سے باقر لقب پایا۔ شیعوں کے بارہ اماموں میں سے ایک امام تھے عبداللہ بن عطاء ان کے سامنے اپنے کو ہیچ سمجھتے تھے، ان کے نصائح و مواعظ بکثرت ہیں، ۱۱۷ھ میں انتقال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئے۔ عبدالحی بن عماد حنبلی (شذرات الذہب ا ص۱۴۹)

- محمدؒ بن علیؒ باقرؒ علم کے توسیع دینے والے، اس کے علمدار، اس کے منافع حاصل کرنے والے، اس کی تزئین کرنے والے تھے ان کا دل صاف، عمل پاکیزہ، نفس طیب اور اخلاق شریف تھا، طاعت الٰہی میں وقت گذارتے تھے، تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے، طہارت و نجابت کی نشانیاں چہرے سے ہویدا تھیں مناقب ان کی طرف سبقت کناں اور اوصاف کمال ان کی ذات پر نازاں تھے۔ ۳ صفر ۵۷ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے باقر و شاکر و ہادی لقب پایا، علمی عظمت کی بنا پر، باقر کے لقب سے مشہور ہو گئے ۔۔۔ محمد بن طلحہ قرشی عدوی شافعی (مطالب السئول ۲ ص۵۰)

- ابو جعفر باقرؒ امام ہاشمی علوی تھے انہوں نے اپنے والد بزرگوار، جابرؓ، ابو سعیدؓ، ابن عمرؓ، عبداللہ بن جعفر وغیرہ سے روایت کی ہے۔ عائشہ، ام سلمہ اور

ابن عباس سے بھی مرسلاً روایت کی ہے ۔ ان سے جعفرؒ بن محمد، عمر بن دینار، اوزاعی، ابن جریح، قرۃ بن خالد وغیرہ نے روایتیں لی ہیں ۔ وہ اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے ، وسعت علم کی بنا پر باقر لقب پایا، نسائی وغیرہ نے ان کا شمار فقہاء مدینہ میں کیا ہے ۱۱۴ھ یا ۱۱۸ھ میں انتقال فرمایا ۔۔۔ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (تذکرۃ الحفاظ ص۱۱۱)

• ابو جعفر باقرؒ تابعی جلیل القدر تھے ۔ علم و عمل و سیادت و شرف کے اعتبار سے امت میں ممتاز تھے ۔ وسعت علم کی وجہ سے باقر کہے گئے یاد خدا میں مشغول، صبر و شکر میں منہمک اور خانوادۂ رسالت کا خلاصہ تھے ۔ نسب کے اعتبار سے بلند، حسب کے لحاظ سے شریف، خطرات سے آگاہ اور عجز ولا پر گریہ کناں تھے ۔ لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دامن کشاں رہتے تھے ۔۔۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (البدایۃ والنہایۃ ۹ ص۳۰۹)

• محمدؒ بن علیؒ ابو جعفر باقرؒ امام حسنؓ کے نواسے تھے انہوں نے اپنے والد، امام حسنؓ ۔ امام حسینؓ اور حضرت علیؓ سے مرسلاً روایت کی ہے، ان سے امام جعفرؒ، اسحاق سبیعی، اعرج، زہری، عمر بن دینار، موسیٰ بن سالم، قاسم بن فضل، اوزاعی، ابن جریح، شیبہ بن نصاح ۔ عبداللہ بن ابی بکر بن عمر بن خرم، عبداللہ بن عطاء، بسام صیرفی، حرب بن سریح، حجاج بن ارطاۃ محمد بن سوقہ، مکحول بن راشد، معمر بن یحییٰ بن بسام وغیرہ نے روایت لی ہے ۔ شہاب الدین ابن حجر (تہذیب التہذیب ۹ ص۳۵۰)

• محمدؒ بن علیؒ بن الحسینؒ امام جعفر صادقؒ کے والد اور تابعی عادل ثقہ تھے وسعت علم کی بنا پر باقر کے لقب سے مشہور ہوئے ۱۱۴ھ میں وفات پائی اور اپنے والد کے ساتھ بقیع میں مدفون ہوئے ۔۔۔ تلمسانی (شرح الشفاء خفاجی ۲ ص۲۹۲)

• محمد باقرؒ ابن زین العابدینؒ بن ۳ صفر ۵۷ھ کو واقعہ کربلا سے تین برس قبل متولد ہوئے ۔ ابو جعفر کنیت اور وسعت علوم کی بنا پر باقر لقب پایا، آپ کے

علوم کی خبریں مشہور اور آپ کی مدح سے قصائد کی دنیا معمور ہے مالک جہنی نے اپنے اشعار میں آپ کو علوم قرآن کا واقعی وارث وحامل قرار دیا ہے ۵۸ یا ۶۰ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ میں وفات پائی ، ۳۴ سال امام حسینؑ کے ساتھ ۳۳ سال پدر بزرگوار کے ساتھ اور ۱۹ سال ان کے بعد گذارے — محمد بن عامر (اتحاف ص۵۲)

•- محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ آپ کو باقر کے لقب سے اس لئے یاد کیا جاتا ہے کہ آپ نے علوم ومعارف کے اسرار کو اسی طرح واضح کیا ہے جس طرح ایک کاشتکار زمین کے خزانوں کو باہر نکال کر رکھ دیتا ہے آپ کا علم کمال وزہد وتقویٰ اخلاق وشرف شہرہ آفاق ہے ، کنیت ابوجعفر اور القاب باقر وشاکر وہادی ہیں، آپ کے شرف کے لئے ابن المدینی کی یہ روایت کافی ہے کہ جابر بن عبداللہ نے آپ کو بچپنے میں رسول اکرمؐ کا سلام پہونچایا، تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آخر یہ سلام کیسا ہے تو انھوں نے بیان کیا کہ میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھا حسینؑ آپ کی آغوش میں بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا جابر اس فرزند سے ایک مولود متولد ہوگا۔ جو روز قیامت زین العابدینؑ کے لقب سے پکارا جائے گا اور اس سے ایک فرزند متولد ہوگا جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ دیکھو جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہدینا — محمد بن عبدالفتاح حنفی (جوہرۃ الکلام ص۱۳۲-۱۳۵)

•- ابوجعفر محمدؑ بن علیؑ باقرؑ شیعوں کے پانچویں امام اور انتہائی عابد وزاہد تھے مختلف علوم اور تفسیر قرآن میں ان کے اقوال مشہور ہیں - مدینہ میں متولد ہوئے اور حمیمہ میں وفات پائی —— زرکلی (الاعلام ۳ ص۹۲۳)

•- محمدؑ باقرؑ ابن زین العابدینؑ کا لقب باقر اس لئے تھا کہ ان کو علوم کے اسرار واصول سے واقفیت حاصل تھی - ان کی منزل کو بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں اسلوک ومعرفت میں آپ کے کلمات شہرۂ آفاق ہیں - منجملہ

"بجلیاں مومن اور غیر مومن سب پر گرتی ہیں لیکن یاد خدا کرنے والے پر اثر انداز نہیں ہوتیں" "جس دل میں غرور داخل ہوگا اس سے عقل نکل جائے گی"۔ "شکم و شرمگاہ کے تحفظ سے بڑی کوئی عبادت نہیں ہے" "دنیا میں بھائیوں پر احسان سے زیادہ کوئی کارآمد شے نہیں ہے" "بدترین بھائی وہ ہے جو مالداری میں تعلقات رکھے اور فقیری میں قطع تعلق کرے" دوسرے کے دل میں اتنی ہی محبت سمجھنا چاہیئے جتنی دوسرے کے لئے اپنے دل میں ہو"۔ اس کے علاوہ ایسے بیشمار فقرات دامن تاریخ میں محفوظ ہیں ۔ سخاوی (الکواکب الدریہ ا ص۱۶۴)

۵۔ ابو جعفر محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ ۔ آپ کی والدہ ام عبداللہ بنت الحسن تھیں اور آپ کے فرزند جعفر بن محمدؑ اور عبداللہ بن محمدؑ تھے جن کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں ابراہیم کی والدہ ام حکم بنت اسد بن المغیرہ اور علی بن محمد و زینب بنت محمد کی والدہ ام ولد جس طرح ام سلمہ بنت محمد کی والدہ بھی ام ولد تھیں آپ کا انتقال ۶۳ سال کی عمر میں ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں ہوا۔ فضل بن دکین نے ۱۱۴ھ کو ترجیح دی ہے، حضرت باقرؑ کثیر الحدیث عالم تھے لیکن آپ سے کسی قابل اعتبار آدمی نے روایت نہیں کی ——— طبقات ابن سعد ۵ ص۲۳۸

اس مقام پر آنحضرتؐ کے بارے میں تمام اقوال و آراء کا جمع کرنا مقصود نہیں تھا اس لئے اسی مقدار پر اکتفاء کی جاتی ہے اور نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے یگانۂ روزگار اور ان تمام صفات کمال کے جامع تھے جن کی ایک مرجع امت کو ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس جگہ پر ابن سعد کے اس آخری فقرے سے بحث کرنا ضروری ہے جس میں انہوں نے حضرت سے کسی معتبر آدمی کے روایت کرنے کا انکار کیا ہے، مجھے حیرت و تعجب ہے کہ ابن سعد نے اتنا بڑا اتہام کیونکر لگا دیا۔ اور تاریخ و حدیث سے اتنا عظیم تغافل

کس طرح مناسب خیال کیا۔ کیا ان کے بیان کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ جس جس نے امام محمد باقرؑ سے روایت کردی ہے وہ سب غیر معتبر ہیں اگر ایسا ہے تو اکثر تابعین و علماء اور ارباب صحاح اس کی زد میں آجائیں گے اس لئے کہ ان حضرات نے روایت کو نقل بھی کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ابن سعد کی مراد شیعہ راوی رہے ہوں اور ان کا غیر معتبر قرار دینا ان کی نظر میں ذاتی عقائد یا سماجی حالات کی بنا پر ضروری رہا ہو۔ ابن سعد کے ذاتی عقائد و افکار ہمیں بخوبی معلوم ہیں لیکن ہم ان پر بحث کرکے گفتگو کو طول نہیں دینا چاہتے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اس مقام پر چند ان تابعین و علماء کے نام درج کردیں جنہوں نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے اور انہیں خود ابن سعد نے طبقات میں معتبر قرار دیا ہے بلکہ اصحاب صحاح نے بھی ان کی روایتوں سے استدلال کیا ہے۔

تلامذہ و رواۃ

- عمر بن دینار کوفی اثرم متوفی ۱۱۵ھ ! جلیل القدر عالم اور صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ ان سے قتادہ، شعبہ، ہر دو سفیان و حماد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین نے ان کی حدیثوں کی تعداد پانچسو بتلائی ہے، مسعر نے انہیں تین مرتبہ تکرار کے ساتھ موثق کہا ہے، ابن نجیح کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ فقیہ و عالم دیکھا ہی نہیں گیا۔ بلکہ بقول بعض عطاء و طاؤس بھی ان کے برابر کے نہ تھے۔
- عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ ! صحاح ستہ کے راوی اور قدیم مذاہب میں سے ایک مذہب کے رئیس تھے ان کا مفصل تذکرہ جلد اول میں ہو چکا ہے۔
- عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی متوفی ۱۵۰ھ ! ان سے یحییٰ بن سعید انصاری اور دونوں سفیان نے روایت کی ہے، بہت زبردست عالم تھے۔

اصحاب صحاح ستہ نے ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے، احمد کی نظر میں علم کا ایک ظرف تھے۔ (طبقات الحفاظ ا ص ۱۶۰)

- قرۃ بن خالد سدوسی بصری متوفی ۱۵۴ھ! ان کی تقریباً سو حدیثیں ہیں جن سے اصحاب صحاح ستہ نے استدلال کیا ہے۔
- محمد بن المنکدر قرشی تیمی متوفی ۱۳۳ھ! ان سے بھی اصحاب صحاح ستہ نے استدلال کیا ہے، ابن عیینہ کی نظر میں صداقت کا معدن اور صالحین کا مرکز تھے ذہبی کی نظر میں ان کی وثاقت و افضلیت پر اجماع ہوچکا ہے۔
- یحییٰ بن کثیر طائی یمانی متوفی ۱۲۹ھ! یہ شعبہ کی نظر میں زہری سے بہتر تھے۔ اور ابو حاتم کے نزدیک خود بھی ثقہ تھے اور ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے صحاح ستہ کے رجال میں ہیں۔ (طبقات الحفاظ ا ص ۱۳۱)
- زہری ابوبکر محمد بن مسلم متوفی ۱۲۴ھ! ان سے مالک بن انس، ابن ابی ذئب سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ یہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ دونوں کے شاگرد تھے ـــ (تہذیب الاسماء واللغات نووی ا ص ۸۷)۔
- ربیعہ رائی متوفی ۱۳۶ھ! امام مالک کے استاد، امام محمد باقرؑ کے شاگرد (تاریخ اسلام ذہبی ۵ ص ۲۹۹) اور صحاح ستہ کے معتبر راوی ہیں۔ ان سے اوزاعی، ثوری، سلیمان بن بلال وغیرہ نے روایت کی ہے۔
- اعمش سلیمان بن مہران کوفی متوفی ۱۴۸ھ! رئیس مذہب، اعلم عصر اور صحاح ستہ کے راوی تھے، امام محمد باقرؑ کے مشہور شاگردوں میں تھے جیسا کہ جلد اول میں مذکور ہوچکا ہے۔
- عبداللہ بن ابی بکر انصاری متوفی ۱۳۵ھ! مالک کے استاد، صحاح ستہ کے راوی۔ نسائی کی نظر میں انتہائی ثقہ، مالک کے نزدیک مرد صداقت کثیر الحدیث اور خود ابن سعد کی رائے کے مطابق ثقہ کثیر الحدیث تھے (تہذیب التہذیب ۵ ص ۱۶۴)

تاریخ الاسلام ۵ ص۳۶۴) ۔

•۔ زید بن علیؑ بن الحسینؑ متوفی ۱۲۲ھ ! انہوں نے اپنے والد اور اپنے بھائی امام باقرؑ سے روایت کی ہے اور ان سے زہری، اعمش، شعبہ، سعید بن خثیم، اسماعیل سعدی، ذکریا بن ابی زائدہ، عبدالرحمن بن حارث، وغیرہ نے روایت کی ہے، یہ ۱۲۲ھ میں شہید کیے گئے اور بقول معصب زبیری ۱۲۶ھ کئی دن تک انکا جسم تختۂ دار پر لٹکا رہا۔ ابن ابی الدنیا نے محمد بن ادریس۔ عتکی۔ جریر بن حازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اسلام کو اس درخت سے ٹیک لگائے ہوئے خواب میں دیکھا جس پر زید کا جسم متعلق تھا اور آپ فرما رہے تھے کیا میری اولاد سے یہی سلوک ہوگا؟ (تہذیب التہذیب ۳ ص۴۲۰) زید بن علیؑ کی منزلت ائمہ معصومینؑ کی نظر میں بہت بلند ہے۔ فقہ میں آپ کی ایک کتاب "مجموعہ زید" کے نام سے مشہور ہے جسے جرفینی نے میلانو کے کتبخانہ میں میں تلاش کیا ہے۔

•۔ موسیٰ بن سالم مولیٰ آل عباس ! ان سے عطاء بن سائب، لیث بن ابی سلیم ثوری اور دونوں حمادوں نے روایت کی ہے۔ احمد، ابن معین، ابو زرعہ، ابوحاتم نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن عبدالبر نے یہاں تک کہدیا ہے کہ ان کی وثاقت میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے (تہذیب التہذیب ۱۰ ص۳۴۴)

•۔ ابو ہارون موسیٰ بن عیسیٰ الحناط المدنی ! ان سے لیث بن سعد، ابن عیینہ یحییٰ القطان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور نسائی و ابن حبان نے توثیق کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے ان کی روایتوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

•۔ قاسم بن فضل حدانی متوفی ۱۶۷ھ ! ان کی حدیث بخاری نے "الادب المفرد" میں اور مسلم وغیرہ نے صحاح میں درج کی ہے، قطان و احمد نے توثیق کی ہے اور ابن مہدی، وکیع وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۶ ص۲۹۹)

ہ- قاسم بن محمد بن ابی بکر تیمی مدنی متوفی ۱۰۶ھ! فقہاء سبعہ میں سے ایک اور صحاح ستہ کے رجال میں ہیں، ابن سعد نے ان کو ثقہ، عالم، فقیہ، امام اور کثیر الحدیث مانا ہے۔

ہ محمد بن سوقہ! ان سے مالک بن مغول، ثوری، ابن المبارک، ابومعاویہ، عبدالرحمٰن بن محمد محاربی، اسماعیل بن زکریا، مروان بن معاویہ، ابوالمغیرہ، عطاء بن مسلم، ابن عیینہ وعلی بن عاصم واسطی وغیرہ نے روایت کی ہے، محمد بن عبید کا کہنا ہے کہ میں نے ثوری کو ان کے بارے میں لفظ رضا استعمال کرتے سنا ہے حسین بن حفص کی نظر میں ثوری انہیں بہترین انسان سمجھتے تھے۔ عجلی نے انہیں ثقہ، ابوحاتم نے صالح الحدیث، نسائی نے ثقہ مرضی، ابن حبان نے یکے از ثقات اور صاحب فضل ودین وعبادت قرار دیا ہے۔ دارقطنی کے نزدیک فاضل وثقہ تھے (تہذیب التہذیب ۹ ص۲۱) صحاح ستہ کے رجال میں تھے، ابن المدینی کے بیان کی بنا پر ان کی تیس حدیثیں ہیں۔ ابن عتیبہ کی نظر میں یہ معصیت کرنا جانتے ہی نہ تھے۔

ہ- حجاج بن ارطاۃ نخعی قاضی کوفی متوفی ۱۴۵ھ! ان سے شعبہ، ہشیم، ابن نمیر، ہردوحماد، ثوری، حفص بن غیاث، غندر، ابومعاویہ، یزید بن ہارون وغیرہ نے روایت کی ہے۔ بخاری نے الادب المفرد میں اور باقی اصحاب صحاح نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن نجیح کو یہ کہتے سنا ہے کہ حجاج کا جواب دیکھا نہیں گیا، ثوری نے ان پر اعتماد کو فرض کیا ہے اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ اپنے علوم پر ناظر تھے، عجلی کی نظر میں فقیہ اور کوفہ کے مفتی تھے۔ (تہذیب التہذیب ۲ ص۱۹۶)۔

ہ- معروف بن خربوذ کوفی! امام محمد باقرؑ کے راوی اور ان کے خواص میں تھے۔ ان سے وکیع، ابوداؤد طیالسی، ابوبکر بن عیاش، عبداللہ بن داؤد

ابو عاصم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ نے روایت درج کی ہے، ابن حاتم نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ساجی نے صدوق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (خلاصہ ص۴۲۵)

(یہ یاد رہے کہ یہ معروف کرخی کے علاوہ ایک بزرگ ہیں اس لئے کہ وہ امام رضاؑ کے صحابی تھے اور انہوں نے ۲۰۰ھ میں وفات پائی ہے)

ان لوگوں کے علاوہ علماء امت میں بے شمار ایسے افراد ہیں جنہوں نے امام محمد باقرؑ سے استفادہ کیا ہے یا ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔ انہیں علماء میں سے

- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی متوفی ۱۵۰ھ جن کی امامؑ سے روایتیں ان کے فضائل ومناقب کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں۔
- شیبہ بن نصاح قاری مدنی قاضی متوفی ۱۳۰ھ (التقریب لابن حجر ص۲۰)
- اسلم منقری ابوسعید کوفی متوفی ۱۴۲ھ
- محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر مطلبی مدنی متوفی ۱۵۱ھ صاحب المغازی (تذکرۃ الحفاظ ۱ ص۱۶۳)
- عبداللہ بن عطاء مدنی طائفی استاد اسحاق وشعبہ وثوری۔ راوی صحاح ستہ
- عروہ بن عبداللہ بن قشیر جعفی؛ ان سے ثوری وزہیر بن معاویہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے اپنی صحاح اور شمائل میں ان کی روایت کو جگہ دی ہے (الجرح والتعدیل ۳ ص۱۹۶ قسم اول)
- عبداللہ بن حبیب ابن ابی ثابت اسدی کوفی؛ ان کی حدیث مسلم نے صحیح میں نسائی نے خصائص میں نقل کی ہے اور ان سے ثوری، وکیع، ابن المبارک وغیرہ نے روایت کی ہے، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں، ابن حجر نے تہذیب میں اور خزرجی نے خلاصہ میں ایسے افراد کی ایک کثیر تعداد نقل کی ہے جن کا تذکرہ طول کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔

☆

"شیعہ تلامذہ و رواۃ احادیث"

• ابان بن تغلب :- ابو سعد کوفی ابان بن تغلب متوفی ۱۴۱ھ امام سجاد، امام باقرؑ، امام صادقؑ کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ امام باقرؑ نے آپ کو مسجد مدینہ میں بیٹھ کر فتویٰ دینے کا حکم دیا تھا۔ مسلم و ترمذی و نسائی و ابوداؤد و ابن ماجہ نے آپ کی روایتوں کو اپنے یہاں جگہ دی ہے۔ احمد و ابن معین و نسائی و ابو حاتم نے آپ کی توثیق کی ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ آپ کے مختلف نسخے ہیں جو عموماً درست ہیں بشرطیکہ ان کی روایت کسی ثقہ نے کی ہو۔ آپ صادق القول روایت میں قابل قبول تھے اگرچہ مذہبی اعتبار سے شیعہ تھے۔ ابن سعد نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، ذہبی نے دھری و ثاقت کا اعتراف کیا ہے تفسیر و میراث و قرائت میں آپ کی تالیفات ہیں۔ امام صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں (تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال، الخلاصہ)

• برید بن معاویہ عجلی متوفی ۱۵۰ھ :- امام باقرؑ و امام صادقؑ کے حوارین میں تھے اور انہیں دونوں حضرات سے روایت کی ہے، کشی کا بیان ہے کہ آپ کی تصدیق پر پورے عالم تشیع کا اتفاق ہے۔ علامہ حلیؒ کے نزدیک آپ ثقہ فقیہ، سربراہ اصحاب، متفق علیہ شخصیت کے مالک تھے۔ ائمہ معصومینؑ نے آپ کی اس حد تک تعریف کی ہے جو وثاقت سے کہیں زیادہ بلند ہے داؤد بن سرحان کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پدر بزرگوار کے اصحاب زرارۃ بن اعین، محمد بن مسلم، لیث مرادی برید عجلی وغیرہ ہمارے لئے زندگی اور موت دونوں میں باعث زیب زینت تھے ....

• ابو حمزہ ثابت بن دینار ثمالی :- امام سجادؑ۔ امام باقرؑ۔ امام صادقؑ سے روایت کی اور امام کاظمؑ کے دور حیات تک زندہ رہے، انتہائی جلیل القدر اور عظیم المنزلت بزرگ تھے ان سے سفیان ثوری۔ شریک۔ حفص بن غیاثؒ

ابو اسامہ ۔ عبدالملک بن ابی سلیمان ۔ ابونعیم ۔ وکیع ۔ عبداللہ بن موسی نے روایت کی ہے جسے ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے خصائص علی میں درج کیا ہے، ائمہ علیہم السلام نے ان کی مدح و ثنا کی ہے ۔ انہوں نے ہی امام سجادؑ کی دعائے سحر کی روایت کی ہے جو انہیں کے نام سے مشہور ہے ۔

- جابر بن یزید بن الحارث الجعفی المتوفی ۱۲۸ھ ! آپ سے شعبہ ، ثوری ، اسرائیل حسن بن حی ۔ شریک ۔ مسعر ۔ معمر ۔ ابوعوانہ وغیرہ نے روایت کی ہے اور ترمذی ابوداؤد ۔ ابن ماجہ نے اسے درج کیا ہے ۔ ابن مہدی نے حدیث میں سب سے بڑا محتاط ۔ ابن علیہ نے حدیث میں صدوق اور شعبہ نے بروایت یحییٰ بن ابی بکر اوثق الناس قرار دیا ہے ۔ وکیع کا بیان ہے کہ دنیا کی ہر شے میں تشکیک ہو سکتی ہے لیکن جابر کی وثاقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ۔ ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ میں نے شافعی سے یہ سنا ہے کہ سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم نے جابر کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہارے بارے میں بھی زبان کھولونگا ۔ جابر کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ تھیں (تہذیب التہذیب ۲ ص ۴۷)

جابر کے بارے میں ان کے معاصرین کے کلمات آپ کے سامنے ہیں علماء کے خیالات بھی آپ نے سن لیے لیکن خدا برا کرے تعصب اور فرقہ واریت کا کہ عراق میں اہلحدیث و اہل رائے کا جھگڑا اٹھتے ہی جابر کی حدیثیں ناقابل قبول ہوگئیں انہیں جھوٹا کہا جانے لگا ان پر بے بنیاد حملے ہونے لگے اور اس طرح جابر کی شخصیت کو مجروح بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا ۔ ابوحنیفہ نے اپنی قیاس پرستی کی بنا پہ جابر کو جھوٹا قرار دیا اور بقول ابو یحییٰ الحمانی یہ اعلان کیا کہ جابر میرے ہر قیاس کے مقابلہ میں ایک حدیث پیش کر دیتا ہے لہذا اسے کاذب سمجھنا چاہیئے، کاش امام اعظم نے اپنی شخصیت پہ پہلے ہی غور کر لیا ہوتا اور جابر کے بارے میں لب کشائی کی زحمت نہ فرماتے ! ظاہر ہے کہ ابوحنیفہ فقط سات حدیثوں کے راوی تھے اور ان کے مقابلہ میں جابر کے پاس ایک لاکھ حدیثیں

تھیں اس لئے ان کے ہر قیاس کے مقابلہ میں جابر کو حدیث پیش کر دینے کا حق تھا اور ابو حنیفہ کو اس بنیاد پر تکذیب کرنے کا کوئی حق نہ تھا، امام جعفر صادقؑ نے جابر کے لئے دعائے رحمت اور مغیرہ پر لعنت کی ہے صرف اسی بنیاد پر کہ جابر صادق اللہجہ تھے اور مغیرہ کذاب، کشی نے اپنے رجال میں ان کی تعریف میں چند حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کی ایک اصل اور ایک تفسیر کا بھی ذکر کیا ہے (فہرست شیخ طوسی ص۴۵)

بہرحال اس دوران کے حالات اور جابر کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اس بات سے کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ علماء رجال نے ان کی تکذیب و توہین میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جابر امام باقرؑ کو وصی الاوصیاء سے تعبیر کرتے تھے اور زمانہ اہلبیتؑ کے بارے میں کوئی کلمہ خیر سننے کے لیئے تیار نہ تھا۔

- محمد بن مسلم بن ریاح کوفی ثقفی متوفی ۱۵۰ھ! انہوں نے امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور علماء شیعہ نے ان تک صحیح طریقہ سے پہونچ جانے والی روایت کی صحت کو اجماعی قرار دیا ہے، صلاح و اطاعت و علم میں نمونہ روزگار تھے۔ امام باقرؑ کی تیس ہزار حدیثیں حفظ کیں تھیں اور امام صادقؑ کی سولہ ہزار اربعمائۃ مسئلہ کے نام سے کتاب بھی تالیف کی! عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی کہ آپ کے پاس ہر وقت پہونچنا ممکن نہیں ہوتا اور لوگ مجھ سے مسائل دریافت کرتے ہیں تو میں کس سے معلوم کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ محمد بن مسلم ثقفی۔ وہ تو میرے والد ماجد کے راوی اور معتبر راوی تھے! ایک مرتبہ محمد بن مسلم اور ابو کریبہ ازدی کو شریک قاضی کے پاس گواہی کے لیئے بلایا گیا تو ابن ابی لیلیٰ نے یہ کہکر دونوں کی گواہی مسترد کر دی کہ یہ دونوں جعفری اور فاطمی ہیں۔ محمد بن مسلم نے یہ سنکر شریک سے کہا کہ افسوس تو نے ہم لوگوں کو ایسی بزرگ ہستیوں کی طرف منسوب کیا ہے جو ہم جیسوں کو قبول نہیں کرتیں اس تے اگر وہ اس نسبت کو تسلیم کر لیں تو یہ ان کا ہمارے اوپر احسان ہوگا۔ شریک یہ سنکر مسکرا دیا اور

کہنے لگا کہ مرد ہو تو تم جیسا ہو!

ابو حنیفہ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خود مر گئی ہو لیکن اس کے پیٹ میں بچہ زندہ اور متحرک ہو تو انہوں نے فرمایا کہ اسے محمد بن مسلم سے دریافت کرو وہ تمہیں صحیح بتا سکیں گے! شریک قاضی اس وقت محمد بن مسلم کے پاس موجود تھا جب اس عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ یہ مسئلہ امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا گیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکال لیا جائے یہ سنکر عورت نے کہا کہ ابو حنیفہ نے بھی آپ ہی کا حوالہ دیا تھا۔

ابن ابی لیلیٰ کے محمد بن مسلم کی شہادت کو مسترد کر دینے کے بعد امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص کو اس کے پاس چند مسائل بنا کر بھیجا اور یہ فرما دیا کہ جب وہ جواب سے عاجز ہو جائے تو اس سے کہنا کہ تم نے کس بنیاد پر محمد بن مسلم کی شہادت کو رد کیا ہے جبکہ وہ قرآن و حدیث کو تم سے بہتر جانتے ہیں! وہ شخص ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا، سوالات پیش کئے وہ جواب سے عاجز رہ گئے قاصد نے امام جعفر صادقؑ کا پیغام پہونچا یا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت سے ان کی گواہی قبول کی جانے لگی۔ محمد بن مسلم اپنی قوم کے نہایت ہی محترم اور مالدار آدمی تھے مدینہ میں چار مہینہ قیام کیا اور امام محمد باقرؑ سے تحصیل علوم کرتے رہے!

۵۔ حمران بن اعین شیبانی کوفی:۔ امام محمد باقرؑ و امام صادقؑ دونوں حضرات سے روایت کی ہے امام باقرؑ ان کے بارے میں یہاں تک فرماتے تھے کہ حمران وہ مومن حقیقی ہیں جو کبھی اپنے ایمان سے پلٹ نہیں سکتے۔ یہ علوم قرآن و لغت و نحو و کلام و فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

۶۔ زرارہ بن اعین شیبانی کوفی متوفی ۱۵۰ھ:۔ رجال شیعہ میں فقہ و کلام کے اعتبار سے شہرت تام رکھتے تھے۔ امام باقرؑ و صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ نجاشی کی رائے ہے کہ اپنے دور میں سرآمد روزگار تھے قاری، فقیہ، متکلم، شاعر، ادیب اور مجموعہ فضل و کمال تھے، ابو غالب کا بیان ہے کہ رنگ سفید

اور باہیبت انسان تھے نماز جمعہ کے لیئے نکلتے تھے تو لوگ دم بخود ان کے جمال وجلال کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ سر پر سیاہ کلاہ، پیشانی پر سجدہ کا نشان ہاتھ میں عصا اور جلالت کا مجسم شاہکار! مناظرہ ومباحثہ میں بے مثل ولاجواب تھے کوئی شخص بحث کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن ذوق عبادت نے اس میدان سے الگ کر دیا تھا اور شاگردوں نے اس محاذ کو سنبھال لیا تھا۔ جمیل بن دراج سے کہا گیا کہ آپ کی محفل بڑی بارونق وعظمت ہے تو انہوں نے کہا کہ زرارہ کے سامنے ہم لوگ بچے معلوم ہوتے ہیں۔ فیض بن مختار امام صادق[ع] کی خدمت میں آئے اور آپ سے اختلاف احادیث کے بارے میں سوال کیا۔ اتفاق سے زرارہ وہاں حاضر تھے آپ نے ایک مفصل تقریر کے بعد فرمایا کہ اگر کبھی فہم حدیث میں دشواری پیدا ہو تو ان (زرارہ) سے دریافت کر لیا کرو۔

سلیمان بن اقطع کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے ذکر اور ہمارے والد بزرگوار کی حدیثوں کو صرف چار آدمیوں نے زندہ رکھا ہے۔ زرارہ، ابوبصیر مرادی، محمد بن مسلم، بریدہ بن معاویہ عجلی۔

زرارہ نے حق آل محمد[ع] سے دفاع کے سلسلے میں وہ تمام مصائب وآلام برداشت کیئے جو ایک ایسے انسان کو ایسے خطرناک موضوع پر برداشت کرنا چاہیئے تھے۔ دشمنوں نے ان کے خلاف اقوال مشہور کرنے شروع کر دئے ان کی طرف غلط باتیں منسوب ہونے لگیں اور ان باتوں کو امام جعفر صادق[ع] تک پہونچا کر آپ سے استفتا بھی کر لیا گیا۔ آپ نے ایسے آدمی سے برأت وبیزاری کا اظہار فرمایا۔ دشمنوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے فتوی کو زرارہ پر منطبق کر کے ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا، آل زرارہ تک یہ اطلاع پہنچی تو حمزہ بن حمران امام صادق[ع] کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی حضور نے میرے چچا سے برأت کی ہے؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے ان عقائد کے خلاف بیزاری کی ہے جو مجھ تک پہونچائے گئے ہیں اور یہ بات میرے

ضروری تھی ورنہ مجھے عقائد باطلہ سے راضی شمار کیا جاتا ۔

حسین بن زرارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زرارہ کا سلام پہونچا کر یہ عرض کی کہ بابا نے یہ دریافت کیا ہے کہ کیا حضور نے میرے بارے میں کوئی فتویٰ دیا ہے لوگ اس قسم کی باتیں مجھ سے نقل کر رہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں بخدا تمہارے لئے دنیا و آخرت کی نیکی کا طالب ہوں اور تم سے خوش ہوں ۔

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ زرارہ کے بہت سے تصانیف ہیں مثل کتاب الاستطاعہ وغیرہ ، ابن ندیم کا کہنا ہے کہ زرارہ فقہ وحدیث وکلام میں رجال شیعہ کے سربرآوردہ حضرات میں سے ہیں ان کی اولاد میں حسن بن زرارہ اور حسین بن زرارہ امام صادقؑ کے اصحاب میں ہیں ۔

ان کے حالات کی تفصیل کے لئے کتب رجال کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے ارباب ذوق اس مطالعہ سے غفلت نہ فرمائیں ۔

● ۔ عبدالملک بن اعین شیبانی کوفی :۔ ان سے دونوں سفیان وغیرہ نے روایت کی ہے اور بخاری ، مسلم ، ابو داؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ ۔ نسائی نے روایت نقل کی ہے ، امام باقرؑ و امام صادقؑ دونوں کے راوی تھے ، امام صادقؑ ان کی کافی قدر کیا کرتے تھے ۔ جب آپ کو ان کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے دعائے مغفرت فرمائی یہ تابعین اور حافظین احادیث میں شمار ہوتے تھے ! ابوحاتم کی رائے ہے کہ یہ خالص شیعہ تھے لیکن ان کی حدیث لکھی جائے گی اس لئے کہ صادق اللہجہ تھے ابن حجر کا قول ہے کہ عبدالملک صدوق شیعی تھے ۔ (تقریب ص ۲۲۹)

چونکہ اس کتاب میں ہماری بنا اختصار پر ہے اس لئے ہم نے حضرت کے تمام راویوں کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھا اور نہ مولفین ہی کا ذکر کیا ہے ۔ ورنہ راویوں کی تعداد تقریباً ۴ سو اور مولفین کی تعداد سو سے زیادہ ہے ، توفیق شامل حال رہا

تو امام محمد باقرؑ کے حالات میں مستقل کتاب تالیف کر کے ان تفصیلات کو درج کیا جائے گا۔ شیخ طوسیؒ اور ابن ندیم نے آپ کی ایک تفسیر کا بھی ذکر کیا ہے جسے زیاد بن منذر نے آپ سے روایت کیا ہے!

مدرسۂ امام محمد باقرؑ

بنی امیہ کی مسلسل روک تھام کے باوجود امام محمد باقرؑ کے مدرسہ میں علماء و مفکرین کا اجتماع بڑھتا ہی رہا۔ حکومت کی خواہش تھی کہ لوگ آل محمدؐ کا ذکر خیر بھی نہ کریں چنانچہ مخالفت انعامات و وظائف تقسیم ہو رہے تھے، موافقت پر سزاؤں کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود تشنگان علوم و معارف برابر آپ کی خدمت میں آتے رہے۔ مصائب کا سامنا کیا دشواریاں جھیلیں لیکن نصرت حق کی راہ میں ان چیزوں کو چنداں اہمیت نہ دی۔

امام محمد باقرؑ کا زمانہ سلطنت کے عروج و استحکام کا دور تھا لیکن آپ نے تبلیغ حق اور نشر دین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، حکام جور کے خلاف آوازۂ حق بلند کر کے لوگوں کو دین سے متمسک ہونے کی دعوت دیتے رہے، حکومت کی نیند حرام ہو گئی لیکن وابستگان در آل محمدؐ کا سلسلہ نہ ٹوٹ سکا۔ مدینہ نشر معارف کا مرکز اور ہر گھرانہ علوم و معارف کا مصدر بن گیا۔ مدینہ کی مرکزیت کا مٹانا حکومت کے بس کا روگ نہ تھا اور آل محمدؐ کی مرجعیت بھی مدینہ کی مرکزیت کا دوسرا نام بن گئی تھی۔ چنانچہ مکحول بن ابراہیم نے قیس بن ربیع سے روایت کی ہے، کہ میں نے ابو اسحاق سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے لیکن ایک مرتبہ بنی ہاشم کے ایک بے مثل بزرگ محمد بن علیؑ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے [illegible] فرمایا [illegible] امیر المومنینؑ [illegible] فرماتے تھے کہ یہ بات حکم [illegible] ہے [illegible] سے منع [illegible] ترک کر دیا

فیض کہتے ہیں کہ اس قصہ کو سننے کے بعد سے میں نے بھی اس طریقہ کو ترک کر دیا۔!

زرارہ کا بیان ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کے پہلو میں تھا حضرت رو بقبلہ بیٹھے تھے اور فرما رہے ہے کہ قبلہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اتنے میں بجیلہ کا ایک آدمی آگیا اور اس نے کہا کہ کعب الاحبار کا کہنا ہے کہ کعبہ ہر صبح بیت المقدس کو سجدہ کرتا ہے ، حضرت نے فرمایا کہ اس قول کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ اس نے کہا کہ سچ ہی ہے ! آپ نے فرمایا کہ تو بھی غلط کہتا ہے اور کعب بھی جھوٹا ہے۔ زرارہ کہتے کہ میں نے آپ کو اس صراحت کے ساتھ کسی کو جھوٹا کہتے ہوئے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔

امام محمد باقرؑ جب مکہ تشریف لے جاتے تھے تو آپ کے گرد طلاب علوم کا ایک ہجوم رہتا تھا ، مسائل کے جوابات ، حلال وحرام کی وضاحت کا ایک سلسلہ تھا ایک ایک دن میں ہزار ہزار مسائل کے جوابات دئے جاتے تھے ، ہشام بن عبدالملک نے آپکے گرد یہ اجتماع دیکھ کر اپنی شخصیت کے بارے میں خطرہ محسوس کیا اور حضرت کی شخصیت کو گرانے کے لئے یہ سوال بھیجا کہ لوگ قیامت کے دن سوال وجواب کے خاتمہ تک کیا کھائیں پئیں گے ؟ حضرت نے فرمایا کہ لوگوں کا حشر ایک ایسی زمین پر ہوگا جس میں درخت اور نہریں سب کچھ ہونگی اور حساب کے خاتمہ تک لوگ اسی میں سے کھاتے پیتے رہیں گے۔ ہشام نے یہ سنا تو خیال کیا کہ اب حضرت کی گرفت کا موقع مل گیا اس نے فوراً کہلا بھیجا کہ حساب وکتاب کی مصیبت میں کھانے پینے کا ہوش کیسے رہے گا ؟ حضرت نے فرمایا کہ قرآن تو جہنم والوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اہل جنت سے دانہ پانی کا سوال کریں گے تو اگر جہنم میں پہونچ کر بھی ہوش رہ سکتا ہے تو محشر میں کیوں نہیں رہ سکتا ؟

ایک شخص خوارج میں سے حضرت کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا کہ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں ؟ حضرت نے فرمایا۔ خدا کی ! اس نے کہا آپ نے خدا کو دیکھا ہے ؟ آپ نے فرمایا بیشک لیکن فرق یہ ہے کہ اسے آنکھیں نہیں

دیکھتیں بلکہ دل میں ایمان کے حقائق دیکھتے ہیں وہ نہ قیاس سے پہچانا جاتا ہے نہ حواس سے اور نہ لوگوں کی شباہت سے! آیتوں سے اس کی صفت اور نشانیوں سے اس کی معرفت ہوتی ہے وہ اپنے احکام میں ظلم نہیں کرتا وہ وحدہ لاشریک ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کہاں رکھے!

بصرہ سے عثمان اعمیٰ حضرت کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ حسن بصری کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے علم کو چھپایا ان کی بدبو سے اہل جہنم کو اذیت ہوگی تو کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ قاعدہ ہے تو مومن آل فرعون تو ہلاک ہی ہو جائے گا حالانکہ قرآن نے اس کے ایمان چھپانے پر اس کی مدح کی ہے؟

مختصر یہ کہ حضرت کی شخصیت مرجع خلائق تھی، علماء اعلام عمرو بن عبید، طاؤس یمانی، حسن بصری، نافع غلام ابن عمر وغیرہ آپ سے استفادہ کرنے کی غرض سے برابر حاضری دیا کرتے تھے، دیگر فرقوں کے علماء و فضلاء مناظرہ کی غرض سے آیا کرتے تھے اور حضرت ان کو تشفی بخش جواب دیکر ان کے کفر و نفاق و شبہات کو رفع فرمایا کرتے تھے۔

حکمتیں:-

امام محمد باقرؑ کے حکمت آمیز کلمات بیشمار ہیں اور سب کا جمع کرنا اپنے موضوع سے باہر ہے اس لئے نمونہ کے طور پر صرف چند حکم و مواعظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

٥- انسان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے عیب کو دیکھے اور اپنے نفس کو نہ دیکھ سکے۔

٥- سخت ترین اعمال تین ہیں۔ ہر وقت اللہ کا ذکر، اپنے نفس سے انصاف، اپنے برادر دینی سے مالی ہمدردی۔

٭ جب قاری قرآن کو دولتمندوں سے دوستی کرتے دیکھو تو سمجھو کہ وہ خود بھی دنیا دار ہے اور جب اسے بادشاہوں کا ساتھی دیکھو تو جانو کہ وہ چور ہے۔
٭ علم کے ساتھ حلم سے بہتر کسی چیز کا کوئی ضمیمہ نہیں ہے۔
٭ معاملات میں جہاں تک دوسرے سے بہتر سلوک کر سکو کرو۔
٭ جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو اس کے اعمال کی میزان سبک ہے۔
٭ سستی اور تندی سے بچو کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے جو سست ہوگا وہ حق نہ ادا کر سکے گا اور جو تندخو ہوگا وہ حق پر صبر نہ کر سکے گا۔
٭ تواضع کے معنی مجلس میں اپنی جگہ سے کم پر بیٹھنا، ہر ملنے والے کو سلام کرنا صاحب حق ہو کر بھی حق پر جھگڑا نہ کرنا۔
٭ اللہ کی طرف سے دل وجسم پر یہ عذاب ہوتے ہیں معیشت کی تنگی، عبادت میں سستی، اور سب سے بڑا عذاب سخت دلی ہے۔
٭ حیا وایمان باہم رفیق ہیں ایک جائے گا تو دوسرا ضرور چلا جائے گا۔
٭ زبان ہر خیر کی کنجی ہے مومن کو زبان کی حفاظت اسی طرح کرنی چاہیئے جیسے سونے چاندی کو بچاتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ خدا اس مومن پر رحم کرے جو اپنی زبان کو برائی سے بچائے اس لئے کہ یہ بات اپنے نفس پہ صدقہ کے برابر ہے۔
٭ احتیاط، جد وجہد، سچائی، امانتداری تمہارا فرض ہے امانت کسی کی ہو واپس کرو اس لئے کہ میں تو ابن ملجم کی تلوار کو بھی واپس کر دیتا اگر میرے پاس امانت ہوتی۔
٭ طالب حاجت نے تم سے اپنے چہرہ کی عزت نہیں بچائی اس لئے تم حاجت پوری کر کے اپنی آبرو بچاؤ۔
٭ سستی دین و دنیا دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔
٭ عمل کی قبولیت معرفت سے ہے اور معرفت کی حقیقت عمل سے ہے

معرفت عمل کی طرف لے جاتی ہے اور معرفت کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔

- جس کی زبان سچی ہے اس عمل پاک ہے۔ جس کی نیت اچھی ہے اس کا رزق وسیع ہے اور جس کا اپنوں سے سلوک اچھا ہے اس کی عمر زائد ہوتی ہے۔
- دین و دنیا میں تین بزرگیاں ہیں۔ ظالم کو معاف کرنا، قطع تعلق کرنے والے سے میل جول رکھنا، جاہل کے مقابلہ میں حلم سے کام لینا۔
- "پست لوگوں کا اسلحہ بدکلامی ہے"۔ شاعر نے بھی کہا ہے" امام باقرؑ ابن امام صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پست تو قوم کا اسلحہ بدزبانی ہے"۔ (الاتحاف)
- حق کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو، دشمن سے الگ رہو، دوست سے بچتے رہو، فاجر کا ساتھ دو اور نہ اسے اپنے راز بتاؤ۔ مشورہ صرف ان لوگوں سے کرو جو خدا سے ڈرتے ہوں
- نئے نئے مالدار سے حاجت رکھنا سانپ کے منھ میں چھپے ہوئے درہم پر نظر رکھنا ہے کہ تمہیں اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے خطرہ بھی ہے۔
- لوگوں سے وہ بات کہو جو اپنے بارے میں کہی جانی پسند کرو۔ اللہ بدزبان بدکلام اور مومنین پر طعن و طنز کرنے والوں کو دشمن رکھتا ہے۔ حیادار، حلیم پاکدامن اور عفیف کو دوست رکھتا ہے۔
- ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے لہذا اسے گالی نہ دے رنجیدہ نہ کرے اور اس سے بدظنی نہ کرے۔

وصیتیں

وصیت برائے عمر بن عبدالعزیز

امام محمد باقرؑ۔ عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے کہا کہ حضور کچھ نصیحت فرمائیں! آپ نے فرمایا کہ میری نصیحت صرف یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو

اپنا فرزند جوانوں کو اپنا بھائی اور بزرگوں کو اپنا باپ سمجھو۔ بچوں پر رحم کرو بھائیوں کے ساتھ صلہ رحم کرو، اور بزرگوں کے ساتھ نیکی کرو، نیکی کرو تو اسے مکمل و مستدام بناؤ۔ (عیون الادب والسیاسۃ ابن ہذیل، طراز خفاجی)

ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز مدینہ آیا تو امام محمد باقرؑ نے اس کے پاس جا کر یہ نصیحت فرمائی: "دنیا ایک بازار ہے جہاں لوگ نفع، نقصان سب کچھ خرید لیتے ہیں، کچھ لوگ صرف نقصان کے خریدار ہوتے ہیں یہ جب مر جاتے ہیں تو ان کی ملامت کی جاتی ہے اس لئے کہ انہوں نے آخرت کے لئے کچھ نہیں جمع کیا ان کا مال ایسے لوگوں کو ملتا ہے جو ان کی تعریف نہیں کرتے اور وہ خود ایسے کے سامنے جاتے ہیں جو انہیں معاف نہیں کرتا، ہمیں ایسے اعمال پر نظر رکھنی چاہیئے۔ ایسی باتوں سے بچو اور دو چیزوں پر خصوصی نظر رکھو۔ جو چیزیں تمہارے ساتھ جانے والی ہیں انہیں مہیا کرو اور جن چیزوں کو ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتے انہیں الگ کردو، ایسی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو جن میں تمہارے پہلے والے غارت ہو چکے ہیں اس لئے کہ وہ تم سے بھی جدا ہو سکتی ہیں، لوگوں کے لئے دروازے کھلے رکھو، دربانوں کو سہولت سکھاؤ، مظلوم کے ساتھ انصاف کرو، ظالم کو رد کرو، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی اس کا ایمان اللہ پر کامل ہوگا ایک یہ کہ خوشی اسے باطل میں نہ داخل کردے دوسرے یہ کہ غصہ اسے حق سے باہر نہ کردے اور تیسرے یہ کہ اقتدار پا کر غیر کے مال پر قبضہ نہ کرے۔

وصیت برائے جابر بن یزید الجعفی

اپنے بارے میں لوگوں کی رائے کو غور سے دیکھو اگر وہ بات تم میں پائی جاتی ہے تو سمجھو کہ لوگوں کی نظروں سے گر جانے سے بدتر پروردگار کی نگاہوں سے گر جانا ہے اور اگر اپنے اندر وہ عیب نہ پاؤ تو خیال کرو کہ تمہیں بغیر کسی زحمت کے ثواب مل گیا۔ یاد رکھو تم اس وقت تک میرے دوست نہیں ہو سکتے جب تک نفس اتنا

بلند نہ ہو جائے کہ تمام شہر والوں کی خدمت سے محزون نہ ہوا ور تمام اہل وطن کی تعریف سے مسرور نہ ہو، اپنے نفس کو کتاب خدا کے سامنے رکھو اگر اس کے راستے پر گامزن اس کے منہیات سے پرہیزگار اس کے مرغوبات سے دلچسپی لینے والا پاؤ تو خوش ہو کہ اب کوئی برائی اثر انداز نہیں ہو سکتی اور اگر نفس کو قرآن کا مخالف پاؤ تو سمجھو کہ تم دھوکے میں ہو، مومن نفس سے جہاد کر کے اس پر غلبہ حاصل کرتا ہے اس کی کجی کو دور کرتا ہے۔ خواہشات کا مقابلہ کرتا ہے اللہ کی محبت کو پیش نظر رکھتا ہے۔

عقل کی راہنمائی میں خواہشات کی زیادتی سے بچو، علم کے اشارے پر نفس سے ڈرو، خالص اعمال کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناؤ۔ طمع کے اسباب کو مایوسی سے قطع کر دو۔ خود پسندی کے راستے کو نفس کی معرفت سے روک دو، ابلیس سے پرہیز کرو، جھوٹی امیدیں نہ کرو۔ کہ اس سے سچا خوف پیدا ہو گا۔

لالچ کو مار کر عزت کو باقی رکھو۔ مایوسی کی عزت سے طمع کی ذلت کو دفع کرو، مایوسی کی عزت کو ہمت کی دوری سے حاصل کرو دنیا سے تھوڑی امید رکھو، فرصت کے مواقع کو غنیمت شمار کرو۔

یاد رکھو! طالب سلامتی سے بہتر کوئی علم نہیں ہے اور دل کی سلامتی جیسی کوئی عقل نہیں ہے۔ معصیت سے روکنے والے خوف سے بہتر کوئی خوف نہیں ہے نیکیوں پر اعانت کرنے والی امید سے بہتر کوئی امید نہیں ہے، دل کی فقیری سے بدتر کوئی فقیری نہیں ہے۔ نفس کی مالداری سے بہتر کوئی مالداری نہیں ہے اور توفیق کی ہمراہی جیسی کوئی عافیت نہیں ہے۔ بلند ہمتی جیسی کوئی شرافت نہیں ہے۔ (تحف العقول ص ۶۹)

ان ارشادات کے علاوہ تاریخ ابن کثیر، تاریخ یعقوبی، صواعق ابن حجر، کشف الغمہ اربلی، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، تحف العقول، مطالب السئول اور تذکرۃ الخواص وغیرہ میں ایسے بیشمار فرامین موجود ہیں جو بیدار عقل اور گہری بصیرت کے لئے کافی و وافی ہیں۔ آپ کا کام سامعین پر حکمتوں کا فیضان، ان کو وعظ و نصیحت اور معاشرہ کا

اصلاح تھا، اس لئے برابر مواقع تلاش کیا کرتے تھے اور حسب موقع اپنے فریضہ کو انجام دیا کرتے تھے۔

کبھی معاشی اصلاح کے بارے میں فرماتے تھے کہ "اگر کوئی شخص دنیا کو لوگوں سے مستغنی ہونے، اہل وعیال کے حالات کو بہتر بنانے، ہمسایہ پر رحم کرنے کے لئے طلب کرتا ہے تو وہ روز قیامت پروردگار کے سامنے ایسے چہرہ کے ساتھ جائے گا جو چودہویں کے چاند جیسا چمکتا ہوگا" آخرت کے لئے دنیا سے بہتر کوئی مددگار نہیں ہے۔"

کبھی حسن اخلاق، اصلاح معاشرت، حفظ مراتب، قیام اخوت کے بارے میں فرماتے تھے "اپنے ساتھیوں کی تعظیم و توقیر کرو۔ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرو۔ کسی کو نقصان نہ پہونچاؤ، کسی سے حسد نہ کرو، بخل سے بچو اور اللہ کے صالح بندے بنو"

"زیادہ مذاق چہرے کی متانت کو کھو دیتا ہے، زیادہ ہنسنا ایمان پر اثر انداز ہوتا ہے"

"میں نے حضرت علیؑ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے انصار و مہاجرین کے درمیان یہ قانون نافذ کیا کہ ہمسایہ اپنے نفس جیسا ہے ذرا سے نقصان پہونچانا چاہیئے اور نہ زیادتی کرنا چاہیئے، ایک ہمسایہ کا احترام دوسرے ہمسایہ پر اپنی ماں کے احترام جیسا ہے"

"ہمسایہ سے حسن سلوک یہ نہیں ہے کہ اسے اذیت نہ دی جائے بلکہ حسن سلوک یہ ہے کہ اس کی اذیت کو برداشت کیا جائے"

"بدترین ہمسایہ انسان کی کمر توڑ دیتا ہے نیکی دیکھتا ہے تو چھپا دیتا ہے۔ برائی دیکھتا ہے تو اچھال دیتا ہے"۔

عبدالملک بن مروان ابتدائی طور پر امام محمد باقرؑ اور دیگر افراد خاندان کو ایذا رسانی سے کنارہ کشی کرتا تھا اور لوگوں کو تعلیم دیتا تھا کہ ان کا خون بہانے سے بچو کہ آل ابوسفیان اسی میں تباہ ہوئے ہیں (تاریخ یعقوبی ص ۴۸)

لیکن ملک و مال کی لالچ نے اسے بھی اہلبیت رسولؐ کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اس کے پیش نظران کا بڑھتا ہوا وقار اپنی مٹتی ہوئی آبرو تھی، اس کی ایک ہوشیاری یہ تھی کہ وہ خفیہ طور پر امام سے مسائل دریافت کرتا تھا اور کام نکل جانے کے بعد آپ کے درپے آزار ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ روم نے اسے ایک تہدید آمیز خط لکھا، عبدالملک خط دیکھکر حیران رہ گیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ والی حجاز حجاج کو لکھا جائے کہ تم حضرت علی بن الحسینؑ کو ایک خط اسی انداز سے لکھو دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ حجاج نے خط پاتے ہی اس کے حکم کی تعمیل کی، حضرت نے جواب دیا کہ پروردگارِ عالم کے لئے ہر روز کے تین سو ساٹھ لمحات ہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ پہلے ہی لمحہ میں تیرے شر سے بچالے گا، حجاج نے عبدالملک کو یہی جواب لکھ روانہ کر دیا۔ (یعقوبی ۳ ص۴۷)۔

ایک مرتبہ بادشاہ روم نے عبدالملک بن مروان کو یہ تہدید کی کہ دینار پر رسولؐ اکرمؐ کا ذکر نامناسب طریقہ سے کیا جاتا ہے تو یہ بات عبدالملک کو بہت زیادہ گراں گذری اور اس نے لوگوں سے مشورہ کیا لوگ جواب دینے سے عاجز رہ گئے (شذور العقود مقریزی ص۵) تو روح بن زنباع نے کہا کہ حضور کو اس کا حل معلوم ہے لیکن آپ قصداً چشم پوشی کر رہے ہیں، عبدالملک نے غصہ میں آکر پوچھا کہ آپ ہی بتائیے وہ کون ہے جو اس مسئلہ کا حل نکال سکتا ہے؟ روح نے کہا کہ باقرِ اہلبیت پیغمبرؐ۔ عبدالملک نے کہا کہ یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ بات اختلافی ہے ــــ یہ کہکر مدینہ کے عامل کو خط لکھا کہ حضرت محمدؑ بن علیؑ کو ایک لاکھ درہم سامان سفر کے لئے اور تین لاکھ مقامی اخراجات کے لئے دیکر احترام کے ساتھ میری طرف روانہ کر دو۔ آپ کے ہمسفر لوگوں کی سہولت کا بھی خیال رہے۔ یہ کہکر عبدالملک نے بادشاہ روم کے سفیر کو روک لیا یہاں تک کہ امام باقرؑ تشریف لے آئے اور عبدالملک نے آپ سے یہ

خبر بیان کی آپ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی اہم کام نہیں ہے اس لیئے کہ ایک تو پروردگار نے بادشاہ روم کو اتنی چھوٹ نہیں دی ہے اور دوسرے یہ کہ چند زرگروں کو بلا کر درہم و دینار پر سورۂ توحید نقش کرادے تاکہ اختلاف کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔

بہر حال امام محمد باقرؑ اپنے دور کے اعلم امت اور بنی ہاشم کے سید و سردار تھے آپ کی زندگی خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی نہ تھی بلکہ آپ کے علم و فضل کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی، حکومت وقت آپ کے کمال سے ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی۔ اس کی روش تباہ کن اور اس کی پالیسی خطرناک ہوا کرتی تھی، آپ کو اذیتیں پہونچائی جاتی تھیں، مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ اپنے علمی جہاد میں مصروف رہا کرتے تھے یہاں تک کہ ۱۱۴ھ میں زہر سے شہید کر دئے گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ زندگی کے آخری لمحات میں امام جعفر صادقؑ کو وصیت فرمائی۔ "فرزند! عقل روح کی رہنما اور علم عقل کا راہبر ہے، عقل علم کی ترجمان ہے، علم باقی رکھنے والا ہے اور زبان بہکنے والی ہے۔ ہر ساعت عمر کا ایک حصہ کم ہوتا ہے ایک نعمت دوسری نعمت کے فنا کے بعد ہی ملتی ہے، زیادہ امیدوں سے پرہیز کرو۔ کہ اکثر لوگ اپنی امیدوں کو نہیں پہونچتے، بہت سے مالدار اپنا مال نہیں کھا پاتے، بہت سے مال روکنے والے اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں" یہ وہ وصیت ہے جو مجھے میرے پدر بزرگوار نے وقت آخر فرمائی تھی"

"فرزند! کسی بیچارے پر ظلم نہیں کرنا چاہئے کہ سوائے خدا کے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ (یعنی ہر مظلوم)"۔

امام محمد باقرؑ نے پانچ فرزند چھوڑے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ عبداللہ افطح۔ عبداللہ۔ ابراہیم۔ علی۔ پہلے دو فرزندوں کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمدؒ تھیں۔ بعد کے دو فرزندوں کی

والدہ ام حکیم بنت اسد تھیں اور آخری فرزند کی والدہ ام ولد تھیں ۔

ایسے ہی ایک مقدس ماحول میں امام جعفر صادقؑ نے آنکھیں کھولیں اور ایسے ہی شفیق و معصوم باپ کی آغوش میں پرورش پائی ۔ وحی کی منزل آپ کا مکان اور عصمت کی آغوش آپ کا گہوارۂ تربیت تھی ۔ آیت تطہیر آپ کے کردار کی ضامن اور معدن رسالت آپ کی شرافت و نجابت کا شاہد تھا ۔

امام صادقؑ

اور

عہد منصورؔ

عہدِ منصور

سفاح کے بعد ۱۳۶ھ میں زمام حکومت اس کے بھائی ابو جعفر منصور کی طرف منتقل ہوئی، سفاح بظاہر بنی ہاشم کے حق میں بڑا مہربان تھا ان کے ساتھ نرم دلی کا سلوک کرتا تھا اور بنی امیہ کی طرف سے وارد ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں آگے آگے رہا کرتا تھا، علوئین اور عباسیین کے تعلقات بھی خوشگوار تھے، کینہ وبغض کے اسباب نا پید تھے اور حالات بڑی حد تک سازگار چل رہے تھے یہ اور بات ہے کہ بنی عباس نے اولاد علیؑ کی بیعت توڑ کر حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔

منصور دوانیقی نے حکومت سنبھالتے ہی اولاد علیؑ کو سخت مصائب وآلام کا نشانہ بنا دیا ان پر نا قابل تصور قسم کے ستم ڈھانا شروع کر دیئے جیسا کہ سیوطی کا بیان کہ اولاد علیؑ اور بنی عباس میں افتراق پیدا کرنے والا پہلا فتنہ گر منصور تھا (تاریخ الخلفاء ص۱۰۳)

منصور کی ایک فطرت یہ تھی کہ جس سے بھی بدظن ہو گیا اسے تکلیف پہونچانے کے درپے رہا کرتا تھا، اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہر وسیلہ کو مباح سمجھتا تھا اور اس راہ میں اپنے محسنوں کو بھی نظر انداز کر دیا کرتا تھا، امام صادقؑ کے ساتھ اس کے برتاؤ کا خاکہ جلد اول میں پیش کیا جا چکا ہے جس میں پروردگار عالم نے آپ کو قدم قدم پر اس کے شر سے محفوظ رکھا اور اس کا کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہونے دیا۔ رہ گئی موت تو وہ انسان کا مقدر ہے۔

۱۴۷ھ میں منصور نے حج کا ارادہ کیا کہ اس بہانے امام صادقؑ کو گرفتار کرلے گا۔ لیکن اس میں بھی ناکام رہا (النجوم الزاہرہ اتابکی ۲ ص۶)

مورخین کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ منصور امام جعفر صادقؑ کو گرفتار بھی کر سکا یا ہمیشہ منصوبے بناتا رہا اور ناکام ہوتا رہا بعض لوگوں نے اسی

گرفتاری کا تذکرہ کیا ہے جیسے سمط النجوم العوالی المعصامی المکی سنہ ۲۳۹ھ۔ اور اکثر حضرات نے ان تمام مظالم کو نظر انداز کر دیا ہے جو بنی عباس کیطرف سے اولاد علیؑ پر نازل ہوا کرتے تھے۔

ہم اپنے فیصلہ کے لئے حسب ذیل روایات کا نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ منصور کے دربان ربیع کا بیان ہے کہ جب منصور کی حکومت مستقر ہو گئی تو ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ جعفر بن محمد کو میرے پاس بلاؤ، میں حضرت کے پاس گیا اور منصور کا پیغام پہونچایا آپ میرے ساتھ اٹھ کر منصور کے پاس آئے دروازہ کے نزدیک پہونچکر ٹھہر گئے آپ کے لبوں کو جنبش ہوئی اس کے بعد داخل دربار ہوئے، حاکم کو سلام کیا اس نے کہا تشریف رکھئے یہ کہہ کر عطردان منگایا حضرت کے عطر لگایا اور کہا اب تشریف لے جائیے۔ اس کے بعد ربیع کو حکم دیا کہ امام کو جائزہ دو اور عام مقدار سے زیادہ دو۔

ربیع کہتا ہے کہ باہر نکل کر میں نے حضرت سے کہا کہ میں نے ابتک نہ ایسا کوئی منظر دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ آخر یہ آپ زیر لب کیا پڑھ رہے تھے حضرت نے فرمایا کہ میں نے پدر بزرگوار سے آباء و طاہرین کے واسطے سے رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ شدید امور کے پیش آنے پر یہ دعا پڑھی جائے۔

اللھم احرسنی بعینک التی لا تنام واکفنی برکنک الذی لا یرام واحفظنی بعزک الذی لا یضام واکلأنی فی اللیل والنھار وارحمنی بقدرتک علیّ، انت ثقتی ورجائی، فکم من نعمۃ انعمت بھا علیّ قلّ لک بھا شکری وکم من بلیۃ ابتلیتنی بھا قلّ لک بھا صبری، وکم من خطیئۃ رکبتھا فلم تفضحنی فیا من قلّ عند نعمتہ شکری فلم یحرمنی ویا من قلّ عند بلائہ صبری فلم یخذلنی ویا من رآنی علی الخطایا فلم یعاقبنی، یا ذا المعروف الذی لا ینقیضی ابدا، ویا ذا الایادی التی لا تحصی عددا و یا ذا الوجہ الذی لا یبلی ابدا، ویا ذا

النور الذی لا یطفاً سرمدا اسئلك ان تصلی علی محمد علی وآل محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراهیم وان تکفینی شر کل ذی شر، بك ادرءُ فی نحره واعوذ بك من شره وا ستعینك علیه، اللّٰهم اعنّی علی دینی بدنیای وعلی آخرتی بالتقوی واحفظنی فیما غبت عنه ولا تکلنی الی نفسی فیما حضرته، یا من لا تضره الذنوب ولا تنقصه المغفرة اغفر لی فیما لا یضرك وهب لی ما لا ینقصك ، یا الٰهی اسئلك فرجا قریبا ء اسئلك العافیة من کل بلیة وا سئلك الشکر علی العافیة وا سئلك دوام العافیة وا سئلك الغنی عن الناس ولاحول و لا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم، اللّٰهم بك استد فع مکروه ما انا فیه واعوذ بك من شره یا ارحم الراحمین ـ (عیون الادب والسیاسه لابی الحسن بن ہذیل ص۱۶۳)

ایک دوسرا واقعہ ربیع ہی کی زبانی یہ نقل ہوا ہے کہ منصور نے چند شکایتوں کی بنا پر مجھے حضرت جعفر صادق کو بلانے کے لئے بھیجا حضرت تشریف لے آئے تو دربان نے کہا کہ خدا آپ کو اس جابر کے شر سے بچائے اس لئے کہ آج مجھے شدید خطرہ کا اندیشہ ہے حضرت نے فرمایا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار پروردگار ہے تم میرے لئے اجازت لے آؤ ۔ اجازت ملی آپ داخل دربار ہوئے دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور آپ منصور کے سوالات کا جواب دیتے رہے یہانتک کہ منصور کا غصہ فرو ہوگیا اور وہ حق وایمان کی طاقت کے سامنے یہ کہکر جھک گیا کہ میں نے آپ کو معاف کیا اس لئے کہ آپ صادق اللہجہ ہیں اب آپ کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیں جس سے میں استفادہ کروں اور مہلکات سے نجات پاؤں ۔ حضرت نے فرمایا کہ " بردباری سے کام لو کہ یہ علم کا ستون ہے قدرت رکھنے کے بعد نفس پر قابو رکھو کہ اختیارات سے برمحل کام لینا نفس کی آگ بجھانے اور کینہ و بغض کا مداوا کرنے کے مرادف ہے ایسا آدمی صولت ذ(بقیہ)

سے اپنی شہرت چاہتا ہے، اگر کسی مستحق کو سزا دو تو اسی اندازہ سے کہ عدل کا نام باقی رہے، شکر کے حالات صبر کے اسباب سے بہتر ہوتے ہیں۔"

منصور یہ سنکر مدہوش ہوگیا اور کہنے لگا کہ حضور نے بہترین موعظہ فرمایا اور بے نظیر ایجاز سے کام لیا۔

منصور کا ایک دستور یہ تھا کہ جب بھی مدینہ آتا اس کے پیش نظر صرف حضرت کو اذیت پہونچانا اور آپ کو طرح طرح کے الزامات سے ملوث کرنا ہوتا تھا یہ اور بات ہے کہ حضرت خدائی وعدہ پہ اعتماد کرکے کبھی اس کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے، ایک مرتبہ مدینہ کے دوران قیام میں اس نے ربیع کو حکم دیا کہ خاموشی کے ساتھ تنہائی میں حضرت صادقؑ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ منصور نے تمہیں سلام کہا ہے اور اسی وقت یاد کیا ہے اگر وہ آنے پہ تیار ہو جائیں تو لیتے آؤ اور اگر کوئی عذر کریں تو انہیں سے وقت مقرر کراؤ، ربیع کہتا ہے کہ میں ایسا ہی وقت تلاش کر کے حضرت کے یہاں پہونچا دیکھا کہ آپکا سر سجدہ میں ہے رخسار خاک پر، چہرہ و رخسار پر خاک پڑی ہوئی دعاؤں میں مشغول ہیں میں نے ایسے ہنگام میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا یہانتک کہ آپ کی نماز تمام ہو گئی اور آپ میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے سلام کیا، حضرت نے جواب سلام دیتے ہوئے درود کا سبب دریافت کیا، میں نے واقعہ بیان کیا آپ نے برجستہ آیت پڑھی "کیا صاحبان ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ ذکر خدا کے سامنے جھک جائیں اور ان اہل کتاب کے مانند نہ بنیں جن کی مدت مہلت دراز ہوتی رہی اور ان کے دل سخت ہو گئے۔" ربیع! "کیا اہل قریہ اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ انپر سونے سوتے عذاب نہ نازل ہو جائے گا، کیا انہیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ ان کے کھیلتے کھیلتے دن دہاڑے ان پر عذاب نازل ہو جائے، کیا وہ عذاب خدا سے بے خوف ہو گئے جبکہ اس کے عذاب سے بیخوف بننے والے لوگ صرف خسارہ میں رہیں گے۔"

یہ کہکر آپ نے فرمایا کہ منصور سے میرا سلام کہدینا اور پھر اپنی نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں خاموش بیٹھا رہا نماز کے بعد آپ نے توجہ فرمائی تو میں نے عرض کی کہ سلام کے علاوہ کچھ اور بھی فرمائیں گے؟۔ آپ نے آیت پڑھی "کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے ہم سے روگردانی کی اور تھوڑا ہی سامال دیا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟"۔ ربیع! اس سے کہدینا کہ تم نے بار بار ہمیں خوفزدہ کیا یہانتک کہ ہماری عورتیں بھی خائف ہو گئی ہیں اس لئے اب ہماری اذیت سے باز آؤ ورنہ ہم روزانہ پانچ مرتبہ تمہارے لئے بددعا کریں گے اور رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ چار قسم کی دعائیں مسترد نہیں ہوتیں باپ کی دعا بیٹے کے لئے۔ ایک بھائی کی دعا دوسرے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں — مظلوم کی دعا — مخلص کی فریاد۔

ایک مرتبہ منصور نے محمد بن الربیع کو حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس یہ حکم دیکر بھیجا کہ حضرت جس حالت میں بھی ہوں انہیں اپنے ساتھ لے کر آؤ اور اس کام کے لئے بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ دروازہ کھولے بغیر دیوار کی طرف سے جاؤ تاکہ آپ اپنی حالت کو تبدیل نہ کر سکیں۔

محمد کہتا ہے کہ میں حسب الحکم منصور گیا۔ دیکھا کہ حضرت نماز میں مشغول ہیں نماز تمام ہوئی تو میں نے عرض کی کہ امیرالمؤمنین کے پاس چلئے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو ذرا کپڑے پہن لوں۔ میں نے کہا کہ یہ غیر ممکن ہے اور یہ کہکر آپ کو اسی حالت میں منصور کے پاس لے آیا۔ منصور نے آپ کو دیکھتے ہی یہ کہنا شروع کیا کہ اے جعفر تم اپنے بغض وحسد اور بنی عباس کے خلاف بغاوت سے باز نہ آؤ گے یاد رکھو تمہارا حسد بڑھتا جائے گا لیکن تمہارا مقصد نہیں حاصل ہو سکتا (معاذاللہ)۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں نے تو بنی امیہ کے دور میں بھی زندگی گذاری ہے جو میرے اور تمہارے بدترین دشمن تھے۔ اور میں نے انکے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ ان کے مظالم کو برداشت ہی کرتا رہا۔ تو اب ایسے اقدامات

کا سوال پیدا ہوتا ہے؟ تم تو میرے قرابتدار اور ابن عم ہو۔ منصور نے یہ سُنکر سر جھکا لیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور تکیہ کے نیچے سے ایک فائل نکال کر حضرت کے سامنے پھینک دی کہنے لگا یہ آپ کے خطوط ہیں جو آپ نے اہل خراسان کو میرے خلاف بغاوت کے لئے لکھے ہیں۔ حضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ میرے خطوط نہیں ہیں اب تو میری ضعیفی آگئی ہے مجھ میں ایسے کاموں کی سکت کہاں بہتر یہی ہے کہ تو مجھے قیدخانہ ہی میں ڈال دے یہانتک کہ میں مرجاؤں اس لئے کہ میری موت قریب آچکی ہے۔ منصور نے کہا یہ کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ کہکر نیام سے تلوار کھینچی پھر کچھ سوچکر رکھدیا اور کہنے لگا۔ جعفر اس ضعیفی میں بھی تم کو شرم نہیں آتی۔ تم غلط بیانی سے کام لیکر مسلمانوں میں اختلاف پھیلانا چاہتے ہو، رعایا اور حکام کو لڑوا کر خونریزی کرانا چاہتے ہو۔ (معاذاللہ)

حضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ میرا کام نہیں ہے نہ یہ میرے خطوط ہیں نہ میری تحریر ہے اور نہ میری مہر ہے۔ منصور نے ایک نہ سنی اور برابر عتاب کرتا رہا حضرت معذرت فرماتے رہے۔ آخر کار منصور نے سر اٹھاکر کہا کہ آپ سچے معلوم ہوتے ہیں۔

(بحار جلد ۱۲)

عبداللہ ابن ابی لیلیٰ راوی ہیں کہ میں ربذہ میں منصور کے ساتھ تھا کہ منصور نے ایک شخص کو امام صادقؑ کے بلانے کے لئے بھیجا، حضرت آئے جیسے ہی منصور نے آپ کے آنے کی خبر سنی حکم دیا کہ انہیں قتل کردو۔ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انہیں زندہ چھوڑ دوں اور اس کے بعد چند بدمعاش لوگوں کو مسلط کردیا حضرت ان کے حلقے میں دربار کی طرف چلے دروازہ پر پہونچ کر کچھ دعا پڑھی اور داخل دربار ہوگئے مگر جیسے ہی منصور نے آپ کو دیکھا کہنے لگا، ابن عم مرحبا، فرزند رسول! مرحبا۔ اور یہ کہکر آپ کو مسند پر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت باہر تشریف لے گئے تو ابن ابی لیلیٰ نے پوچھا کہ حضور نے کیا دعا پڑھی تھی آپ نے فرمایا۔" ما شاء اللہ لا یاتی بالخیر الا اللہ، لا یصرف السوء الا باللہ، ما شاء اللہ ما شاء اللہ کل نعمۃ من اللہ

ماشاء اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔"

صفوان بن مہران جمال راوی ہیں کہ بنی مخزوم کے ایک شخص نے منصور کے پاس یہ شکایت کی کہ جعفرؑ بن محمدؑ، معلیٰ بن خنیس کو اپنے شیعوں کے پاس بھیجکر ان سے مال جمع کرتے ہیں اور اسے محمد بن عبداللہ کی نصرت پر صرف کرتے ہیں منصور یہ سنکر آگ بگولا ہوگیا اور امیر مدینہ کو خط لکھا کہ جعفرؑ بن محمدؑ کو فوراً روانہ کردے راستہ میں کہیں قیام یا آرام کی بھی اجازت نہ دی جائے، حضرت کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام کرو میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔ رات گذری، سواری کا انتظام ہوا حضرت عراق کی طرف روانہ ہوئے منصور کے پاس پہونچے۔ اجازت ملی۔ تشریف لے گئے۔ منصور نے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ احترام سے بٹھایا اپنی شکایت بیان کی حضرت نے فرمایا کہ پناہ بخدا میں اور ایسا کام ۔؟ منصور نے کہا آپ قسم کھا سکتے ہیں۔ میں ابھی اس شخص کو بلاتا ہوں جس نے یہ شکایت کی ہے اور یہ کہکر حکم دیدیا وہ شخص حاضر کیا گیا اس نے حضرت کے سامنے بھی اپنی باتوں کو دھرا دیا۔ آپ نے فرمایا تو قسم کھا سکتا ہے اس نے کہا یقیناً اور یہ کہکر قسم شروع کردی حضرت نے فرمایا جلدی نہ کرو جیسے میں کہوں اس طرح قسم کھا اس نے قسم کھائی اور فوری انتظام خدا کا شکار ہوگیا۔

محمد بن عبداللہ اسکندری کہتے ہیں کہ میں منصور کے مصاحبین میں تھا ایک دن حاکم کے پاس گیا تو اسے کچھ مغموم پایا میں نے سبب دریافت کیا اس نے کہا کہ میں نے اولاد فاطمہؑ میں سے تقریباً سو آدمی قتل کردئے ہیں لیکن ان کا سید و سردار ابھی تک باقی ہے۔ میں نے عرض کی کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا جعفر صادقؑ ۔ میں نے کہا کہ وہ تو ایک عبادت گذار آدمی ہیں انہیں ریاست وحکومت سے کیا واسطہ؟ —— منصور نے کہا کہ مجھے معلوم ہے تم بھی ان کی خلافت وامامت کے قائل ہو لیکن یاد رکھو کہ ملک بانجھ عورت کے مانند ہوتا ہے میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ رشتہ و قرابت کوئی شے نہیں ہے اور آج شام تک اس کا فیصلہ کردوں گا۔ یہ کہکر جلاد کو

بلایا اور اسے حکم دیا کہ جب میں جعفرؑ بن محمدؑ کو طلب کروں اور انہیں باتوں میں مشغول کرکے ٹوپی اتار لوں تو تم ان کی گردن کاٹ دینا۔ اس کے بعد حضرت کو طلب کیا اور خود آگے پیچھے چلتا رہا، تخت پر لاکر احترام سے بٹھایا اور کہا کہ اپنی ضرورت کو بیان کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ میری حاجت صرف یہ ہے کہ آپ مجھے نہ طلب کیا کریں ۔ منصور یہ سُنکر دنگ رہ گیا۔ (بحار ۱۱ ص۱۲۴)

مذکورہ بالا واقعات وحوادث سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں

۱۔ امام جعفر صادقؑ سے منصور کی عداوت کسی قدیم خاندانی اختلاف کی بنا پر نہیں تھی وہ سختی کے ایام میں امام کی طرف رجوع کرتا تھا آپ سے حدیثیں سنتا تھا اور اولاد علیؑ کی حمایت میں نفس زکیہ محمد کی طرف دعوت دیا کرتا تھا، بنی امیہ کے خلاف اقدام میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ درحقیقت اس اختلاف کے سرچشمہ اپنے اقتدار کا تحفظ تھا چنانچہ منصور کی روش تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی بدل گئی، اس کے پیش نظر یہ خطرہ تھا کہ حمایت آل محمدؐ کا نام پر حاصل کیا ہوا ملک کسی وقت بھی اہلبیت کی طرف منتقل ہوسکتا ہے اس لئے اس نے چاہا کہ ایسی عظیم ہستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے جو میرے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہوں، امام صادقؑ کی حیثیت اس دور میں ایک مرجع عام کی تھی اس لئے منصور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کی ایک آواز سارے ملک میں انقلاب برپا کرسکتی ہے ان کا ایک ایک کلمہ میرے خلاف ایک محاذ کی تشکیل کرسکتا ہے، حکومت خود فی الحال ان احتجاجات کی سکت نہیں رکھتی ہے اس لئے خفیہ اقدام ہی زیادہ مناسب رہے گا اس نے اسی فکر سے پیش نظر کئی مرتبہ امام کے قتل کا ارادہ کیا لیکن تھوڑی سی دوراندیشی اور انجام بینی اس اقدام میں حائل ہوتی رہی۔

۲۔ امام کے خلاف ایک پوری فائل کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ بنی عباس کے دربار میں ایسے پورے گروہ کا عمل دخل تھا جو امام کے خلاف سازشوں

میں مصروف تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جعل و فریب کر کے منصور کو امام سے بدظن کر دیا جائے اور اس طرح فتنہ کی آگ میں آل رسولؐ کے صحیفہ وقار کو جلا دیا جائے منصور اس سازش سے پوری طرح باخبر نہ تھا اس لئے بعض اوقات امام سے اس لہجہ میں گفتگو کرتا تھا جو ایک جاہل اور ناواقف ہی استعمال کر سکتا ہے۔

میرے خیال میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ان خطوط کی پشت پر خود منصور کی مکاری کام کر رہی ہو لیکن یہ بہرحال کہا جائے گا کہ کچھ لوگ حکومت میں رخنہ ڈالنے اور ملک میں انتشار پیدا کرنے کا شدت سے انتظار کر رہے تھے، انہیں اہلبیتؑ کی عظمت اور ان کی طرف سے لوگوں کی محبت و عقیدت کا بھی علم تھا اور حکومت کی واقعی قوت کا بھی اندازہ تھا۔ لیکن قدرت اپنے بندے کے تحفظ کا اہتمام بھی کر رہی تھی چنانچہ حکومت اور حکومت والوں کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہو سکا۔

۳۔ صفوان جمال کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے بغداد میں بھی افادات فرمائے ہیں چنانچہ جسر قدیم کے پاس بغداد کے مغرب میں ایک مکان حضرت کے مدرسہ کے نام سے تھا جس کے نشانات اب مٹ چکے ہیں (حیاۃ الامام الصادقؑ للشیخ المظفر) لیکن افسوس کہ خطیب بغدادی نے تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور یہ بات تعجب خیز بھی نہیں ہے اس لئے کہ خطیب اس دور کے مولف ہیں جس دور میں ایسے تمام مظالم اور اس قسم کی تمام خیانتیں روا تھیں۔

۴۔ منصور اپنے مکمل انحراف و بغض کے بعد بھی امام جعفر صادقؑ کی شخصیت سے ناواقف نہ تھا بلکہ اسے حضرت کی عظمت و اہمیت کا کامل علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے ساری امکانی قوتیں آپ کو خوش کرنے پر صرف کیں اور جب کوئی تدبیر کامیاب نہ ہو سکی اور آپ مسلسل حکومت سے کنارہ کشی اور بے تعلقی کا اعلان کرتے رہے تو اس نے آپ کے اعزا و اقربا کو قتل کرنا

شروع کر دیا جس میں آپ کے چچا عبداللہ ابن علی بھی تہ تیغ ہو گئے جیسا ۔ مسعودی کا بیان ہے کہ منصور نے عبداللہ بن علی کو ابوالازہر مہذب بن بی عیسی کے حوالے کر دیا اور وہ اس کی قید میں رہے یہاں تک کہ ان کے قتل کا حکم نافذ ہو گیا اور ابوالازہر ان کے پاس اس وقت وارد ہوا جب ان کے پاس ایک کنیز بھی موجود تھی ابوالازہر نے پہلے عبداللہ کا گلا گھونٹ دیا پھر جب آپ کی روح جسم سے نکل گئی تو کنیز کی طرف رخ کیا اس نے کہا کہ میرے لئے کوئی دوسرا طریقہ تجویز کیجئے ، ابوالازہر کہتا ہے کہ مجھے اس حال پر رحم آگیا اور میں نے منہ پھیر لیا لیکن دوسرے آدمی کو حکم دیا جس نے پھانسی دلوادی اور دونوں کو ایک لینزیں لٹا دیا ۔ (مروج الذہب ۳ ص ۲۳۰)

مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصور اپنے ظاہری رعب و داب درجاہ و حشم کے باوجود حضرت کی ہیبت و جلالت سے برابر خائف رہتا تھا ، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ بارگاہ احدیت میں مقرب ہیں آپ کی دعا رد نہیں ہوتی ہے چنانچہ آپ ہر مشکل اور مصیبت کے موقع پر مناجات کیا کرتے تھے اور آپ کی مشکلیں آسان ہو جایا کرتی تھیں ، منصور نے اس بات کا مشاہدہ بھی کیا تھا کہ جب آپ نے ابن عیاش کلبی کے بارے میں سنا کہ وہ حضرت زید کی شہادت پر فخریہ انداز سے شعر پڑھتا پھرتا ہے اور عثمان کو حضرت علیؑ پر ترجیح دیتا ہے تو اس کے لئے بد دعا فرمائی کہ خدایا اگر یہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے تو اس پر اپنے کتے کو مسلط کر دے چنانچہ ادھر حکیم باہر نکلا اور ادھر شیر نے اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیا ۔ (اصابہ ا ص ۳۹۵)

امام جعفر صادقؑ اور حکام

امام کی زندگی میں منصور کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حکام سے مختلف واقعات پیش آئے ہیں جہاں ان حکام نے اپنے رئیس کو خوش کرنے کے لئے

آپ کو اذیت دینے کی انتھک کوشش کی ہے۔ ایک والیٔ مدینہ نے تو امام کی موجودگی میں جمعہ کا خطبہ پڑھا اور حمد خدا کے بعد حضرت علیؑ کو برا بھلا کہا حضرت یہ سنکر کھڑے ہو گئے اور حمد باری وصلوات کے بعد فرمایا کہ تو نے جس خیر کا ذکر کیا ہے اس کے اہل ہم لوگ ہیں اور جن برائیوں کا تذکرہ کیا ہے ان کا اہل تو اور تیرا رئیس ہے۔ ذرا اپنے حالات کا جائزہ لے دوسرے کے دم خم پر کب تک! آخر ایک دن پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے یہ گناہ تجھے ہی لے جانا ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے قوم سے خطاب فرمایا "یاد رکھو قیامت کے دن سب سے زیادہ خالی میزان اور سب سے زیادہ خسارہ میں رکھنے والا انسان وہ ہوگا جس نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا اور وہ یہی فاسق ہے" والی شہر یہ سنکر دم بخود ہو گیا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے اہم حادثات منصور سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے جاسوس برابر امام کے نقل وحرکت کی اطلاع پہونچا رہے تھے اور منصور اپنے انتقام کی تدبیروں میں مصروف تھا۔

داؤد بن علی مدینہ کا والی مقرر ہوا تو اس نے بھی علویوں کو اذیت پہونچانا شروع کی۔ سیرانی کے ذریعہ معلی بن خنیس کو شہید کر دیا جو امام کے خاص اصحاب اور موالی میں سے تھے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا۔ لیکن انہوں نے سب کچھ برداشت کر لیا، حضرت معلی بن خنیس کے قتل کے چند اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ داؤد نے ان سے شیعان علیؑ کی سراغرسانی کا تقاضا کیا اور انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے انکار پر آخر وقت تک قائم رہے یہاں تک کہ شہید کر ہو گئے۔

۲۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ صاحب نفس زکیہ کے اقدام میں ان کا

اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ حضرت کو اس حادثہ سے سخت تکلیف پہونچی اور آپ نے اسے اپنے حق پر ایک سنگین حملہ تصور کیا، چنانچہ خبر کو سنتے ہی آپ خلاف عادت امیر کے پاس گئے اور غضبناک لہجہ میں خطاب فرمایا "تو نے میرے چاہنے والے کو قتل کیا ہے، میرے مال کو غصب کیا ہے کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ اولاد کے مرنے پر صبر ہو سکتا ہے لیکن جنگ کے اعلان پر خاموشی نہیں اختیار کی جا سکتی" (گویا حضرت نے معلیٰ کے قتل کو اپنے حق میں اعلان جنگ تصور کیا) اس کے بعد آپ سے اور امیر سے سخت لہجہ میں گفتگو ہوئی، امیر نے ساری ذمہ داری سپاہی کے سر ڈالنا چاہی لیکن جب یہ حربہ کامیاب نہ ہوا تو سپاہی کے قتل کا حکم دیدیا اس نے حکم سنتے ہی کہا "یہ بھی خوب ہے کہ پہلے لوگوں کے قتل کا حکم دیں اور جب انہیں قتل کر دیا جائے تو سزا کے طور پر اپنے قتل کا حکم بھی نافذ ہو جائے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معلیٰ کے قتل میں تمام تر داؤد کا ہاتھ تھا اور سپاہی پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ (ابن فوطی)

کافی کی روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت نے پروردگار عالم کو اس کی نورانیت، عزت، نعمت، سلطنت اور اس کے عزائم کا واسطہ دے کر داؤد کے لئے بددعا کی اور ابھی آپ کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ داؤد کے گھر سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ معلوم ہوا کہ داؤد نے دنیا سے رحلت کی۔

امام نے جن سخت حالات میں زندگی گذاری ہے ان کا اندازہ آپ کے اس ایک فقرہ سے ہوتا ہے "سلامتی اتنی نادر ہو گئی ہے کہ اب اس کی جگہیں نظر نہیں آتیں"

سفیان ثوری کا دستور تھا کہ وہ حضرت کی خدمت میں برابر آیا کرتے تھے لیکن جب آپ پر سختیاں زیادہ ہونے لگیں تو سفیان نے بھی آنا کم کر دیا۔ ایک دن اتفاق سے حضرت کی خدمت میں آ گئے اور حدیث سننے کا تقاضا کیا

تو آپ نے فرمایا کہ تم بادشاہ کے مطلوب ہو اور میں بادشاہ سے پرہیز کرتا ہوں اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم چلے جاؤ، میرا مقصد تمہیں بھگانا نہیں ہے"۔

بنی امیہ کے حکام سے کہیں زیادہ مصائب حضرت کو منصور کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑے اس نے بار بار آپ کے قتل کی تدبیر کی لیکن پروردگار کی مخصوص عنایت اور توجہ کی بنا پہ آپ کو نجات ملتی رہی۔ علی بن میسرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادقؑ۔ منصور کے پاس آئے منصور نے آپ کے سر پر ایک غلام کو مقرر کر دیا کہ جیسے ہی جعفرؑ بن محمدؐ بیٹھیں ان کا سر قلم کر دینا۔ حضرت نے دربار میں قدم رکھتے ہی منصور کے تیور دیکھے اور زیر لب دعا کی "اے ساری خلقت کے کام آنے والے مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھنا" دعا مستجاب ہوئی اور آپ کو اس کے شر سے نجات مل گئی۔ (کافی ۲ ص۵۶۱)

امام منصور کے مکر و فریب سے بخوبی آگاہ تھے آپ کو معلوم تھا کہ وہ آپ کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے مختلف وسائل اختیار کر رہا ہے کبھی اولاد علیؑ کے پاس لوگوں کو مال دیکر بھیجتا کہ اپنے کو خراسانی ظاہر کر کے انہیں مال دے اور ان سے رسید لے جیسا کہ ایک دفعہ خود امام صادقؑ کے پاس ایک شخص کو کافی رقم دیکر بھیجا، حضرت اس وقت نماز پڑھ رہے تھے وہ انتظار کرتا رہا آپ نے نماز ختم کرتے ہی فرمایا "اے شخص خدا کا خوف کر اور منصور سے بھی کہدے کہ خدا سے ڈرے اور ہم اہلبیتؑ کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرے ہم نے بنی مروان کا دور دیکھا ہے اور یاد رکھ کہ سب اللہ کے محتاج ہیں"۔ (ابن شہر آشوب ۲ ص۳۲۲)

کبھی شیعوں کے نام سے جعلی خطوط حضرت کے پاس بھیجا کرتا تھا کہ آپ کے جواب سے آپ کی گرفت کر سکے لیکن ظاہر ہے کہ خدائی بصیرت رکھنے والے افراد کہیں ایسی چالوں میں آیا کرتے ہیں۔ منصور اپنے ارادوں میں ناکامیاب ہوتا رہا اور لوگ اپنی چغلخوری میں ناکام ہوتے رہے خالق کائنات کی عنایتیں

آپ کے ساتھ بقیں ظالموں نے جعل و فریب کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا آپکی طرف سے شیعوں کو خطوط لکھے انہیں حکومت کے خلاف بغاوت کی دعوت دی مال بھیجا، دیگر تدبیروں سے کام لیا، لیکن ہر وقت ناکام رہا اس کے ذہن میں ہمہ وقت ایک انقلاب کا تصور رہتا تھا جس نے اس کی نیند حرام کر دی تھی اور اس کی زندگی دوبھر ہوگئی تھی۔

منصور کی سیاست

منصور کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ اولاد علیؑ سے سخت سے سخت تر سلوک کیا جائے، اسے ان کی اہلیت و صلاحیت کا مکمل علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ رسول اکرمؐ سے نسبی قرابت اور اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر امت کی نظر میں خلافت کے لئے ان سے زیادہ سزاوار کوئی نہیں ہے۔

ابتدائی حالات میں بنی عباس نے اولاد علیؑ کا باقاعدہ ساتھ دیا ان کی حمایت کے لئے حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، بنی امیہ کو کھلم کھلا برا بھلا کہا اور امت پر برابر یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہم حقوق آل محمدؐ کے حافظ اور ان کے حامی ہیں لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہی بیعت کے ہاتھ خونریزی کے ہاتھ بن گئے، حمایت کرنے والے دل بغض و حسد کی آماجگاہ بن گئے اور حکومت ہر اس موقع کا انتظار کرنے لگی جب آل محمدؐ کا چراغ زندگانی خاموش کر دیا جائے یا انہیں مختلف مصائب و آلام کا شکار بنایا جائے، منصور نے بھی اپنے دور حکومت میں اسی سیرت کو اپنایا، اولاد علیؑ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں ایک جماعت کا زندہ میں جمع کر کے انہیں کوڑے لگوائے کہ کوڑے خون سے رنگین ہو گئے اس کے بعد بدترین سواری پر بٹھا کر کوفہ کی طرف روانہ کر دیا جہاں انہیں ایسے قید خانہ میں رکھا گیا جس میں دن اور رات کا کوئی امتیاز نہ تھا اور ان پر ایسے سپاہی مسلط کئے جن کے لغت میں رحمدلی اور انسانیت کی سی لفظیں نہ تھیں۔ اس کے بعد یہ بھی حکم دیدیا

کہ مردوں کے جنازے نہ اٹھائے جائیں تاکہ زندہ قیدی لاشوں کی بدبو سے ہلاک ہو جائیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ منصور نے ابراہیم بن عبداللہ کو قتل کرا کے ان کا سر ربیع کے ہاتھوں ان کے باپ کے پاس قید خانہ میں بھیج دیا، عبداللہ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے ادریس نے جیسے ہی یہ منظر دیکھا آواز دی بابا نماز جلدی ختم کیجئے عبداللہ نے نماز تمام کی اور بیٹے کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔ فرمایا مرحبا میرے لال تو قرآن کی زبان میں ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے خدائی عہد کو پورا کیا، پیمان شکنی نہیں کی اور جہاں جہاں پروردگار عالم نے وصل کا حکم دیا تھا وہاں وصل سے کام لیا" ربیع نے پوچھا کہ ابوالقاسم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، عبداللہ نے فرمایا بقول شاعر وہ ایک ایسا جوان تھا جو تلوار کے ذریعہ ذلت سے بچتا تھا اور گناہوں سے پرہیز کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد ربیع سے خطاب کر کے فرمایا کہ منصور سے یہ کہہ دینا کہ ہمارے دن تو پورے ہو رہے ہیں اب تم سے قیامت ہی کے دن ملاقات ہوگی۔

آل محمدؐ اسی طرح قید خانہ کی مشقتیں برداشت کرتے رہے تلاوت قرآن کی مقدار سے نماز کے اوقات کا اندازہ کرتے لیکن منصور سے یہ حالت بھی دیکھی نہ گئی اس نے ایک دن قید خانہ کی عمارت کو ان کے سروں پر منہدم کرنے کا حکم دیدیا جس کے نتیجہ میں کچھ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور کچھ کے جسم میں دیوار کی کیلیں گڑ گئیں اور اس طرح منصور کی سیاست حد آخر تک پہونچ گئی ــــ (طبری، ابن اثیر، مروج الذہب)۔

خدا خدا کر کے ایک وقت وہ بھی آیا جب منصور نے بنی حسن کے ساتھ اپنے برتاؤ کی بدی کا احساس کیا اور سے لوگوں کے دلوں میں ابھرتے ہوئے نفرت کے جذبات دکھائی دیئے اس کی سیاست نے پلٹا کھایا اور اس نے ہاشمیہ میں ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثنا کے بعد اس طرح خطاب کیا "اے اہل خراسان! تم میرے شیعہ اور میرے مددگار ہو۔ تم میرے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت کرو گے تو وہ مجھ سے اچھا نہ ہوگا، خدائے وحدہ لا شریک کی قسم میں نے اولاد علیؑ کے ساتھ کوئی معمولی

سی بدسلوکی بھی نہیں کی۔ بنی امیہ نے ہمارے اوپر حملہ کیا ہماری شرافت کو مردہ بنانا چاہا ہماری عزت کو برباد کرنے کی کوشش کی ہمارا ان سے کوئی سابقہ نہ تھا۔ ہم نے ساری مصیبتیں اولاد علیؑ کی محبت میں برداشت کیں، دربدر کیئے گئے کبھی طائف گئے کبھی شام اور سراۃ کی طرف جلا وطن کیئے گئے یہانتک کہ خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرا ساتھی بنایا اور اس طرح ہمارا شرف زندہ ہوا ہمارا حق ظاہر ہوا اور ہماری میراث ہم تک پہونچ گئی۔ اللہ نے اپنے منارہ ہدایت کو بلند کیا اور اپنے انصار کو عزت بخشی، ظالموں کا سلسلہ ختم ہوا والحمد للہ رب العالمین۔ اب جبکہ ہمارے امور طے ہو چکے ہیں اور اللہ کا عادلانہ فیصلہ ہو چکا ہے تو یہ لوگ ہم سے حسد کرنے لگے ہیں ہمارے اوپر ظلم کرتے ہیں اور ہمارے حقوق پر غاصبانہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

(مروج الذہب ۳ ص ۳۲۷)

منصور نے اس خطبہ میں جس قدر غلط بیانی سے کام لیا ہے وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو ایسے نرم لہجہ سے راضی کرے اور ان کے اندر نفرت کے جذبات نہ ابھرنے پائیں۔ ورنہ اسے خود بھی یہ معلوم تھا کہ اولاد علیؑ نے کسی وقت بھی حکومت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا اور نہ انہیں سلطنت کی کوئی خواہش تھی، ان کے اقدامات کا محرک صرف یہ جذبہ تھا کہ ہم ظلم کے سامنے سر نہ جھکائیں گے۔ جیسا کہ ابن ساعی کا بیان ہے کہ: "تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے باخبر ہے کہ اہلبیت کا کوئی اقدام ذلت واہانت کے ردعمل کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بنی امیہ نے غلاموں پر احسانات، عربوں کو لاکھوں درہم و دینار کی داد و دہش، زمینوں اور جائدادوں کی تقسیم، عہدوں پر ان کی تقرری کے ساتھ بنی فاطمہؑ پر مصائب و آلام کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اپنے فسق و فجور کے ساتھیوں کو پوری سہولت دے رکھی تھی، بنی فاطمہؑ اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکتے تھے، ان کی غیرت وحمیت

اور ان کی شرافت وعزت انہیں ابھارتی تھی اور وہ قانون شکنی کا عنوان سے
نہیں بلکہ یہ سوچکر اٹھ کھڑے ہوتے تھے کہ ارض خدا تنگ نہیں ہے ہم ایسی
جگہوں پر زندگی گذار سکتے ہیں جہاں ہمارے جد کی امت آباد ہو اور بنی امیہ کے
مظالم سے راحت مل سکے، لوگ ان کا احترام کرتے تھے ان کے جذبہ کو استحسان
کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے گرد جمع ہوجاتے تھے بنی امیہ کو یہ خبر ناگوار گذرتی
تھی ۔ وہ ان کے پیچھے سپاہیوں اور فوجیوں کو لگا دیتے تھے تاکہ انہیں درجہ
شہادت پر فائز کرادیں ۔ یہی حال بنی عباس کے دور حکومت میں بھی رہا ۔"

(تاریخ ابن الساعی ص۳۶ ۱)

اس منزل تک پہونچنے کے بعد اس امر کی طرف توجہ بھی ضرور ہے کہ آلِ رسولؐ
کے ساتھ بنی عباس کا برتاؤ بنی امیہ سے بالکل مختلف رہا ہے، بنی امیہ اپنی دشمنی
میں کسی پوشیدگی کے قائل نہ تھے ان کی عداوت بالکل علانیہ تھی اور ظاہر ہے کہ
واقعہ کربلا، اسیری اہلبیتؑ اور سب وشتم امیرالمومنینؑ کے بعد پوشیدگی کا سوال
ہی کیا رہ جاتا ہے ۔ بنی عباس نے ابتدائے کار میں حمایت اہلبیتؑ کی آڑلی اور
جب نظم حکومت منصور کے دور میں مستحکم ہو گیا تو سب سے پہلے انہیں حضرات
کو نشانہ ستم بنایا، تہ تیغ ہونے والوں میں سرفہرست انہیں کا نام تھا اور زندان خانہ
کی طرف جانے والے قافلے کے میر کارواں یہی حضرات تھے منصور کے مظالم
کی فہرست توبہت طولانی ہے لیکن اس سلسلے سب سے اہم واقعہ صندوق کا ہے
جس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔

واقعہ یہ ہے کہ منصور نے اپنی زندگی میں ایک صندوق بنوا رکھا تھا جسے
روز قیامت، روز حساب، روز جزا، روز فیصلہ کے لئے محفوظ کئے ہوئے
تھا اور اپنے بیٹے مہدی کی بیوی ریطہ کو اس کی کنجی دیدی تھی کہ میرے مرنے کے
بعد اس کنجی کو مہدی کے حوالے کردینا ۔ ریطہ کا خیال تھا کہ اس صندوق میں بہترین
قسم کے جواہرات اور قیمتی موتی ہوں گے چنانچہ منصور کے مرنے کے بعد وہ مہدی

کو لیکر صندوق کے پاس آئی دونوں فرطِ مسرت سے جھوم رہے تھے اور دونوں کی نگاہوں میں سنہرے روپہلے جواہرات چمک رہے تھے لیکن جب ریطہ نے مہدی کو کنجی دی اور مہدی نے خزانے کو کھولا تو اس میں کچھ ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی لاشیں جن کے کانوں میں ان کے نسب نامے آویزاں تھے کچھ اور بوڑھوں کی میتیں جنہیں منصور کے مظالم نے اس دنیا میں نہ رہنے دیا تھا نظر آئیں، مہدی یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا جسم میں لرزہ پڑ گیا اور فوراً ایک گڑھا تیار کرا کے سب کو دفن کر دیا اور اس پر ایک دکان تیار کرا دی۔

(طبری ۹ ص ۳۰۲ حوادث ۱۵۸ھ ط ۱)

ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے بعد منصور کے مظالم کے سلسلے میں کسی اور بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ منصور کی مکاری نے اتنے مظالم کے بعد بھی برابر اس بات کی کوشش کی کہ ان مظالم کو کھوکھلے زہد و تقویٰ اور ریاکارانہ عبادت کے پردے میں چھپا دیا جائے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ منصور کے چند ہوا خواہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ خبر لے کر آئے کہ منصور بہت سادہ سا لباس پہنتا ہے بلکہ اس میں پیوند بھی لگاتا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنی سلطنت میں رہ کر فقیری میں مبتلا ہے۔ (کامل ابن اثیر ۶ ص ۱۳ ط ۱)

ایک مرتبہ منصور نے اپنے کاتب محمد جمیل کو پندرہ تازیانے اس بات پر لگائے کہ اس نے کتان کے کپڑے پہن رکھے تھے اور فرمایا کہ یہ اسراف ہے۔ گویا لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ بادشاہ اپنے معاملات میں بھی اس قدر احتیاط اور میانہ روی سے کام لیتا ہے۔

ایک مرتبہ روزِ عرفہ کے خطبہ میں بیان کیا " ایہا الناس میں زمین پر اللہ کی طرف سے بادشاہ ہوں اس کی توفیق و تائید سے حکومت کرتا ہوں اللہ کے مال کا خزانہ دار ہوں اس کی مشیت کے مطابق خرچ کرتا ہوں اس کی اجازت سے

داد و دہش کرتا ہوں۔ اس نے مجھے اپنے خزانوں کا قفل بنا دیا ہے۔ جب تمہیں کچھ دینا چاہتا ہے تو میرا منہ کھل جاتا ہے اور جب نہیں چاہتا تو قفل بند ہی رہتا ہے لہذا آج کے دن اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے سوال کرو۔ (طبری ج ۶ ص ۳۳۰)

مقصد یہ تھا کہ لوگ میرے بخل یا میری زیادتی پہ نظر نہ رکھیں بلکہ ان تمام باتوں کا ذمہ دار اپنے خالق و مالک کو قرار دیں وہ چاہتا تو میں ضرور دیتا۔ میں نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی تم لوگوں پر مہربان نہیں ہے۔

اس کے بعد تقدس کے بلند ترین زینہ پہ قدم رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہے "خدائے برتر کا شکر ہے، اسی سے مدد، اسی پر ایمان اور اسی پر اعتماد ہے میں اس کی توحید کی شہادت دیتا ہوں" یہ سننا تھا کہ ایک شخص پہلو سے بول اٹھا "اسی خدا کو یاد کیجیے" منصور نے اس کلام پر خطبہ کو روک دیا اور کہنے لگا کہ میں خدائے برتر کی اطاعت کرتا ہوں اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے جبار و ظالم کہا جائے۔ اس کے بعد قوم سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ خبردار تم میں سے کوئی ایسی بات نہ کرے تمہیں نہیں معلوم کہ حکمت ہم پر نازل ہوتی ہے ہمیں اس کے اہل ہیں اس کا ورود و صدور ہماری ہی منزلوں سے ہے۔

منصور ان تمام باتوں سے اپنے تقدس کا رعب جما کر عوام کی زبان بندی کرنا چاہتا تھا اور انہیں یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ میں صرف خدا کے حکم سے کام کرتا ہوں، میرا کوئی عمل اس کی مرضی سے جدا نہیں ہے۔ بداعمالیاں بنی امیہ کا حصہ تھیں ان کے ساتھ ختم ہو گئیں — حالانکہ منصور کا دور بنی امیہ ہی کے دور حکومت کا ایک تسلسل تھا چنانچہ ایک دن اس نے عبدالرحمن افریقی سے کہا کہ میری سلطنت اور بنی امیہ کی سلطنت میں کیا فرق ہے؟ عبدالرحمن نے برجستہ جواب دیا کہ بنی امیہ کا کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو آپ کی سلطنت میں نہ دیکھ لیا گیا ہو۔

عبدالرحمن ابتدا میں منصور کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور اسی بچپنے کی دوستی کی بنا پہ منصور کے پاس آیا تھا پہلے تو اسے ایک مہینہ تک باریابی کا شرف ہی نہیں مل سکا

اس کے بعد جب اجازت ملی تو منصور نے دیکھتے ہی یہ سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ عبدالرحمٰن نے فوراً جواب دیا کہ ہمارے شہروں میں ظلم و جور عام ہو گیا ہے میں اس بات کی طرف متوجہ کرنے آیا ہوں کہ آپ کی حکومت میں ایسے حالات قطعی غیر مناسب ہیں۔ منصور کو یہ سُنکر غصہ آگیا اور اس نے عبدالرحمٰن کو باہر نکلوا دیا۔
(تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۰۵)

اپنی زندگی کے آخری سال منصور حج کے لیے گیا تو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہوئے ایک آواز سنی "خدایا میں روئے زمین پر فساد و ظلم کے پھیل جانے کی شکایت کرتا ہوں۔ اہل طمع نے حق سے علیحدگی اختیار کر لی ہے" منصور یہ سُنکر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور اس نے دعا کرنے والے کو طلب کر کے اس سے دعا کا مفہوم پوچھا اس نے امان طلب کی اور اس کے بعد کہا کہ جس نے طمع کی بنا پہ اہل حق کو ان کے حق سے محروم کیا ہے وہ تیری ذات ہے" منصور نے کہا خدا تیرا برا کرے میرے پاس خزانے موجود ہیں مجھے طمع کرنے کی کیا ضرورت ہے" اس نے کہا امیرا پروردگار نے آپ کو مسلمان اور ان کے اموال کا امین بنایا تھا آپ نے ان اموال پہ پہلے اینٹ پتھر کے دربان بٹھائے پھر لوہے کے دربان بنائے پھر مسلح آدمیوں کو مقرر کر کے یہ حکم دیدیا کہ سوائے چند افراد کے کوئی دوسرا نہ آسکے تیرے یہاں مظلوم، ستم رسیدہ، کمزور، فقیر اور بھوکے ننگے لوگوں کی رسائی کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے، دوسری طرف تیرے مخصوص افراد نے جب یہ دیکھ لیا کہ تو ان اموال میں خیانت کر رہا ہے اور اسے مستحقین کو نہیں دیتا تو انہوں نے بھی تیرے ساتھ خیانت شروع کی ساری رقم اس بات پہ صرف ہوتی ہے کہ تجھ تک خبریں ان کے حسب منشاء ہی پہونچیں، تیرے عامل لوگوں کے درمیان ذلیل نہ ہوں۔ ان کی ہیبت و عظمت میں رخنہ نہ ہو لوگوں سے ہدیہ وصول کریں اور اس کے بل بوتے پہ رعایا پہ ظلم کریں، صاحبان ثروت نے بھی ان کو ہدیے دینا شروع کر دیئے کہ انہیں بھی اپنے زیر دست افراد پہ ظلم کرنا تھا نتیجہ میں ملک

ظلم و فساد سے مملوء ہو گیا، لوگ تیری سلطنت میں شریک بن گئے اور تجھے خبر تک نہ ہو سکی، مظلوم کی رسائی تیرے پاس ناممکن بن گئی ہے، تو نے خود بھی اس بات پر پابندی لگادی ہے، مظلومین دروازے ہی سے دھتکار دئے جاتے ہیں، مظالم تیرے سامنے ہوتے رہتے ہیں اور تو دیکھتا رہتا ہے تو کیا اس کے بعد بھی اسلام کی بقاء کی کوئی توقع ہو سکتی ہے؟ - (تاریخ ابن الساعی ص۱۹)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ منصور کے چچا عبد الصمد بن علی نے کہا کہ تو نے سزاؤں کو اتنا زیادہ کر دیا ہے کہ گویا معافی کا نام سنا ہی نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم ایک کشمکش میں مبتلا ہیں، بنی امیہ کی بربادی کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا، اولاد ابو طالبؑ کی تلواریں نیام میں نہیں رکھی گئیں، حکومت ایسے افراد پر کی جارہی ہے جنہوں نے ہمیں ذلیل دیکھا ہے اور آج والی ملک کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں ایسے افراد کے کے سامنے سختی کے علاوہ اور کیا چارہ ہے؟ (تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۰۴)

ایک دن منصور داخل مدینہ ہوا، اتفاق سے عبد اللہ بن الحسن کی صاحبزادی سر راہ کھڑی تھی اور اس نے بادشاہ سے رحم و کرم کا تقاضا کہ دیا اور عرض کی کہ میرے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے۔ آپ ہمارے رشتے سے بہت قریب ہیں۔ بچی کو خیال تھا کہ ایسا کرنے سے میرا باپ رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن منصور پر اس کا ردعمل یہ ہوا کہ اس نے برجستہ کہدیا اچھا ہوا تم نے مجھے یاد دلا دیا اور یہ کہکر مزید سختی کا حکم دیدیا جس کے نتیجہ میں عبد اللہ دنیا سے رحلت فرما گئے۔

قیامت یہ تھی کہ ان تمام بد سرشتیوں اور بد اعمالیوں کے باوجود منصور کی یہی خواہش رہا کرتی تھی کہ اپنی حکومت کو شرعی رنگ دئے رہے اپنے طرز عمل کو حکم خدا و رسولؐ کے سانچے میں ڈھال دے، تبلیغ کرنے والے علماء کو باہر نکال دئے جاتے اور خوشامدی علماء مقرب بارگاہ بنتے تھے۔ اولاد رسولؐ کا خون بہایا جا رہا تھا، قید خانے آباد ہو رہے تھے اور اسی کے ساتھ ایک پرانے بوریا کو محفوظ کر کے اس پر ایک سپاہی معین کر دیا تھا جس کو شہرت یہ دی گئی تھا کہ

یہ رسول اکرمؐ کی چٹائی ہے پھر اسے نماز کے وقت عوام کو دکھلا کر یہ نمائش کی جاتی تھی کہ ہم آثار رسولؐ کے محافظ ہیں۔

دوسری طرف زاہدوں اور واعظوں کو مدعو کر کے ان سے وعظ و نصیحت کرنے کی فرمائش کی جاتی تھی اور ان کے وعظ پر مصنوعی آنسو بہائے جاتے تھے تاکہ لوگ رقت اور پاک باطنی سے مرعوب ہو سکیں۔ مثل مشہور ہے "ایک ہاتھ سے ذبح کرے اور ایک سے تسبیح پڑھے"۔

یہ سلسلہ بنی عباس میں بہت بعد تک جاری رہا اور ہر دور میں رسول اکرمؐ کے نام سے بشارتیں گڑھی جاتی رہیں تاکہ اپنی سلطنت کو دینی رنگ دیا جا سکے۔ چنانچہ ایک روایت یہ تیار کی گئی "خدا عباس، ان کی اولاد، اور ان کے چاہنے والوں کو بخش دے"۔

(تاریخ بغداد ۱۰ ص۳۹)

دوسری روایت یوں وضع ہوئی "خدایا عباس، ان کی اولاد اور ان کے چاہنے والوں کو بخش دے، خدایا عباس کے ظاہر و باطن تمام گناہوں کو بخش دے اور ان کی ذریت کے قیامت تک کے گناہ معاف کر دے۔ (شرح ہمزیہ ابن حجر ص۳۱۸)

ایک روایت سفاح کی شان میں تیار کی گئی "فتنوں کے ظہور کے وقت اور کافی زمانہ کے بعد ہم ہی سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام سفاح ہوگا"۔ اس روایت کو ابوسعید خدری کی طرف منسوب کیا گیا اور ایک مہدی بن منصور کے نام سے بنی "ہم ہی سے سفاح، منصور اور مہدی پیدا ہوں گے"۔ (تاریخ بغداد ۱۰ ص۴۸)

ڈاکٹر احمد امین کا بیان ہے کہ عباس اور اولاد عباس کے بارے میں متعدد روایتیں گڑھی گئیں جن میں ایک روایت تھی کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے قحط کے زمانہ میں عباس سے تقاضا کیا۔ انہوں نے دعا کی اور فوراً بارش ہو گئی جس پر انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم خدا تک پہونچنے کا وسیلہ بنی عباس ہیں۔ بلکہ لوگوں نے بھی انہیں ساقی الحرمین کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ (اسد الغابہ ۳ ص۱۱۱)

اور بعض راویوں نے یہ روایت وضع کی کہ ابن عباس اپنے وقت کے دو عظیم

سیاسی انسان تھے جن سے حضرت علیؑ استفادہ کیا کرتے تھے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے ابن عباس صرف صاحب علم تھے انہیں سیاست سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ (ضحی الاسلام)

علماء رجال و حدیث نے ان روایتوں کی بے اعتباری کو واضح کر دیا ہے اور بنی عباس کے اس ڈھونگ کو طشت از بام کر کے امت کو متنبہ کر دیا ہے کہ ان کے دور حکومت کو اسلام کی حکومت اور باقی اسلام کی خلافت سے کوئی سروکار نہیں ہے!

مختصر یہ ہے کہ منصور نے امام صادقؑ کو اذیت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا یہ اور بات ہے کہ حضرت اس کے شر سے برابر بچتے رہے اور آپ پر کوئی اثر نہیں ہو سکا، آپ کی سیاست کا ماحصل یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے انہیں حکومت سے قطع تعلق پر آمادہ کیا جائے، اور حکومت کو بتا دیا جائے کہ یہ عوام ان مظالم پر صبر کرنے کے لئے تیار نہیں یہ اور بات ہے کہ حالات زمانہ اور مصلحت اسلام کھلی ہوئی جنگ کی اجازت نہیں دیتے۔

یہ تذکرہ ان مصائب و آلام کا ہے جو خود امام علیہ السلام کی ذات سے متعلق تھے اور ظاہر ہے کہ جو حکومت امام کو اس جلالت و ہیبت کے باوجود نہیں معاف کر سکتی تھی وہ ان کے چاہنے والوں اور شیعوں سے کس طرح چشم پوشی کر سکتی تھی جبکہ شیعہ ان کے انصار و اعوان اور ان کے گھرانے والوں کا مشہور لقب تھا اب کیا تھا مصائب کا رخ ان کی طرف بھی موڑ دیا گیا، خون کی ندیاں بہنے لگیں، قید خانے آباد ہونے لگے اور ایسے ایسے حالات سامنے آنے لگے جن کی تفصیل بیان کرنے سے قلم لرزتا ہے۔ لیکن کیا کہنا ان جواں ہمت چاہنے والوں کا کہ انہوں نے کبھی ان مظالم کی پرواہ نہیں کی۔ ظلم کا مقابلہ عزم و استقلال سے کرتے رہے، حکومت کا رعب و داب یا اس کی داد و دہش ان کے دلوں کو آل محمدؐ کی طرف سے منحرف نہ کر سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ لفظ شیعہ جہاں عمومی نفرت و عداوت کا سبب بن گیا وہاں حکومتیں اس نام سے لرزنے بھی لگیں۔ حکومتوں کے پاس عقیدہ کی اس

آہنی دیوار کو توڑنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے اس نے "علماء سوء" کا سہارا لیا اور ان لوگوں نے بھی دل کھول کر فتوے دئے۔ اور عوام کو یہ باور کرا دیا کہ شیعوں کی طرف سے حق آل محمدؐ کی حمایت ان کی اہلیت وصلاحیت اور رسولؐ اکرم سے ان کی قرابت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کا راز صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اہلبیتؑ کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کافر ہیں ان کے لئے ہر اذیت وآزار جائز اور معشیت و آزادئ فکر واظہار عقائد واقامہ شعائر جیسی تمام آزادیاں حرام ہیں۔

زمانہ یہ ہے کہ ایک کافر خدا کا انکار کر کے فراغت کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے۔ لیکن ایک شیعۂ آل محمدؐ چاروں طرف سے حملوں کا نشانہ بنا ہوا ہے جبکہ وہ توحید خدا ورسالت رسولؐ کا اعتراف کرتا ہے، اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حکومت کی خواہشات کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہتا تھا۔ اور اسی بنا پر اس کی حدیث لینا حرام بلکہ باعث عقوبت اور سبب بے دینی ہے اور اس کا اپنا خون تو ہر حال حلال ہے۔

یہ اس دور کا ایک اجمالی خاکہ ہے جب شیعان آل محمدؐ حکومت کی نظروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کی تباہی وبربادی کے وسائل کا تلاش کرنا حکومت کا منصبی فرض بن گیا تھا۔ ان کے خلاف تہمتیں گھڑی جاتی تھیں اور ان کی طرف سے رائے عامہ کے منحرف کرنے میں کسی بھی جھوٹ سے پرہیز نہ کیا جاتا تھا۔ ان واقعات کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دور حاضر کے تنقیدی ذہن اسلامی تاریخ کے میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھیں، جہاں تہمتوں کا جال پھیلا ہوا ہے، الزامات کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ دامن تحقیق کسی مقام پر الجھ جائے اور سالک حقیقت "تلاش منزل میں ناکامیاب ثابت ہو، اس کے بعد ہم ائمہ اربعہ کے دوسرے امام مالک کی زندگی کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھائیں

گے کہ صرف تاریخی حقائق سے بحث کی جائے نہ کسی حمایت کا پہلو ہو نہ عداوت و عصبیت کا۔

امام مالک بن انس

تمہید

کتاب کی پہلی جلد میں اہل رائے اور اہل حدیث کے معرکے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس معرکہ نے جہاں اسلام کو عظیم نقصان سے دوچار کیا، امت کے اتحاد کو برہم کیا، مسلمانوں میں بے جا ہجو و مدح کا سلسلہ قائم کیا، وہاں دونوں مذہبوں کے رئیسوں کو ابھرنے کا بھی موقع دیا ہے حجاز میں امام مالک اور عراق میں ابوحنیفہ کی شہرت کا واحد سبب یہی مذہبی اختلاف تھا، حکومت اپنے سیاسی اغراض کی بنا پر اہل رائے کی ہمنوا تھی امام مالک ابتدائی دور میں سخت معتوب رہے اور معرکہ کارزار انتہائی شدت کرتا رہا لیکن تھوڑے ہی زمانے کے بعد یہ اختلاف "نقش ونگار طاق نسیاں" ہوگیا اور دونوں میں ایسا اتحاد ہوگیا جیسے کسی علمی مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اور خدا کے فضل سے وہ طے ہوگیا، مالک کل تک حکومت کے خلاف فتوی کے جرم میں تازیانے کے اہل تھے اور آج حکومت میں اس عظیم درجہ کے مالک ہیں جسے دیکھ کر بڑے بڑے حکام لرزتے ہیں، کل کا ٹھکرایا ہوا عالم آج کا وہ رئیس ہے جس کے دروازے پر ہر وقت ایک بھیڑ لگی رہتی ہے۔

اس اچانک انقلاب نے تاریخ کے طالب علم کی آنکھیں کھول دی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس اتحاد کا سبب کیا تھا؟ امام مالک اپنے فتوی سے منحرف ہوگئے؟ یا وہ اپنی رائے پر اڑے رہے اور حکومت ان کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوگئی؟ یا کوئی اور سبب ہے جسے مورخ بیان نہیں کرنا چاہتا؟ ظاہر ہے کہ اس کا فیصلہ بھی امام مالک کی زندگانی کے مطالعہ ہی سے کیا جا سکتا ہے اس لئے ہم اسی موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

امام مالک ؒ

ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث بن عثمان بن خثیل بن عمر بن الحارث (ذو اصبح) یمن کے ایک قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے ان کی والدہ عالیہ بنت شریک قبیلہ ازد سے متعلق تھیں اور اس اعتبار سے یہ طرفین سے عربی النسل تھے۔

نسب نامہ کو دیکھنے کے بعد تاریخ ہمارے سامنے دو مشکلیں پیش کرتی ہے۔

۱۔ اکثر اہل سیر نے مالک کے اس نسب سے اختلاف کرتے ہوئے انہیں بنی تیم کے غلاموں میں شمار کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک روایت بھی مسند میں پیش کی ہے جس کے راوی ابن شہاب (مالک کے استاد) ہیں جنہوں نے نافع بن مالک (مالک کے چچا) مولی تیم سے نقل کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مالک غلام تھے اس لئے کہ جب ان کے چچا موالی اور غلاموں میں سے تھے تو وہ کیونکر عربی نژاد ہو سکتے ہیں۔ (الانتقاء ص۱۱)

ابن عبداللہ کا بیان ہے کہ محمد بن اسحاق واقدی نے مالک کے عربی ہونے کا انکار کرتے ہوئے ان کے خاندان کو بنی تیم کا غلام شمار کیا ہے اور اسی لئے مالک نے واقدی کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

ابو سہیل (مالک کے چچا) نے اپنے نسب کی توجیہ یہ کی ہے کہ ہم قبیلۂ ذو اصبح سے تعلق رکھتے ہیں ہمارے جد اعلیٰ نے مدینہ آکر بنی تیم میں شادی کر لی تھی اس لئے ہم انہیں کی طرف منسوب ہو گئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی عرب میں کوئی حیثیت نہ تھی اور اسی لئے ان کا نسب تک واضح نہ ہو سکا کہ یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہو سکتے۔

بعض لوگوں کا دعویٰ ہے مالک بن ابی عامر (مالک کے دادا) یمن کے والی کے مظالم سے عاجز آکر مدینہ بھاگ آئے تھے اور یہاں بنی تیم سے معاہدہ کر لیا

تھا اس لیئے یہ لوگ ان کے غلام کہے جانے لگے ۔

ظاہر ہے کہ یہ بیان پہلے بیان سے مختلف ہے پہلے بیان میں مالک کے چچا کے دادا کے مدینہ آنے کا ذکر تھا اور اس میں خود مالک کے دادا کا ذکر ہے ۔

ابن عبدالبر نے بخاری سے نافع ابن مالک کی روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے عبدالرحمن تیمی نے بیان کیا کہ کیا تمہیں اس میں کوئی شبہہ ہے جو لوگوں کا خیال ہے کہ ہم تم دونوں ایک خاندان سے ہیں اور ہم نے اس کا بالکل انکار کر دیا ہے ۔ (تزیین الممالک سیوطی ص۳) اس روایت کو ربیع بن مالک کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے ۔

بہرحال مالک کے عربی ہونے میں شبہات کی کافی گنجائش پائی جاتی ہے اس لئے کہ باپ عربیت کے ساتھ ماں کی عربیت بھی مشکوک ہے ۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی والدہ شریک بن عبدالرحمن کی صاحبزادی تھیں اس لئے عرب ہیں اور بعض کا بیان ہے کہ ان کی والدہ طلیحہ ہیں جو عبداللہ بن معمر کی کنیز تھیں جیسا کہ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے ۔ (مناقب مالک السیوطی)

۲ ۔ امام مالک کا بطن مادر میں قیام بھی ایک معمہ ہے بعض لوگوں نے یہ مدت دو سال بتائی ہے اور بعض نے تین سال اور بعض نے چار سال ابن سعد نے طبقات کے چھٹے طبقہ میں واقدی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے خود مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حمل تین سال تک طول پکڑ سکتا ہے جیسے کہ میں خود ہوں ۔

ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ خود واقدی نے بھی مالک کی مدت حمل تین سال بتائی ہے ۔ (الانتقاء ص۱۲، مناقب مالک سیوطی ص۶)

حالانکہ یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ طبی تحقیقات کی بنا پر بچہ شکم مادر میں ایک سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا اور عمومی استقراء اور چھان بین کا بھی تقاضا یہ ہے کہ بچہ بطن مادر میں نو مہینے تک رہا کرتا ہے پھر ایک مشکل یہ بھی ہے کہ مالک کے باپ کی تاریخ وفات طے نہیں ہو سکی کہ

اس کی روشنی میں اس مدت کا فیصلہ کیا جا سکے۔ بعض لوگوں کا خیال تو یہ ہے کہ یہ افسانہ مالک کے مریدوں نے ان کی عظمت کو بڑھانے کے لیئے گڑھ دیا ہے اور وہ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا امام ولادت ہی سے عجائب کا مرکز تھا تو بعد کی زندگی میں معجزنما ہونا ہی چاہیئے تھا۔ حالانکہ ایسے عجائب وکرامات سے کنارہ کشی کرنا ہی زیادہ مناسب تھا کہ یہ عظمت میں اضافے کے بجائے انسانی ذہن کو بڑے غلط خیالات کی طرف لے جاتے ہیں۔

ولادت

امام مالک کے بارے میں مدت حمل کی طرح تاریخ ولادت بھی ایک معمہ بنی ہوئی ہے چنانچہ ۹۰ھ، ۹۳ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ اور ۹۶ھ سب ہی کے لیئے ایک ایک قول موجود ہے بلکہ خود اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ مدینہ میں ان کے خاندان کے افراد میں سب سے پہلے کون آباد ہوا تھا بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ بزرگ ابو عامر تھے جو صحابی رسولؐ بھی تھے اور آنحضرتؐ کے ساتھ جنگوں میں شریک بھی ہوئے تھے صرف جنگ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے لیکن حیرت یہ ہے کہ ان کا ذکر اصحاب کی فہرست میں کہیں نہیں ہوا ہے بلکہ ذہبی نے تجدید میں اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ صحابہ کی فہرست سے خارج ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ ابو عامر کا مدینہ سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ سب سے پہلے ان کے صاحبزادے مالک آئے تھے جو صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے جیسا کہ ابو سہیل کی سابقہ روایت میں تصریح ہوئی ہے یہ اور بات ہے کہ مالکیوں کو ابو عامر ہی کو صحابی کہنے اچھا معلوم ہوتا ہے چاہے اس پر کوئی دلیل ہو یا نہ ہو چنانچہ ابن حجر نے اصابہ میں ذہبی کے قول سے اتفاق کیا ہے اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں انہیں قابل ذکر ہی نہیں سمجھا۔

یہی حال مالک کے والد انس کا ہے کہ ان کا ذکر نہ کتب رجال میں ہے اور نہ ان کی کوئی علمی شہرت ہے اس لیئے کہ اگر ان سے ایک روایت بھی

ہوتی تو کم از کم مالک اسے ضرور نقل کرتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ البتہ بعض کتابوں میں ایک روایت مالک، ان کے والد، ان کے دادا کے واسطے سے عمر بن الخطاب سے یہ نقل ہوئی ہے کہ تین چیزیں بدن کو تروتازہ رکھتی ہیں خوشبو، نرم لباس شہد۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت امام مالک کی نہیں ہے ــــ (تزیین الممالک ص۵) خطیب نے بھی اس روایت کو نقل کر کے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور اسے محل اشکال قرار دیا ہے بلکہ یہ تصریح کی ہے کہ اس روایت کو مالک سے صرف یونس نے نقل کیا ہے جسے ابن حبان نے ضعیف قرار دیتے ہوئے یہ جرح کی ہے کہ یہ عجیب وغریب باتوں کا راوی ہے، دارقطنی نے بھی اس روایت کو غریب ٹھہرایا ہے اور یونس کو ضعیف قرار دیا ہے۔!

فائدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام مالک کے والد انس بن مالک صحابی ہیں جن کا ذکر اکثر روایات میں آتا ہے حالانکہ یہ قطعی غلط ہے اور اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ تاریخ میں اس نام کے پانچ اشخاص پائے جاتے ہیں۔

۱۔ انس بن مالک کعبی قشیری جو بصرہ میں رہتے تھے اور پیغمبرؐ سے ایک حدیث کے راوی ہیں۔

۲۔ انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام انصاری مدنی متوفی ۹۳ھ جو پیغمبر علیہ السلام کے خادم تھے۔

۳۔ انس بن مالک حمصی، جن کا ذکر ابوبکر احمد بن محمد بن عیسیٰ بغدادی نے اہل حمص کی تاریخ میں کیا ہے اور جنہیں حدیث میں کوئی دخل نہ تھا۔

۴۔ انس بن مالک کوفی، جنہوں نے عبدالرحمٰن بن الاسود اور حماد بن ابی سلیمان وغیرہ سے چند روایتیں کی ہیں۔

۵۔ انس بن مالک (والد امام مالک) جن کا کوئی ذکر کتب حدیث وتاریخ ورجال

میں نہیں ہے جس سے مالک کی ابتدائی تربیت کا اندازہ کیا جا سکے ممکن ہے کہ وہ مالک کی ولادت سے پہلے ہی مر چکے ہوں جیسا کہ ایک شہرت یہ بھی ہے کہ مالک نے اپنے خاندان کے بعض افراد کے زیر نگرانی تربیت پائی اور ان کا خاندان علم و فضل میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ حالانکہ تاریخ میں صرف نافع بن مالک کا ذکر ہے جو ابوسہیل کی کنیت سے مشہور ہے اور جنہوں نے ابن عمر و انس سے روایت کی ہے اور ان سے مالک بن انس او زہری نے روایت لی ہے۔

رہ گئے مالک کے بھائی نضر بن انس تو انہوں نے اپنے باپ اور ابن عباس سے روایت لی ہے اور ان سے بکر مزنی نے روایت لی ہے بلکہ اس خاندان میں یہ ایک آدمی مشہور تھے امام مالک انہیں کے ساتھ رہتے تھے اور انہیں سے ان کا تعارف ہوتا تھا مختصر یہ ہی ہے کہ امام مالک کے خاندان میں کوئی ایسا علمی ماحول نہ تھا جو انہیں حدیث یا فتویٰ کی طرف متوجہ کر سکتا اس لئے ان کی بیعت کے لئے دوسرے اسباب کا تلاش کرنا ضروری ہوگا۔

"مناقب"

باہمی تنازعات اور مذہبی تعصب کا ایک بھیانک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ اسلام کی ہر بڑی شخصیت غلو اور مبالغہ کے پردے میں پنہاں ہوگئی ہے کہیں موافقت غلو اور کہیں مخالفت میں مبالغہ، نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ کے ایک طالب علم کے کسی شخصیت کے صحیح خدوخال کا تعین کرنا انتہائی دشوار بلکہ محال سا ہوگیا ہے اس سلسلے کی بعض دشواریوں کی طرف امام ابوحنیفہ کے حالات زندگی میں اشارہ کیا بعض کو یہاں واضح کرنا چاہتے ہیں، مبالغہ گوئی کی انتہائی بھیانک شکل یہ ہے کہ امام جو کوفہ کے ایک گھرانے کے غلام خانوادے سے تعلق رکھتے تھے انہیں سا کوفہ کا مالک فرض کر کے پورے شہر کو ان کا غلام بنا دیا گیا ہے۔

(مناقب ابوحنیفہ مکی ۱/۱۴۲)

چوتھی صدی کا شافعی اور حنفی قوم کا جھگڑا اس سے زیادہ خطرناک موڑ پہ پہونچ گیا جہاں ابو حنیفہ کو رسول اللہؐ سے زیادہ عالم تسلیم کیا گیا۔ (تاریخ بغداد ۳۱۱ج۱۳) اور علی بن جریر کے بیان کے مطابق ایک مقدمہ میں ایک فریق نے قول رسولؐ کو پیش کیا تو دوسرے نے یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ مقدمات کے فیصلہ کا علم ابو حنیفہ کو زیادہ تھا، یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں سب سے آگے حنفی حضرات تھے مالکیوں نے اسقدر مبالغہ گوئی سے کام نہیں لیا ہے اور نہ امام مالک کو رسول اکرمؐ سے بڑھانے کی کوشش کی ہے ان حضرات نے صرف چند کرامات اور چند خوابوں پر اکتفا کر لی ہے جن کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ خواب نہ کوئی ثبوت رکھتا ہے اور نہ اسکی تردید کی کوئی ضرورت ہوتی ہے تاہم چند اشارے ملاحظہ ہوں

عالم مدینہ

ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ عنقریب لوگ اونٹ کا جگر چاک کر ڈالیں گے لیکن عالم مدینہ سے بہتر کوئی واقفکار نہ پائیں گے۔ مالکی حضرات نے اس حدیث کو اپنے امام پر منطبق کرتے ہوئے عالم مدینہ سے مالک کو مراد لیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ جیسے مرکز علم و مصدر اسلام میں مالک کے علاوہ کوئی ایسا شخص تھا ہی نہیں جسے عالم کے لقب سے یاد کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ ابن ابی الحوت نے اسنی المطالب میں وضاحت کی ہے کہ ابو حنیفہ کے لئے سراج امت کی روایت باطل اور بے بنیاد ہے بلکہ ہر امام کے لئے جو روایت منسوب کی گئی ہے وہ ضعیف و کمزور اور بے اصل ہے چاہے وہ شافعی کے عالم قریش ہونے کی روایت ہو یا مالک کے عالم مدینہ ہونے کی۔

اس کے علاوہ روایت کے ضعف کے سلسلے میں اور بہت سے اقوال بھی ہیں جن کے تذکرے کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف دو اشاروں پر اکتفا کی جاتی ہے ایک یہ ہے کہ ابو موسی انصاری نے سفیان سے ابن جریج کا یہ قول نقل کیا کہ اس

روایت سے مراد مالک ہیں تو انہوں نے کہا کہ عالم سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہو، ابن عینیہ کا خیال ہے کہ حدیث کا صحیح مصدق عبدالعزیز عمری ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو زبیر نامی شخص ہے جس کے بے اعتبار ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ مدینہ میں مالک کے دور میں ان سے بزرگ علماء بلکہ ان کے اساتذہ تک موجود تھے تو کیا ان کی موجودگی میں عالم مرتبہ سے صرف مالک کو مراد دیا جا سکتا ہے؟ مالک کے ان شیوخ کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ عبدالعزیز عموی

۲۔ زید بن اسلم متوفی سنہ ۱۳۶ھ

۳۔ ابو حازم سلمہ بن دینار متوفی سنہ ۱۴۰ھ

۴۔ صفوان بن سلیم متوفی سنہ ۱۳۲ھ

۵۔ عبدالرحمن بن ابی الزناد متوفی سنہ ۱۷۴ھ

۶۔ عبداللہ بن ذکوان متوفی سنہ ۱۳۱ھ

۷۔ ربیعہ الرائے متوفی سنہ ۱۳۶ھ

۸۔ یحییٰ بن سعید بن قیس متوفی سنہ ۱۴۳ھ

۹۔ ابو الحارث محمد بن عبدالرحمن متوفی سنہ ۱۶۰ھ (یہ مالک سے افضل اور سعید بن المسیب کے مماثل تھے)

۱۰۔ محمد بن مسلم زہری متوفی سنہ ۱۲۴ھ

ان حضرات کے علاوہ بکثرت ارباب علم وفضل تھے جن کا حکومت وقت سے کوئی رابطہ نہ تھا اور اسی لئے ان کی شہرت بھی نہیں ہو سکی ہے اس لئے کہ اس دور میں شہرت کا معیار علم وجہل نہیں تھا بلکہ اس کا دارومدار حکومت کی موافقت یا مخالفت پر تھا جیسا کہ عبداللہ صنعانی نے بیان کیا ہے کہ میں مالک

مالک کے پاس گیا تو انہوں نے ربیعہ کے فضائل بیان کرنا شروع کئے اور بےشمار حدیثیں ان کے حوالے سے ذکر کیں ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ آپ اتنی شہرت کے مالک ہو گئے ہیں اور انہیں یہ درجہ نہیں مل سکا حالانکہ آپ کی بزرگی انہیں کے سبب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک مثقال حکومت دو بوجھ علم سے بہتر ہے۔
(طبقات الفقہاء ابی اسحاق ص۴۲)۔

حکومت وقت مالک پر مہربان تھی منصور سے ان سے تعلقات تھے اس لئے ان کی شہرت لازمی تھی، ان کے تعلقات کا یہ عالم تھا کہ منصور مالک سے کہتا تھا کہ تمام دنیا سے زیادہ عقلمند آپ ہی ہیں آپ کے بیانات کو قرآن کی طرح لکھوا کر تمام دنیا میں نشر کرا دوں گا اور مالک منصور سے فرماتے تھے کہ حضور کتاب و سنت اور آثار گذشتگان کے سب سے بڑے واقفکار ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سند کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہے اور اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو مالک پر اس کا انطباق محالات میں سے ہے!

ابن زمانہ

مالک کے بارے میں عالم مدینہ جیسی متعدد روایتیں گڑھی گئیں ہیں اور گڑھنے والوں نے کبھی اس کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ روایت عقل و نقل کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں! انہیں روایات میں سے ایک روایت شیخ عیسیٰ بن مسعود ساوی کی ہے جو انہوں نے مناقب مالک ص۸ پر بلا کسی مدرک اور حوالے کے نقل کی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ امام صادقؑ کے پاس کوفہ کی ایک جماعت آپ کے مرض الموت کے عالم میں حاضر ہوئی اور آپ سے درخواست کی کہ کوئی ایسا آدمی مقرر فرمائیں جو آپ کے بعد مسائل شریعت میں رجوع کرنے کے قابل ہو آپ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کے قول کو اختیار کرو۔ یہ مسئلے کو اس طرح صاف کر دیگا جسطرح تارکول لوہے کے عیب کو مٹا دیتا ہے گذشتگان کے آثار کا اتباع کرو میں خود بھی اتباع کرنے والا ہوں بدعت کرنے والا نہیں ہوں اہل حجاز کی فقہ کو اختیار کرو ایسے انسان کے قول کو مانو جو مبارک دور آثار رسولؐ کا اتباع کرنے والا ہے میں نے اسکا امتحان کیا ہے اور اسے فقیہ، فاضل متبع

خواہشات سے کترا کے چلنے والا ؛ اصحاب میں صاحبان فضل و کمال سے روایت کرنے والا پایا ہے ۔ اگر تم نے اس کا اتباع کیا تو اسلام میں خوش نصیب ہو گے ورنہ گمراہ اور ہلاک ہو گے اس نے تمام ضروری علوم مجید سے لے رکھیں دیکھو نفس کے چکر میں نہ آنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ، قیامت کے عذاب سے ڈرو اس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد صرف "قلب سلیم ہی کام آسکے گا" میں تمہیں با خبر کر رہا ہوں اور ایک ایسے شخص کی طرف رہنمائی کر رہا ہوں جو اپنے زمانہ کا امین ہے"۔

لوگوں نے عرض کی حضور وہ ہے کون ؟ آپ نے فرمایا" مالک بن انس"۔

اس روایت کے بارے میں یہ فیصلہ تو دشوار ہے کہ اس کے گھڑنے میں کس کس کا ہاتھ تھا البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی اسی مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے جو ہر جماعت کو اپنے امام کے بڑھانے پر مجبور کر رہا تھا اور جس کے زیر اثر بڑے بڑے علماء اسلام کی طرف منسوب کر کے اقوال وضع کیئے جانتے تھے تاکہ اپنے امام کی عظمت میں اضافہ کر سکیں ۔

اس سلسلے کا سب سے پہلا کام ابو حنیفہ کے بارے میں ہوا ہے (جیسا کہ ہم پہلی جلد میں اشارہ بھی کر چکے ہیں) اس کے بعد ہر امام کی شان میں روایتیں وضع ہو تی رہی ہیں اور اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ مالک نے آخر زمانہ میں ایسا طرز عمل اختیار کر لیا تھا جو امام جعفر صادق کے فلسفہ سے بالکل متضاد تھا آپ حکومت وقت سے قطع تعلق چاہتے تھے اور مالک حکومت کے خاص پرستاروں میں تھے ایسے حالات میں امام کی طرف سے ان کا تعین کسی عقل سلیم میں کہاں سما سکتا ہے ! رہ گیا وضع روایات کا سلسلہ تو اس کا میدان وسیع ہے اور اتنا وسیع کہ راویوں نے مالک کی ران پر پیدائشی طور پر "مالک حجۃ اللہ فی ارضہ" نقش کرا دیا اور کمال احتیاط میں یہ بات پیش کر دی کہ وہ تین دن میں ایک مرتبہ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے اور زیادہ اُدھر جانے میں شرم محسوس فرماتے تھے ۔ جبکہ ایسی باتیں عام انسان کے

اقتدار و اختیار سے باہر ہیں ورنہ اگر یہ بھی عام انسان کے اختیار میں ہوتا تو لوگ مستقل طور پر بیت الخلاء کی طرف جانا ترک کر دیتے۔

مالک کی عظمت کے ساتھ ساتھ ایک افسانہ ان کی کتاب کے بارے میں بھی تیار کیا گیا کہ جب لوگوں نے ان کی موطا پر اعتراض کیا تو انہوں نے اسے پانی میں پھینک دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اگر یہ بھیگ گئی تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جو کتاب نکالی گئی تو خشک ہی خشک تھی۔

خواب

خواب ایک ایسا میدان ہے جہاں دیدار کے ہاتھوں کی رسائی نہیں اس لئے اکثر ہوشیار لوگوں کے سادہ ذہنوں کو فریب دینے کے لئے اس حربہ کو استعمال کیا ہے کبھی یہ حربہ کسی شخص کی عظمت و اہمیت کے ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے اور کبھی کسی مسلک کا زور گھٹانے کے لئے، مالکی علماء بھی ان خرافات سے محفوظ نہیں رہ سکے اور انہوں نے بھی اپنے مذہب کی تائید میں متعدد خواب دیکھ ڈالے ہیں جن میں سے بعض کی شکل یہ ہے۔

۱۔ عدوی کا بیان ہے کہ جب ہمارے شیخ الاسلام لقانی کا انتقال ہو گیا تو بعض صالحین نے انہیں خواب میں دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب ملک نے مجھے سوال کے لئے قبر میں اٹھا کر بٹھایا تو امام مالک تشریف لے آئے اور انہوں نے ملک کو دور ہٹا کر فرمایا کہ ایسا آدمی بھی اس قابل ہوتا ہے کہ اس کے ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے؟ (مشارق الانوار عدوی ۲۸۵)

۲۔ امام مالک کی کتاب کا نام "موطا" حضور سرور کائنات نے عالم خواب میں مقرر فرمایا ہے اور ایک مرتبہ حضور سے دریافت کیا گیا کہ مالک اور لیث کے اختلاف میں کس کو زیادہ بہتر سمجھا جائے تو آپ نے فرمایا کہ مالک

میرے جد ابراہیمؑ کے وارث ہیں۔ (مناقب مالک زاوی ص۱۸)

۳۔ ایک شخص نے خواب میں آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد کس سے مسائل دریافت کروں تو آپ نے فرمایا کہ مالک بن انس سے۔

اسی قسم کی ایک روایت اندلس والوں نے مالک کے مرید سحنون کے بارے میں تیار کی ہے کہ عیسی نے عالم رویا میں حضور اکرمؐ کے پیچھے ابوبکر اور ابوبکر کے پیچھے عمر اور عمر کے پیچھے مالک اور مالک کے پیچھے سحنون کو چلتے ہوئے دیکھا ہے جس کے معنی اتباع واقتداء کے ہیں۔

(مناقب مالک زاوی ص۱۷،۱۸)

اس قسم کے متعدد خواب ہیں جن سے مالکی حضرات نے اپنے امام کی عظمت بڑھانے کا ٹھیکہ لیا ہے اور انہوں نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ انسان کی اہمیت ایسے خوابوں سے نہیں بڑھا کرتی عظمت کا فیصلہ تاریخی حقائق سے ہوا کرتا ہے خواب آور روایات سے نہیں، چنانچہ انہیں حقائق کو سامنے لا رہے ہیں۔

اقوال علماء

دیگر علماء و مجتہدین کی طرح مالک کے بارے میں بھی علماء اسلام کے دو گروہ ہیں ایک گروہ مالک کی عظمت کو بڑھانے پر تُلا ہوا ہے جس کے نمونے ابھی ابھی آپ کے سامنے آچکے ہیں اور ایک علمی تنقید کا خوگر ہے جس کے نمونے اب پیش خدمت ہیں۔

شافعی کا بیان ہے کہ لیث مالک سے زیادہ عالم فقہ تھے لیکن اصحاب نے انہیں سہارا نہیں دیا۔ (الرحمۃ الغیثیہ ابن حجر ص۶)

سعید بن ایوب کا کہنا ہے کہ اگر مالک اور لیث ایک مقام پر جمع ہو جائیں تو مالک میں بات کرنے کی جرأت نہ پیدا ہو سکے اور لیث جس بھاؤ چاہیں انہیں بیچ ڈالیں۔ (الرحمۃ الغیثیہ ص۶)

علی بن المدینی نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ مالک اور سفیان کی رائے میں کس کی رائے زیادہ محبوب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ سفیان کی رائے، اس لئے کہ سفیان مالک سے ہر طرح افضل ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۰ ص۱۶۲)

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سفیان میری نظر میں مالک سے ہر اعتبار سے بہتر ہیں (تاریخ بغداد ۱۰ ص۱۶۴)

سفیان ثوری کا کہنا ہے کہ مالک میں قوت حفظ نہ تھی۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ابن ذوہیب نے مالک پر اس قسم کے اعتراضات کئے ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب تھا۔ (جامع فضائل العلم ۲ ص۱۵۹)

ابراہیم بن سعد نے بھی ان پر اعتراضات کئے ہیں بلکہ ان کے لئے بد دعا تک کی ہے اسی طرح عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، ابن ابی یحییٰ، محمد بن اسحاق واقدی ابن ابی الزناد وغیرہ نے بھی اعتراضات کرتے ہوئے ان کے مذہب کو عیب دار ثابت کیا ہے۔

سلمہ بن سلیمان نے ابن مبارک سے کہا کہ آپ نے ابوحنیفہ کی رائے پر تبصرہ کیا اور مالک کی رائے کو نظر انداز کر دیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ کوئی علم نہیں ہے۔ (جامع فضائل العلم ۲ ص۱۵۸)

ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ علماء نے مذہب مالک پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔

عبداللہ بن ادریس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن اسحاق میرے پاس آئے میں نے ان سے مالک کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کا علم لے آؤ میں ابھی اس کی ڈاکٹری کرتا ہوں۔ مالک پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ سفر و حضر میں موزے پر مسح کرنے کے قائل نہیں ہیں اور علی و عثمان کے بارے میں عجیب رائے رکھتے ہیں۔

یحییٰ بن صالح کہتے ہیں کہ ابن اکثم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ آپ مالک کے ساتھ بھی رہے ہیں اور محمد بن الحسن کے ساتھ بھی اس لئے فرمائیے کہ ان دونوں میں زیادہ فقیہ کون تھا؟ میں نے کہا کہ محمد بن الحسن اپنے مسائل میں مالک سے زیادہ فقیہ

تھے۔ (تاریخ بغداد ۲ ص۱۷۵)

ابو محمد بن ابی حاتم نے ابوزرعہ کے واسطے سے یحییٰ بن بکیر سے نقل کیا ہے کہ لیث مالک سے بڑے فقیہ تھے۔ یہ اور بات ہے کہ مالک خوش قسمت تھے۔ (الرحمۃ الغیثیہ)

اس کے علاوہ لیث بن سعد نے مالک کو ایک خط بھی لکھا تھا جس میں ان کے خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "آپ کا خیال ہے کہ رسول اکرمؐ نے زبیر بن عوام کو مال غنیمت میں سے ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔ حالانکہ لوگوں کا بیان ہے کہ حضورؐ نے دو گھوڑوں کے لئے چار حصے دئے تھے اور تیسرے گھوڑے کا حصہ دینے سے منع کر دیا تھا۔ اہل شام، اہل مصر، اہل عراق و اہل افریقہ سب اس حدیث پر متفق ہیں آپ نے کسی معتبر آدمی سے بھی سنا ہے تو پوری امت سے اختلاف کرنے کا حق نہیں رکھتے"۔

احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ابن ذویب سعید بن مسیب سے مشابہ اور مالک سے بہتر تھے یہ اور بات ہے کہ مالک کا علم رجال ان سے زیادہ پختہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ا ص۱۷۶)

دوسرے موقع پر فرمایا کہ ابن ذویب مالک سے زیادہ محتاط اور حق کے نگراں تھے چنانچہ ایک مرتبہ منصور سے گفتگو کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ کے ملک میں ظلم بالکل واضح ہے۔ حالانکہ منصور کی ہیبت و جلالت اور اس کا رعب و داب شہرۂ آفاق تھا اور لوگ اس نام سے لرزتے تھے۔

مالک کے بارے میں علماء اسلام کے اتنے اقوال صرف بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں جس سے مقصد صرف یہ ہے کہ مالک میں ذاتی طور پر کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی بنا پر انہیں اتنی اہمیت حاصل ہو سکتی تو اب سوال یہ ہے کہ دوسرا سبب کیا تھا؟ اسی کی تلاش کے لئے یہ مباحث درج کئے جاتے ہیں۔

"مالک اور خلفاء و حکام"

مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں اس دنیا سے رحلت فرمائی اور اس اعتبار سے ۴۰ سال اموی دور کے اور ۴۶ سال عباسی زمانہ حکومت کے دیکھے، ولادت کے وقت زمام حکومت ولید بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی لیکن اس دور کے حالات کا مرتب کرنا تقریبًا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ مالک اس وقت کسی حیثیت کے مالک نہ تھے اور نہ ان کا گھرانہ کوئی سیاسی یا علمی مرکزیت رکھتا تھا ان کی تاریخ سیاست ۱۳۲ھ یعنی اموی سلطنت کے زوال سے شروع ہوتی ہے۔ اس دور جدید میں بھی سفاح کا زمانہ ان کے تذکرے سے خالی ہے اور درحقیقت ان کی نمود کا زمانہ منصور کی حکومت کا آخری حصہ ہے جب اہل حدیث اور اہل رائے کا اختلاف شباب کی منزلوں میں قدم رکھ چکا تھا۔ اور دونوں مسلک ایک ہوشیار نمائندہ کی تلاش میں تھے۔

مالک کے بارے یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ وہ ابتدائی زمانہ میں حکومت کے غیظ و غضب کا نشانہ رہے ہیں، اور بعد میں ایک صاحب مذہب اور روالی مملکت کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ان کی زندگی کا یہ اختلاف ہر سیرت نگار کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے ذہن کے اعتبار سے وجہیں تلاش بھی کی ہیں۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ مالک متعہ کو حرام سمجھتے تھے اور ابن عباس کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے۔ اس لئے ان کو بغداد بلوایا گیا اور یہی سوال کیا گیا۔ انہوں نے حرمت کا اعلان کیا لوگوں نے ابن عباس کا مسلک جواز پیش کیا انہوں نے جواب دیا کہ قرآن ان کے خلاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ایک بیل پر بٹھا کر گھمایا گیا ان پر غلاظت اچھالی گئی یہاں تک کہ بیچارے غلاظت کو صاف کر کے یہ اعلان کرتے تھے۔ بغداد والو! میں مالک بن انس ہوں میرے ساتھ یہ برتاؤ صرف اس لئے کیا گیا ہے

کہ میں مجبور ہو کر متعہ کو جائز کہہ دوں ۔ (شذرات ۱ ص۲۹)

یہ بات انتہائی بے ربط معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ مالک کی یہ مصیبت درمت مدینہ میں پیش آئی تھی بغداد سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا ۔ پھر اگر سبب متعہ کا حرام کہنا ہی تھا تو سوال یہ ہے کہ کیا مالک اپنے فتوے پر قائم رہے اور حکومت نے اپنا مسلک بدل دیا یا انہوں نے حکومت کی خوشامد میں قرآن کو چھوڑ دیا ؟ مورخین اس مقام پر خاموش ہیں ۔ اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ توجیہات مالک کی اہمیت میں اضافہ کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں ۔

بعض لوگوں کی توجیہ یہ ہے کہ مالک عثمان کو حضرت علیؑ پر ترجیح دیتے تھے اور یہ بات بعض طالبیین کو پسند نہ آئی تھی اس لئے انہیں ایذا پہنچائی گئی تھی ۔ حالانکہ یہ بات پہلے سے بھی بدتر ہے یہ اور بات ہے کہ مالک کا مسلک وہی ہے جو نقل کیا گیا ہے ۔

حقیقت امر یہ ہے کہ مالک کی ان تمام مصیبتوں کا سبب ان کا حکومت وقت سے اختلاف تھا جیسا کہ بعض تاریخوں میں ہے کہ جعفر بن سلیمان کی حکومت میں سنہ ۱۴۶ھ میں مالک کو اسقدر مارا گیا کہ ان کے شانے اکھڑ گئے اور بعض روایات کے مطابق منصور کے دور میں مالک کو یہ تاکید کی گئی کہ "مجبور آدمی کی طلاق صحیح نہیں ہے" کی روایت نہ بیان کیا کریں اور اس کے بعد خفیہ طور پر ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا جس پر انہوں نے یہی حدیث پیش کر دی اور منصور نے مثل سابق سزا دی ۔
(الانتقاء ابن عبداللہ ص۴۴ ، ص۴۳)

چنانچہ ابراہیم بن حماد کا بیان ہے کہ مالک مجلس سے اٹھتے وقت ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے سہارا دیا کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ انہوں نے محمد بن عبداللہ صاحب نفس زکیہ کا بھی ساتھ دیا تھا جو حکومت کی نظر میں دوہرا جرم تھا ۔ لیکن یہ تمام مصائب سنہ ۱۶۶ھ تک باقی رہے ۔ اس کے بعد مالک کے اعزاز و اکرام کا دور شروع ہو گیا ۔

"مالک منصور کے ساتھ"

مالک اور منصور سے متعلق تاریخ میں بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جن میں بعض دونوں کے گہرے تعلقات سے پہلے کے ہیں اور بعض ان تعلقات کے بعد کے، اجمالی خاکہ یہ ہے۔

۱۔ عبداللہ بن طاؤس یمانی جن کا شمار رجال صحاح میں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ مالک کے ساتھ منصور کے پاس گئے، منصور نے کہا کہ اپنے باپ سے کوئی روایت بیان کیجیے، عبداللہ نے کہا کہ میرے باپ نے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جسے پروردگار نے سلطنت دی ہو اور اس نے ظلم و جور سے کام لیا ہو، منصور یہ سن کر دم بخود ہوگیا۔ مالک نے دامن سمیٹ لیا کہ عبداللہ کے خون کی چھینٹیں دامن پر نہ پڑ سکیں لیکن منصور نے صرف دوات طلب کی، عبداللہ نے اس سے بھی انکار کردیا، منصور نے کہا کہ تم نے دوات کیوں نہیں دی۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ کہیں آپ کوئی معصیت نہ لکھ دیں، منصور نے یہ سن کر دونوں کو باہر نکال دیا۔ عبداللہ نے کہا کہ میں تو خود ہی چاہتا تھا۔ چنانچہ مالک کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں ہمیشہ عبداللہ کے فضل کا معترف رہا۔ (شذرات ص۱۸۵)

۲۔ ایک مرتبہ مالک، ابن ابی ذویب اور ابن سمعان منصور کے دربار میں آئے دربار خاص زینت سے جھلک رہا تھا۔ منظر بڑا رعب دار تھا۔ غلام مسلح کھڑے ہوئے تھے، منصور نے ان لوگوں کو دیکھ کر سب سے ایک مشترک سوال کیا۔ میں امام عدل ہوں یا امام جور ہوں؟ مالک نے کہا اے امیر المومنین آپ کو خدا و رسول کا واسطہ مجھے ان باتوں سے معاف رکھیے۔ منصور نے انہیں معاف کرتے ہوئے ابن سمعان کی طرف توجہ کی، ابن سمعان نے جواب دیا کہ بخدا آپ

بہترین انسان ہیں، خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں، دشمن سے جہاد کرتے ہیں، راستوں کی حفاظت کرتے ہیں، کمزور آپ کی حکومت میں محفوظ رہتے ہیں۔ دین آپ سے قائم ہے، امت کا عدل آپ کی ذات سے وابستہ ہے! منصور یہ سن کر ابن ابی ذویب کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے بھی یہی سوال کیا، ابن ابی ذویب نے کہا کہ خدا کی قسم تو میرے نزدیک بدترین انسان ہے، خدا و رسولؐ و ذوی القربیٰ وایتام ومساکین کے مال پر قبضہ کیا ہے۔ کمزوروں کو ہلاک کرتا ہے طاقتوروں کو تھکا دیا ہے۔ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھائے گا؟ منصور نے کہا خبردار ہوش میں آؤ، دیکھو دربار کا کیا رنگ ہے؟ ابن ذویب نے کہا کہ میں تلواروں کو دیکھ رہا ہوں۔ موت میری نظروں کے سامنے ہے اور اس کا جلدی آجانا بہتر بھی ہے۔ یہ کہہ کر دربار سے چل دیئے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص۱۵۳)

مالک منصور کے پاس بیٹھے رہے۔ اور تاریخ کے طالب علم کو اس فکر پر مجبور کر گئے کہ کاش وہ بھی لب کشائی کرتے اور کوئی ایسا بیان دیتے جس میں ابن سمعان جیسی خوشامد اور ضمیر فروشی ہو اور نہ ابن ذویب جیسی صراحت وجرأت۔

امام مالک کے لئے تاریخ نے کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں نقل کیا ہے جہاں آپکی جرأت کا مظاہرہ ہوا ہو جبکہ دیگر علماء کے لئے ایسے واقعات بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مرزوق کا واقعہ ہے کہ منصور حج کے موقع پر طواف کرتے ہوئے مجمع کو دور ہٹا رہا تھا یہ اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور کہنے لگے آپ اس گھر کے حقدار کہاں سے نکل آئے کہ لوگوں کو اس سے الگ ہٹا رہے ہیں؟ منصور نے مڑ کر عبداللہ کو دیکھا اور کہا کہ آپ میں اس اعتراض کی جرأت کیسے پیدا ہو گئی؟ عبداللہ نے بے ساختہ جواب دیا آپ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں آپ کے ہاتھ میں میرا فائدہ ہے نہ نقصان۔ منصور نے کہا کہ تم نے اپنا خون حلال بنا دیا ہے۔ عبداللہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی خدایا اگر منصور کے ہاتھ میں میرا نقصان ہے تو مجھ پر نازل کر دے اور اگر اسکے ہاتھ میں میرے فائدے ہیں تو مجھے محروم کر دے، میں تو تجھے نفع ونقصان کا مالک

سمجھتا ہوں منصور نے یہ سنکر حکم صادر کر دیا اور عبداللہ کو بغداد کے جیل میں بھیج دیا گیا۔

مالک کے بارے میں آننا ضرور کہا جاتا ہے کہ وہ امرا اور حکام کے دربار میں جاکر انہیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ تمام باتیں ان کی وجاہت اور منصور کے دربار میں ان کی قربت کے بعد کی ہوں اس لیے کہ اس کے پہلے انہیں کوئی ایسی جرأت کسی تاریخ نے نہیں نقل کی، چنانچہ منصور کے بارے میں یہ واقعہ ہے کہ اس نے مالک کو ایک خط لکھا جس میں حکام حجاز کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ اگر مدینہ۔ مکہ یا حجاز کے کسی عامل سے آپ کو یا رعیت کو کسی فرد کو کوئی اختلاف ہو تو فوراً اطلاع دیجئے میں اس پر عتاب کروں گا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مالک کا احترام بڑھ گیا، حکام ان سے مرعوب رہنے لگے۔ لوگ ان کے دروازے پر جوق در جوق آنے لگے۔ اور مالک کی ہیبت کا یہ عالم ہو گیا کہ امام شافعی مکہ کے گورنر کا ایک خط مالک کے لئے لے کر آئے۔ اور مدینہ کے گورنر سے کہا کہ آپ اسے پہونچا دیجئے تو اس نے جواب دیا کہ مدینہ سے مکہ تک پیدل چلا جانا آسان ہے لیکن مالک کے دروازے پر جانا مشکل ہے۔ مجھے وہاں ذلت کا احساس ہوتا ہے۔ (معجم الادباء ۱۷، ۲۷۵)

مالک کی اس ساری عظمت و اہمیت کا راز اسی منصور کی توجہ میں پوشیدہ تھا۔

منصور سے تقرب

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور سے مالک کی پہلی ملاقات ۱۵۳ھ میں حج کے موقع پر ہوئی تھی جب منصور امیر موسم تھا اور اس نے مالک کو خط لکھ کر پہلے سے مدعو کر دیا تھا۔ ملاقات کے بعد منصور نے پہلے ان تمام اذیتوں اور اہانتوں کی معذرت کی جو جعفر بن سلیمان کے ہاتھوں پہونچی تھیں اور پھر مالک کو یہ خوشخبری سنائی کہ میں نے اسے گرفتار کرا دیا ہے۔ اور اس کے لیے ہر قسم کی اہانت واذیت کا انتظام کر دیا ہے۔ مالک نے یہ سنکر منصور کو دعائے خیر و عافیت دی اور جعفر کو

بہترین انسان ہیں، خانۂ کعبہ کا حج کرتے ہیں، دشمن سے جہاد کرتے ہیں، راستوں کی حفاظت کرتے ہیں، کمزور آپ کی حکومت میں محفوظ رہتے ہیں۔ دین آپ سے قائم ہے، امت کا عدل آپ کی ذات سے وابستہ ہے! منصور یہ سن کر ابن ابی ذویب کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ ابن ابی ذویب نے کہا کہ خدا کی قسم تو میرے نزدیک بدترین انسان ہے۔ خدا و رسولؐ و ذوی القربیٰ وایتام ومساکین کے مال پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کمزوروں کو ہلاک کرتا ہے۔ طاقتوروں کو تھکا دیا ہے۔ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھائے گا؟ منصور نے کہا خبردار ہوش میں آؤ، دیکھو دربار کا کیا رنگ ہے؟ ابن ذویب نے کہا کہ میں تلواروں کو دیکھ رہا ہوں۔ موت میری نظروں کے سامنے ہے اور اس کا جلدی آجانا بہتر بھی ہے۔ یہ کہہ کر دربار سے چل دیئے۔ (الامامۃ والسیاست ۲ ص۱۵۳)

مالک منصور کے پاس بیٹھے رہے۔ اور تاریخ کے طالب علم کو اس فکر پر مجبور کر گئے کہ کاش وہ بھی لب کشائی کرتے اور کوئی ایسا بیان دیتے جس میں ابن سمعان جیسی خوشامد اور ضمیر فروشی ہو اور نہ ابن ذویب جیسی صراحت و جرأت۔

امام مالک کے لئے تاریخ نے کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں نقل کیا ہے جہاں آپکی جرأت کا مظاہرہ ہوا ہو جبکہ دیگر علماء کے لئے ایسے واقعات بکثرت نقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مرزوق کا واقعہ ہے کہ منصور حج کے موقع پر طواف کرتے ہوئے مجمع کو دور ہٹا رہا تھا یہ اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور کہنے لگے آپ اس گھر کے حقدار کہاں سے نکل آئے کہ لوگوں کو اس سے الگ ہٹا رہے ہیں؟ منصور نے مڑ کر عبداللہ کو دیکھا اور کہا کہ آپ میں اس اعتراض کی جرأت کیسے پیدا ہو گئی؟ عبداللہ نے بے ساختہ جواب دیا آپ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں آپ کے ہاتھ میں میرا فائدہ ہے نہ نقصان منصور نے کہا کہ تم نے اپنا خون حلال بنا دیا ہے۔ عبداللہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے عرض کی خدایا اگر منصور کے ہاتھ میں میرا نقصان ہے تو مجھ پر نازل کر دے اور اگر اسکے ہاتھ میں میرے فائدے ہیں تو مجھے محروم کر دے، میں تو تجھے نفع و نقصان کا مالک

سمجھتا ہوں ۔منصور نے یہ سنکر حکم صادر کر دیا اور عبداللہ کو بغداد کے جیل میں بھیج دیا گیا۔

مالک کے بارے میں اتنا ضرور کہا جاتا ہے کہ وہ امرا اور حکام کے دربار میں جاکر انہیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ تمام باتیں ان کی وجاہت اور منصور کے دربار میں ان کی قربت کے بعد کی ہوں اس لئے کہ اس کے پہلے انہیں کوئی ایسی جرأت کسی تاریخ نے نہیں نقل کی ، چنانچہ منصور کے بارے میں یہ واقعہ ہے کہ اس نے مالک کو ایک خط لکھا جس میں حکام حجاز کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ اگر مدینہ ۔مکہ یا حجاز کے کسی عامل سے آپ کو یا رعیت کو کسی فرد کو کوئی اختلاف ہو تو فوراً اطلاع دیجئے میں اس پر عتاب کروں گا ۔جس کا اثر یہ ہوا کہ مالک کا احترام بڑھ گیا ، حکام ان سے مرعوب رہنے لگے ۔لوگ ان کے دروازے پر جوق در جوق آنے لگے ۔اور مالک کی ہیبت کا یہ عالم ہو گیا کہ امام شافعی مکہ کے گورنر کا ایک خط مالک کے لئے لے کر آئے ۔اور مدینہ کے گورنر سے کہا کہ آپ اسے پہونچا دیجئے تو اس نے جواب دیا کہ مدینہ سے مکہ تک پیدل چلا جانا آسان ہے لیکن مالک کے دروازے پر جانا مشکل ہے ۔مجھے وہاں ذلت کا احساس ہوتا ہے ۔(معجم الادباء ۱۷؍۲۷۵)

مالک کی اس ساری عظمت و اہمیت کا راز اسی منصور کی توجہ میں پوشیدہ تھا۔

منصور سے تقرب

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور سے مالک کی پہلی ملاقات ۱۵۳ھ میں حج کے موقع پر ہوئی تھی جب منصور امیر موسم تھا اور اس نے مالک کو خط لکھ کر پہلے سے مدعو کر دیا تھا ۔ملاقات کے بعد منصور نے پہلے ان تمام اذیتوں اور اہانتوں کی معذرت کی جو جعفر بن سلیمان کے ہاتھوں پہونچی تھیں اور پھر مالک کو یہ خوشخبری سنائی کہ میں نے اسے گرفتار کرا دیا ہے ۔اور اس کے لئے ہر قسم کی اہانت و اذیت کا انتظام کر دیا ہے ۔ مالک نے یہ سنکر منصور کو دعائے خیر و عافیت دی اور جعفر کو

معاف کر دیتے کا مطالبہ کر دیا۔ منصور نے حکم دیا کہ اب آپ ایک ایسی کتاب تالیف کریں جس پر تمام مملکت میں عمل ہو اور اسی بنیاد پر فتوے دیئے جائیں مالک نے معذرت کی کہ عراق والے میری کتاب پر عمل نہ کریں گے، منصور نے کہا کہ تلوار میرے ہاتھ میں ہے، عمل نہ کریں گے تو گردن اڑا دوں گا۔ اور یہ کہہ کر ہزار دینار سرخ بے شمار قیمتی کپڑوں کا حکم مالک کے لیئے دے دیا اور ہزار دینار سرخ کا حکم ان کے بیٹے کے لیئے اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ آئندہ سال مہدی حج کے لیئے آئے گا اس وقت تک کتاب تیار رہنی چاہیئے۔ (الامامۃ السیاسۃ ۲ ص۱۹۵)

منصور نے مالک سے تقاضا کیا کہ آپ بغداد تشریف لے چلیں مالک نے عرض کی کہ اگر یہ امیرالمومنینؑ کا حکم ہے تو ضرور تعمیل کروں گا ورنہ رسول اکرمؐ کی حدیث ہے کہ مدینہ بہر حال لوگوں کے لیئے بہتر ہے، منصور نے جواب دیا کہ میں آپ پر جبر نہیں کر سکتا اور پھر ایک ایک ہزار دینار کی تین تھیلیاں بھی عطا کیں۔ مالک چلے گئے تو منصور کے فرزند نے باپ سے کہا کہ آپ رعایا کے ایک شخص کو اتنی اہمیت دیتے ہیں اور اس جگہ پر بٹھاتے ہیں؟ منصور نے کہا کہ اس وقت روئے زمین پر مالک اور سفیان ثوری کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس سے حیا کی جائے۔ (مناقب مالک زاوی ص۲۵)

ایک مرتبہ منصور نے ایک تنہائی میں مالک سے دریافت کیا کہ آپ صحابہ کرام میں صرف ابن عمر سے کیوں روایت کرتے ہیں؟ مالک نے جواب دیا کہ اصحاب رسولؐ میں یہ سب کے بعد تک زندہ رہے اس لیئے مسائل شریعت کو انہیں سے حاصل کیا گیا منصور نے کہا کہ یقیناً آپ کا خیال درست ہے لیکن خبردار علیؑ اور ابن عباس سے روایت نہ کرنا۔ (میرا خیال یہ ہے کہ روایت میں ابن عباس کا نام زیب داستان کے لیئے بڑھایا گیا ہے تاکہ منصور کا تعصب آشکار نہ ہو سکے ورنہ منصور کی بات ناممکن تھی اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا علم حصول سلطنت سے پہلے تک بنی عباس کا سرمایہ امتیاز تھا اور آج سلطنت پانے کے بعد ان سے روایت ایک ناجائز کام ہو گیا۔)

بہر حال منصور کی یہی توجہات تھیں جن سے مالک کی شخصیت مرکز نظر بن گئی تھی اور ان کی ہیبت وجلالت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی۔ ورنہ مالک میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی بنیاد پر انہیں باقی علماء مدینہ پر مقدم کر کے انہیں فتووں کا مرکز بنا دیا جاتا۔ خود مالک بھی اپنے بارے میں اس شخصیت وعظمت کا تصور نہ رکھتے تھے جو منصور کی طرف سے ظاہر کی جا رہی تھی۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے۔ کہ ایک مرتبہ منصور نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ روئے زمین پر آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا کہ کون؟ ۔ میں نے کہا کہ مجھے ان سب کے نام یاد نہیں ہیں۔ منصور نے کہا کہ یہ علم آپ نے بنی امیہ کے زمانے میں حاصل کیا ہے اور آپ اس سے باخبر بھی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ مالک کو اپنے سے بڑے عالم کا اعتراف بھی تھا اور وہ اس سے باخبر بھی تھے لیکن مصالح کے تحت اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اکثر اوقات تو ایسا ہوتا تھا کہ وہ مسائل شرعیہ کے جواب میں لاعلمی کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عراقی شخص نے آپ سے چالیس مسائل دریافت کیے تو آپ نے ۳۵ سے لاعلمی ظاہر کی اور صرف پانچ کا جواب دیا۔ مالک اس بات سے بھی ناراض تھے کہ مصر والے خرید وفروخت کے احکام سے واقف ہیں اور مجھے ان کی اطلاع نہیں ہے بلکہ بعض مالکی علماء نے اس لاعلمی سے حیرت کا بھی اظہار کیا ہے جیسا کہ محمد بن عبد الحکم متوفی ۲۶۸ھ کہا کرتے تھے کہ مجھے اس بات پر انتہائی حیرت ہے کہ اکثر مسائل میں لاعلمی کا اظہار کرنے والا امام شافعی کی رد میں کتاب کیونکر تالیف کرتا ہے۔

خود ہیثم بن جمیل کا کہنا تھا کہ میں امام مالک کے پاس حاضر تھا ایک شخص نے آکر ان سے ایک سوال کیا اور انہوں نے یہ کہہ دیا کہ مجھے صحیح جواب معلوم نہیں ہے اس پر اس نے یہ سوال اٹھایا کہ میں اپنے شہر میں جا کر کیا جواب دوں گا؟ تو انہوں نے جواب فرمایا کہ یہی اعلان کر دینا کہ مالک کو صحیح جواب نہیں معلوم تھا۔

منصور کے دور حکومت میں مالک کو ایسی عظمت حاصل ہو گئی تھی کہ لوگ ان کے گرد جمع

رہتے تھے اور ان کی مخالفت کو باعث گردن زدنی سمجھتے تھے۔ منصور کے بعد مہدی کا دور آیا تو مالک کی عظمت اور دوبالا ہو گئی اس نے ان سے ایک کتاب تالیف کرائی جس پر عمل کرنا فریضہ قرار دیدیا، وقتاً فوقتاً اپنی تحائف بھیجنا شروع کیئے لوگوں میں ان کی عظمت کا اعلان کر دیا۔ ایک مرتبہ اس نے مالک سے درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحتیں فرمائیں؟ مالک نے فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو۔ رسول اکرمؐ کے شہر والوں اور ہمسایوں پر رحم کرو، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مدینہ محل ہجرت ہے یہیں میری قبر بنے گی اور یہیں سے میں محشور ہوں گا۔ اس کے ساکن میرے ہمسایہ ہیں۔ میری امت کا فرض ہے کہ میرے ہمسایوں کا خیال رکھے جو ان کا تحفظ کرے گا میں اس کا گواہ بنوں گا اور قیامت میں اس کی شفاعت کروں گا"۔

اس وصیت کا اثر یہ ہوا کہ مہدی نے بکثرت جائزے دیئے۔ اور مدینہ کے گھر گھر کا چکر لگانا شروع کر دیا اور جب وہاں سے سفر کا ارادہ کیا اور مالک رخصت کرنے آئے تو ان سے کہا کہ میں آپ کی وصیت و حدیث کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

رشید نے بھی اپنے دور میں مہدی ہی کی سیرت اختیار کی اور مالک کے احترام کو برقرار رکھا مدینہ آیا تو بنفس نفیس مالک کے دروازے پر گیا مالک نے بھی اسے اپنی مسند پر بٹھایا اور مزید خوش کرنے کے لئے فرمایا کہ اب تو سارا ملک اللہ کے سامنے سر جھکانے کا شوق رکھتا ہے، یہ سننا تھا کہ رشید مسند سے اٹھکر مالک کے سامنے بیٹھ گیا اور یہ واضح کر دیا کہ ہم علم کے پرستار اور امام کے قول کے تابع ہیں۔

مالک کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی تفصیل طلب ہے جس کا ذکر کرنا موضوع سے کسی حد تک اختلاف بھی رکھتا ہے اس لئے مختصر طور پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سلطنت سے الگ رہنے کے زمانے میں مالک کی زندگی انتہائی گمنامی اور گوشہ نشینی کی تھی اور حکومت سے متعلق ہونے کے بعد انہیں ایک عظیم شہرت و شخصیت حاصل ہو گئی تھی۔ بادشاہ کے ہمسفر رہتے تھے، رکن اسلام ہو گئے تھے، صاحب مملکت تھے منصور کا کوئی کام مالک کے بغیر انجام نہیں پاتا تھا، دلوں میں ان کی ہیبت تھی۔ تلامذہ لرزتے

تھے۔ لوگ حاضر ہو کر سلام کیا کرتے تھے اور وہ اشاروں سے جواب دیدیا کرتے تھے۔ جلالت و ہیبت کی بنا پر گفتگو کرنا دشوار نہ تھی، سوال و جواب ایک فعل ممنوع بن چکا تھا۔ سر پہ حبشی لوگ دست بستہ کھڑے رہتے تھے اور مالک کے ایک اشارے پر بڑے سے بڑے آدمی کو نکال دیا جاتا تھا۔ (مناقب مالک زادوی۔ انتقاء ابن عبدالبر)۔

دروازے پہ دربانوں کے پہرے تھے، لوگوں کا داخلہ ممنوع تھا اور بقول ابو مصعب دروازے پر اژدہام کی بنا پر جھگڑے بھی ہو جایا کرتے تھے، دربار میں پہونچکر ایک دوسرے سے گفتگو نہ کر سکتا تھا۔ سلاطینِ وقت دم بخود رہتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے فتوی کے مقابلے میں یہ دریافت کر سکے کہ اس فتوے کا مدرک کیا ہے؟ اس کے علاوہ ایک حاکمانہ شان یہ تھی کہ جسے چاہیں جیل بھجوا دیں جس کی چاہیں ہر مت کرا دیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے مالک کے سامنے یہ کہدیا کہ کیا حضور سرور کائنات نے بال اور ناخن کے دفن کرنے کا حکم نہیں دیا تو اس پہ انہوں نے اس کی مرمت اور قید کا حکم سنا دیا لوگوں نے سفارش کی کہ یہ شخص ناواقف ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے پیغمبرؐ کا حوالہ دیا ہے اور حضور کا ارشاد ہے کہ میری طرف غلط نسبت دینے والا جہنمی ہے۔

مالک کا یہ دستور تھا کہ رسول اکرمؐ کی کسی حدیث کے نقل کرنے والے کو اس وقت تک قید میں رکھتے تھے جب تک آپ کی نظر میں حدیث کی صحت ثابت نہ ہو جائے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کسی شخص میں حدیث بیان کرنے کی جرأت نہ تھی، علمائے حدیث تک آپ کی زندگی میں حدیث بیان کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور انہیں آپ کے بعد ہی زبان کھولنے کا موقع مل سکا۔

ہشام بن الغاری نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے پچیس کوڑے کا حکم صادر کر دیا اور بعد میں از راہ شفقت حدیث بھی بیان کر دی۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ قرآن کو مخلوق کہنے والے کے بارے میں

آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تو کافر اور واجب القتل ہے اس نے عرض کی کہ میں ایک مسئلہ دریافت کر رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ میں نے اس سے پہلے یہ بات کسی سے نہیں سنی لہذا یہ تیرا ہی خیال ہے۔ (مناقب مالک الزاوی ص۳۵ تزئین الممالک السیوطی ص۱۴)۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ حکومت وقت آپ کا اس قدر احترام کیوں کرتی تھی اور آپ اس کی نظر میں اس قدر باوقار شخصیت کے مالک کیوں تھے؟ ایسے حالات میں تو کوئی تعجب نہیں ہے کہ لوگ آپ کی شان میں کتابیں لکھیں روایتیں وضع کریں۔ خواب دیکھیں کوئی یہ کہے کہ میں نے رسول اکرمؐ کو حضرت ابوبکر پر تکیہ کئے ہوئے آتے دیکھا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں تو حضور نے فرمایا مالک کے پاس گیا تھا ان کے لئے صراط مستقیم قائم کر کے آ رہا ہوں (تزئین الممالک السیوطی ص۱۴)

کوئی مسجد میں آ کر یہ دریافت کرے کہ آپ لوگوں میں مالک بن انس کون ہے؟ اور جب کوئی بتا دے تو ان کو سلام کر کے اس کی پیشانی کا بوسہ دے گا گلے لگائے اور یہ کہے کہ میں نے کل شب میں اسی جگہ رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مالک نامی شخص کو طلب کیا تو وہ کانپتے ہوئے حضور کے پاس حاضر ہوئے آپ نے انہیں ابو عبداللہ کہہ کر تسکین دی اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آپ نے ان کی گودی کو مشک سے بھر دیا اور فرمایا کہ اسے میری امت میں نشر کر دو۔ امام مالک یہ سنکر رو ئے اور فرمایا کہ یہ خواب انتہائی فرحت بخش ہے اور اگر یہ سچا ہے تو اس مشک سے مراد یہ علم ہے جو پروردگار نے میرے سینے میں ودیعت کیا ہے (مناقب مالک الزاوی ص۱۷)

اس قسم کے متعدد واقعات اور بھی ہیں جن سے مالک کی اہلیت و استعداد کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جن کا مطالعہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ مالک کے بارے میں کس قدر غلو اور مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

مالکؒ

شیوخ و تلامذہ

علم و منزلت

زمانہ و حوادث

درحقیقت مالک کا زمانہ ارباب فکر کا زمانہ تھا، صاحبان حدیث کا شہر تھا مدینہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا، لوگ اطراف ممالک سے استفادہ کی کی غرض سے آتے تھے۔ حدیث کا چرچا تھا، قیاس ورائے کی مخالفت کا زور بندھا ہوا تھا۔ حدیث ورائے کے اختلافات نزاع و مخاصمت کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ خود امام جعفر صادقؑ کے مدرسۂ فکر بھی انتہائی آباد تھا۔ اہلبیت سے اتصال کے امکانات روشن تھے۔ اور لوگ امام صادقؑ سے مسلسل استفادہ کر رہے تھے۔

مالک بن انس خود بھی اسی مدرسہ کے ایک طالب علم تھے اور امام صادقؑ ان کے اساتذہ میں سب سے اہم درجہ کے مالک تھے۔ عامر بن عبداللہ بن الزبیر۔ نسید بن اسلم سعید المقبری۔ ابو حازم۔ صفوان بن سلیم۔ صالح بن کیسان۔ اسمٰعیل بن حکیم اور حمید بن قیس مکی بھی مالک کے استاد تھے لیکن اس درجہ کے نہیں تھے۔ چند افراد ایسے ضرور تھے۔ جن کے ساتھ مالک صبح و شام رہا کرتے تھے جیسے ابن ہرمز۔ نافع ابن شہاب زہری ربیعہ بن عبدالرحمٰن۔ ابوالزناد وغیرہ جن کے مختصر حالات یہ ہیں۔

ابن ہرمز: ابن ہرمز کا اطلاق دو افراد پر ہوتا ہے۔ ایک عبدالرحمٰن بن ہرمز

جن کا لقب عرج اور کنیت ابو داؤد تھی جو قاری اور محدث تھے اور ۱۱۷ھ میں انتقال کر گئے۔ دوسرے عبداللہ بن یزید بن ہرمز جن کی کنیت ابو بکر تھی اور جن کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا۔

اول الذکر نے ابوہریرہ۔ معاویہ اور ابوسعید سے روایت بھی لی ہے اور ان سے زہری۔ ابوالزبیر۔ ابوالزناد نے روایت لی ہے جسے اصحاب صحاح ستہ نے درج بھی کیا ہے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ مالک ان دونوں میں کس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ بعض محققین نے اول الذکر کی تعین کی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ دوسرا ہی صحیح ہو اس لیے کہ مالک کی ولادت ۹۵ھ کے قریب ہوئی ہے اور اس حساب سے ان کا سن استاد کے انتقال کے وقت صرف ۱۹ سال نکلا ہوگا جس وقت تک مالک نے باقاعدہ علم حدیث شروع نہ کیا تھا اس لیے انہیں کسی استاد کا ساتھی کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ علاوہ اس کے کہ اول الذکر کا انتقال اسکندریہ میں ہوا ہے اور یہ ممکن ہے کہ وہ انتقال سے کچھ عرصہ قبل ہی اسکندریہ چلے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں مالک کا سن اور بھی کم ہو جائے گا۔

نافع: یہ ابن عمر کے غلام تھے ۱۱۷ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال کیا ہے، عبداللہ بن عمر، ابی لبابہ۔ ابی ہریرہ، عائشہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کے دو فرزند۔ ابن جریج۔ مالک نے روایت لی ہے۔ نافع کا شمار فقہائے مدینہ میں ہوتا ہے اور علماء حدیث نافع و ابن عمر کی روایت کو انتہائی معتبر سمجھتے ہیں۔ صحاح ستہ کے رجال میں شمار ہوتے ہیں، مالک نے ان سے ابن عمر کی فقہ سیکھی ہے۔

الزہری: محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب نام تھا ۱۲۴ھ میں انتقال کیا ہے بنی امیہ کے یہاں بڑے مقرب تھے یزید بن عبدالملک کی طرف سے قاضی تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اعلم سنت قرار دیا تھا۔ مالک کی روایت کی بنا پر

سب سے پہلے احادیث پیغمبرؐ کی تدوین کی ہے ۔ یہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے شاگرد تھے ۔ امام زین العابدینؑ نے اپنے ایک خط میں انہیں حکام وقت سے ہوشیار رہنے کی نصیحت بھی کی تھی جس کے بعض کلمات یہ ہیں ۔

"خدا ہمیں اور تمہیں فتنوں سے محفوظ رکھے ، جہنم سے بچائے ، اب تم اس حالت میں ہو کہ ہر شخص کو تمہارے اوپر رحم کرنا چاہیئے ۔ اللہ کی نعمتوں کا بار تمہارے سر پر ہے جسم صحیح و سالم ، عمر طولانی ، علم و فقہ و حدیث سے محبت تمام ۔ دیکھنا یہ ہے کہ کل روز محشر ان نعمتوں کا کیا حساب دیتے ہو ؟ یاد رکھو کہ خدا عذر کو قبول نہ کرے گا تقصیر سے راضی نہ ہوگا اس نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ اس کے علوم کو بیان کریں اور انہیں مخفی نہ رکھیں"

یاد رکھو علم خدا کو چھپانے کی کم از کم منزل یہ ہے کہ تمہیں اب ظالم سے وحشت کے بجائے انس ہونے لگا ہے اور تمہارے قرب سے اس کے لئے گمراہی کے راستے اور بھی آسان ہو گئے ہیں تم اس کی آواز پر لبیک کہتے ہو ۔ مجھے یہ خوف ہے کہ کل تمہارا شمار خائنوں میں ہو ۔ اور تم سے اعانت ظالم کا حساب کیا جائے تم نے غیر حق کو لے لیا ہے اور اس سے قریب ہو گئے ہو جو کسی کے حق کو واپس نہیں کرتا اور تم اس کے باطل کو نہیں رد کر سکتے ، دشمن خدا کو دوست بنایا ہے ، کیا اس کے مدعو کرنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ تمہیں اپنے مظالم کی چکی کا مرکز بنانا چاہتا ہے اور تمہیں پل بنا کر اپنے مظالم و ضلالت تک پہونچنا چاہتا ہے ۔ تمہارے ذریعے سے علماء کو مشکوک بنایا جاتا ہے ، جہلاء کے دل کھینچے جاتے ہیں گویا ان لوگوں نے تم سے لیا زیادہ ہے اور تمہیں دیا بہت کم ہے ۔ تمہارے لئے آباد کم کیا ہے اور برباد زیادہ کیا ہے ، اپنے نفس پر خود نظر رکھو کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں ہے ایک مسئول کی طرح اپنے نفس کا حساب رکھو ۔ یہ دیکھو کہ تم نے اپنے محسن کی مختلف نعمتوں کا کیونکر شکریہ ادا کیا ہے جس نے بچپنے سے آج تک تمہیں نعمتیں دی ہیں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا شمار اس آیت کے ذیل میں نہ ہو ۔ ایک نسل ایسی آئی جس نے

خواہشات کا اتباع کر کے نمازوں کو برباد کر دیا۔" (تحف العقول)

حضرت کے خط کے یہ کلمات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ دشمنانِ دین کے مقابلے میں آلِ محمدؐ کی سیاست ہمیشہ قطع تعلق اور ترکِ موالات ہی رہی ہے ان حضرات کا مقصد صرف یہ تھا کہ حکومت ہمارے تعلقات کو اپنے مظالم کی توجیہ نہ بنا سکے اور ہماری بے تعلقی کا احساس کر کے عدل و انصاف کی طرف راغب ہو عدل ہی میں آبادیٔ ملک اور عدل ہی میں راحتِ عباد ہے۔

ابوالزناد: بنی امیہ کے غلام عبداللہ بن ذکوان مدنی جن کا انتقال ۱۳۰ھ میں ہوا ابن عمر سے بلا ذکرِ واسطہ روایت کی ہے اور اعرج سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں۔ لیث کا کہنا ہے کہ میں نے ابوالزناد کے پیچھے تین سو طلبہ کو دیکھا ہے، یہ بنی امیہ کے غلام تھے لیکن مرتبہ اتنا بڑھایا گیا کہ والیٔ امور ہو گئے۔ مالک نے ان سے تھوڑے سے علوم حاصل کئے ہیں اور زیادہ حصہ ابن ہرمز اور زہری سے لیا ہے

ربیعۃ الرائے: ربیعہ بن عبدالرحمٰن بن فروخ، آلِ منکدر کے غلاموں میں تھے ۱۳۶ھ میں ہاشمیہ میں انتقال کیا۔ مالک نے ربیعہ سے اس وقت استفادہ کیا ہے جب وہ بچے تھے اور ان کی والدہ نے انہیں اسکول بھیجنا شروع کیا تھا۔

تلامذہ

امام مالک کے بارے میں لکھنے والوں نے ان کے شاگردوں کی تعداد اس قدر بتائی ہے کہ ان میں [illegible] سے زیادہ مشہور اور زمانہ کے لحاظ سے ان سے متقدم بلکہ ان کے شیوخ تک [illegible] امام [illegible] ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیخ کا اپنے شاگرد [illegible] بیت [illegible] غیر [illegible] ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب [illegible] بہت [illegible] کو [illegible] کر دیا [illegible] ہے [illegible]

قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ تابعین میں محمد بن مسلم زہری نے بھی مالک سے روایت کی ہے ابن عبد البر نے اس بیان کی تردید کی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابو حنیفہ بھی مالک کے شاگرد تھے جس کا شاہد اشہب کا یہ بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہ کو مالک کے سامنے اس طرح بیٹھے دیکھا ہے جیسے بچہ باپ کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن شاہین اور دار قطنی نے مالک کے غائب ہیں حماد بن ابو حنیفہ کے واسطے سے مالک سے روایت کی ہے کہ "ناکتخدا لڑکی اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔ خطیب بغداد نے ابو حنیفہ۔ مالک کے واسطے سے دوسری روایت درج کی ہے۔ لیکن پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کا راوی حماد بن ابی حنیفہ ہے اس میں ابو حنیفہ کے واسطہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسری روایت کا جواب یہ ہے کہ ابن ابی ابو حنیفہ نے عبد الملک سے نقل کیا ہے جسے غلطی سے مالک سے سمجھ لیا گیا ہے۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ابو حنیفہ کا مالک سے روایت کرنا ثابت نہیں ہے اور حقیقتاً یہی صحیح بھی ہے اس لئے کہ ابو حنیفہ مالک سے ۱۰ برس بڑے تھے اور ان سے تیس سال پہلے دنیا سے اٹھ گئے تھے مالک کی اس دور میں کوئی شہرت بھی نہ تھی ان کی شاگردی کا کوئی سوال پیدا ہو۔ مالک کے واقعی شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

عبد اللہ بن وہب بن مسلم البربری مصری متوفی ۱۹۷ھ

۱۔ ابن وہب: انہوں نے یونس بن یزید۔ اسامہ لیثی۔ مالک، ثوری سے روایت کی ہے ۱۴۸ھ میں مالک کے پاس پہونچے اور ان کے آخری دم تک ان کے ساتھ رہے۔ اصحاب مالک میں سب سے زیادہ قابل تھے لیکن ضعیف راویوں سے روایت کیا کرتے تھے، مالک ان کا احترام کرتے تھے ہر شاگرد کو ڈانٹ دیا کرتے تھے لیکن ابن وہب اس سزا سے مستثنیٰ تھے۔ انہوں نے مصر اور مغرب میں فقہ مالک کو نشر کیا ہے۔

۲۔ ابن القاسم: عبد الرحمن بن القاسم العتکی متوفی ۱۹۱ھ۔ انہوں نے مالک۔

لیث۔ ابن الماجشون ، مسلم بن خالد وغیرہ سے روایت کی ہے ابن وہب کے چند سال بعد مالک کے پاس پہونچے اور عرصہ تک ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ مالک کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مستند مانے گئے، اکثر فتاویٰ میں استاد سے اختلاف بھی چاہے اور بقول ابن عبدالبر ان پر فقاہت کے باوجود رائے کا غلبہ تھا، مالک بادشاہ سے قریب تھے لیکن یہ ہمیشہ الگ رہتے تھے بلکہ بادشاہ کے قرب کو بے فیض سمجھتے تھے۔

۳۔ اشہب: ابو عمرو اشہب بن عبدالعزیز القیسی العامری متوفی ۲۰۴ھ جو ابن القاسم کے بعد مصر کے رئیس بنے، مالک کے ساتھ رہے ان سے علم فقہ حاصل کیا ایک کتاب مرتب کی۔ شافعی کے اسقدر مخالف تھے کہ ان کے لیے دعائے موت تک کیا کرتے تھے۔ شافعی کے چند روز کے بعد خود بھی انتقال کر گئے۔

۴۔ عبداللہ بن الحکم: عثمان بن عفان کے غلام تھے اشہب کے بعد رئیس بنے اور ۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔

۵۔ ابن الفرات: اسد بن الفرات بن سنان متوفی ۲۱۳ھ خراسان سے تعلق رکھتے تھے۔ حران میں پیدا ہوئے۔ مالک کے پاس آکر موطا پڑھی۔ عراق جاکر ابو یوسف سے ملے محمد بن الحسن ، اسد بن عمرو اور دیگر اصحاب ابوحنیفہ سے ملاقات کی، ابو یوسف کو موطا سنائی۔ قیروان کے قاضی بنے۔ ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کیا اور مالکی مسلک پر کتاب تالیف کی۔

۶۔ اللیثی: یحییٰ ابن یحییٰ بن کثیر اللیثی المتوفی ۲۳۴ھ یہ اصلاً بربر کے تھے ان کے دادا۔ یزید بن عامر کے ہاتھ پر ایمان لائے اس لیے لیثیوں کے غلاموں میں شمار ہونے لگے انھوں نے یحییٰ بن مالک بن مالک بن انس راوی موطا اور لیث بن سعد وغیرہ سے حدیث سنی ابن وہب وغیرہ سے فقہ

حاصل کی اندلس کے رئیس تھے اور انہیں کی وجہ سے مذہب مالک کی شہرت ہوئی۔ ابن حزم کا کہنا ہے کہ دو مذہب ابتداء میں سلطنت و ریاست کے زور پہ چلے۔ ایک مذہب حنفی جو ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہوتے سے چلا جن کا طریقہ یہ تھا کہ صرف اپنے اصحاب کو قاضی بنایا کرتے تھے اور مشرق اقصیٰ سے افریقہ تک یہ جال پھیلا دیا تھا۔ دوسرا مذہب مالکی جو اندلس میں یحییٰ بن یحییٰ کے شاہی تقرب کی بنا پہ آگے بڑھا بادشاہ ان کی رائے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ قاضی انہیں کے مشورے سے بنا کرتے تھے اور صرف مالکیوں کے بارے میں مشورہ دیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عوام تو غرض کے بندے ہوتے ہی ہیں۔ انہیں جدھر فائدہ نظر آیا اسی طرف جھک گئے۔
(نفح الطیب ج ۶ ص ۲)

اندلس میں دخول اسلام سے لے کر اس وقت تک لیثی کے برابر کی اہمیت کسی شخص کو نہیں حاصل ہوئی حد یہ ہے کہ انہیں مستجاب الدعوات سمجھ کر قرطبہ میں ان کی قبر سے بارش کی امیدیں وابستہ کی جاتی تھیں۔ (نفح الطیب ۶ ص ۲۳)

عبدالملک بن عبدالعزیز بن الماجشون مولی بنی تیم متوفی سنہ ۲۱۲ھ

۷۔ ابن الماجشون: ان کے والد مالک کے ساتھی تھے بلکہ بعض لوگوں کے خیال کی بنا پر موطا انہیں نے لکھی تھی اپنے دور کے مفتیٔ دوراں تھے اپنے باپ اور مالک سے علم فقہ حاصل کیا۔ اور بقول یحییٰ بن اکثم اتنے بڑے عالم بن گئے کہ ان کے دریائے علم میں کسی کمی کا امکان نہ رہ گیا۔ ابن حبیب نے ان کی بے حد تعریف کی ہے، احمد بن سعدل۔ ابن حبیب، سحنون وغیرہ نے ان سے علم فقہ حاصل کیا ہے یہ گانے کے بڑے شوقین تھے۔

یہی سب تھے مالک کے وہ عظیم شاگرد جن کی وجہ سے ان کے مذہب کو رواج حاصل ہوا ورنہ ان سے علاوہ اور شاگرد تو صرف شاگرد ہی تھے بلکہ سیوطی کی نقل کردہ فہرست کا ہنا یہ تو اکثر ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے مالک سے صرف روایت کی ہے۔

مالکی کتابیں

فقہ مالک کے دریافت کرنے کے لئے دو راستے ہیں ایک ان کی کتاب "موطا" ہے جسے ان کے اکثر شاگردوں نے نقل کیا ہے اور جن کے روایات کی تعداد تیس تک پہونچی ہوئی ہے (الزرقانی اصطلاحی) اس کتاب میں کمی و زیادتی کے اعتبار سے بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں اس کا مشہور ترین نسخہ وہی ہے جسے یحییٰ بن یحییٰ اللیثی نے نقل کیا ہے اور جو مصر میں چھپا ہے، اس کے بعد وہ موطا ہے جس کی روایت محمد بن الحسن نے کی ہے اور وہ ہندوستان میں چھپا ہے۔

(تاریخ التشریع الاسلامی ص۳۰۵)

دوسرا راستہ ان کے شاگرد ہیں جنہوں نے ان کے مسائل کو مرتب کیا ہے جیسا کہ قاضی عیاض کا بیان ہے کہ امام مالک کی ہر گفتگو کو ان کے اصحاب نقل کر لیا کرتے تھے۔ مالکی مذہب کی مشہور ترین کتابیں چار ہیں۔ مدونہ، واضحہ، عتبیہ، موازیہ

مدونہ: مالکی مذہب کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے اس کی اصل اسدیہ ہے جسے اسد بن الفرات نے ابن القاسم سے لیکر مرتب کیا ہے، جس کا قصہ یہ ہے کہ اسد پہلے امام مالک کے پاس گئے اور ان سے علوم حاصل کئے اس کے بعد محمد بن الحسن شاگرد ابو حنیفہ کے پاس گئے وہاں عراق کی فقہ پڑھی، اس کے بعد جب مصر واپس آئے تو مالک کا انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے چاہا کہ فقہ حنفی کو یکجا کر دیا جائے چنانچہ تمام مسائل کو مالک کے شاگرد ابن وہب کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ابو حنیفہ کی کتابیں ہیں آپ ان مسائل میں مالک کی رائے بتلا دیجئے، ابن وہب نے انکار کر دیا تو ابن القاسم کے پاس گئے۔ انہوں نے قبول کر لیا اور جو کچھ صحیح یاد تھا اسے مالک کے نام سے بتایا اور جس میں شبہ

اسے اپنے خیال وحافظہ کے حوالے سے بیان کیا! اور بعض مقامات پر ان کے دیگر مسائل پر قیاس کے حوالے سے جواب دیا یا مالک کے کسی قاعدہ کی رو سے اپنا اجتہاد بتایا اور ان سب کا مجموعہ اسدیہ ہو گیا۔ اسی اسدیہ سے سحنون کی مدونہ تیار ہوئی اسدیہ پر علماء نے مختلف اعتراضات کئے ہیں بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں خیال وگمان کے حوالے ہیں لہذا غیر معتبر ہے چنانچہ سحنون نے اسدیہ کو ابن القاسم کے پاس پیش کیا اور اس میں سے ظنیات نکال دیئے جس کے بعد مدونہ معتبر کتاب بن گئی اور اسدیہ بیکار ہو گئی اس کے بعد سحنون نے مالک کی روایات اور ان کے قواعد کی رو سے صادر ہونے والے فتاویٰ کو الگ کیا اور اس میں دیگر اصحاب مالک کے اختلاف کا بھی اضافہ کیا، ہر باب میں حدیثیں درج کیں اور مدونہ کو مذہب مالک کی دوسری اصل بنا دیا۔ لیکن اس تاریخ سے صاف واضح ہو گیا کہ مدونہ میں صرف مالک کے فتاویٰ نہیں ہیں بلکہ اس میں فقہ حنفی کا بھی اثر ہے اور قیاس کا بھی۔ مدونہ کی ترتیب کے بعد علماء مالکیہ کا دور آیا انہوں نے اس کتاب کی شرح شروع کی اس پر حاشیئے لگائے اور اب مدونہ مالک کے مسائل شاگردوں کے فتاوی دیگر مالکی علماء کے خیالات کا مجموعہ بن گئی۔ سحنون نے بعض مسائل میں موطا ابن وہب سے روایات کا حوالہ دیا اور بعض میں یہ کام نہیں کر سکے (التشریع الاسلامی ص۳۰۶) لیکن لوگ اس اختلاط کے باوجود اس پر عمل کرتے رہے چنانچہ مدونہ کے ساتھ اس کا نام مختلط بھی ہو گیا۔ اہل قیروان نے مدونہ کو اپنا لیا اور اہل اندلس نے واضحہ وعتبیہ کو (ابن خلدون ص۴۵۱)

واضحہ: اس کتاب کو عبدالملک بن حبیب نے ابن القاسم وغیرہ سے اخذ کر کے مرتب کیا ہے اور اندلس میں نشر کیا ہے۔

عتبیہ: اسے محمد بن احمد عتبی قرطبی متوفی ۲۵۵ھ نے مرتب کیا ہے اور اس میں متروک روایات۔ شاذ مسائل کا بھی اضافہ کر دیا ہے، ان کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی عجیب وغریب مسئلہ اچھا معلوم ہوتا تھا تو اسے زینت کتاب بنا دیتے تھے اور اسی لئے ابن وضاح نے کہا ہے کہ مستخرجہ میں بڑی غلطیاں پائی جاتی ہیں اور محمد بن عبدالحکیم کا کہنا ہے کہ اس کا زیادہ حصہ

جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود افریقہ میں اس کی بڑی عظمت ہے جیسا کہ ابن حزم نے بیان کیا ہے۔

موازیہ: یہ محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری متوفی ۲۶۹ھ کی کتاب ہے جسے قاضی عیاض نے اجل کتب واصح مسائل سے تعبیر کیا ہے یہ جامع بھی ہے اور سلیس بھی ابوالحسن قابسی نے اسے تمام اصلی کتابوں پر ترجیح دی ہے۔

اس تاریخ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مالک کے اصحاب نے اکثر مسائل میں مالک سے اختلاف کیا ہے جس طرح ابو یوسف اور شیبانی نے ابو حنیفہ سے اختلاف کیا تھا اور مزنی و بویطی نے شافعی سے اور یہ تمام اختلافات مذہبی کتابوں میں درج بھی ہیں اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ مالکی فقہ صرف مالک کے فتاویٰ سے وابستہ ہے بلکہ اس میں دیگر حضرات کے فتاویٰ کا کثیر حصہ بھی درج ہے جو مالک سے ہٹ کر اپنی مستقل فکر رکھتے تھے جیسا کہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ

عبدالملک بن حبیب نے اندلس سے سفر کیا اور ابن القاسم وغیرہ سے مسائل لیکر انہیں اندلس میں نشر کیا واضحہ نام کی ایک کتاب تالیف کی پھر عتبی نے مرتب کی ادھر افریقہ سے اسد بن فرات نے سفر کیا اور اصحاب ابو حنیفہ سے مسائل لیکر مذہب مالک تک پہونچے اور ابن القاسم کے مسائل کو مختلف ابواب میں درج کر کے اسدیہ نام رکھ کر قیروان میں رائج کیا۔ جسے سحنون نے اسد سے پڑھ کر مشرق کا سفر کیا اور وہاں ابن القاسم سے مسائل سنکر اسدیہ سے ملایا اور بہت سے مسائل بدل دیئے اور جدید مسائل لکھ کر پھر سے مرتب کیا اور اسد کو لکھا کہ سحنون کی کتاب پر عمل کریں انہوں نے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسد کی کتاب متروک ہو گئی اور سحنون کی کتاب باوجود اختلاط مسائل مدونہ و مختلطہ کے نام سے رائج ہو گئی اور اہل قیروان اسی طرح اس پر عمل کرنے لگے جس طرح اہل اندلس نے واضحہ اور عتبیہ کو اپنا لیا تھا۔ اس کے بعد ابن ابی زید نے مدونہ و مختلطہ کو اپنی کتاب مختصر میں مختصر کر کے جمع کیا اور ابو سعید براذعی نے اپنی کتاب تہذیب میں ملخص کر کے درج کیا جس پر افریقہ والوں نے اعتماد کیا اور باقی کتابوں کو چھوڑ دیا اور اسی طرح اہل اندلس نے عتبیہ کو لے کر واضحہ وغیرہ کو ترک کر دیا۔

اس کے بعد علماء مذہب نے ان کتابوں کی شرح و توضیح کا کام شروع کیا

اہل افریقہ میں ابن یونس۔ لخمی۔ ابن محرز تونسی، ابن بشیر وغیرہ نے مدونہ کی شرحیں کیں اہل اندلس میں ابن رشد وغیرہ نے عتبیہ کی شرح لکھی۔ ابن ابی زید نے اپنی کتاب النوادر میں تمام مسائل، اختلافات۔ اقوال کو جمع کیا، ابن یونس نے اس کا زیادہ حصہ اپنی کتاب "علی المدونہ" میں درج کیا اور اس طرح قرطبہ و قیروان کی حکومتوں کے زوال تک مالکی فقہ کا ایک عظیم ذخیرہ تیار ہو گیا اور مذکورہ بالا دونوں کتابیں مغرب میں رائج رہیں یہاں تک کہ ابو عمرو بن حاجب کی تلخیص منظر عام پر آگئی جس میں تمام اہل مذاہب کے طریقے درج کر دیئے گئے تھے اور ہر مسئلہ میں ہر ایک کے قول کو شمار کر لیا گیا تھا اور اس طرح مذہب کا ایک پورا نظام سامنے آگیا تھا۔
(مقدمہ ابن خلدون ص۳۷۷)

اہل اندلس مالک اور ان کی فقہ کے بارے میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ بقول بیہقی شافعی نے اپنی کتابیں مالک ہی پر لکھی ہیں جس کا قصہ یہ تھا کہ شافعی تک یہ خبر پہنچی کہ اندلس میں مالک کی ایک ٹوپی ہے جسے لوگ ذریعہ باران رحمت سمجھتے ہیں اور قول رسولؐ کے مقابلہ میں مالک کا فتویٰ نقل کرتے ہیں تو انہیں یہ بات ناگوار گذری اور انہوں نے کہا کہ مالک ایک خطا کار انسان تھے اور یہ کہہ کر ایک کتاب ان سے اختلاف پر لکھ دی۔ (توالی التاسیس ابن حجر ص۷)

لیکن حق یہ ہے کہ اندلس میں مالکی مذہب کی شہرت کا تمام تر سبب حکومت ہے جس نے ان کے فتوے پر عمل کو ضروری قرار دیدیا تھا (نفح الطیب ج ۲ ص۲۵۴) کبھی کبھی اوزاعی کے فتوے پر عمل ہوتا تھا۔ یحییٰ بن یحییٰ لیثی حکومت کے مقرب بارگاہ تھے ان کے ہاتھ میں قاضی بنانے کا کام تھا وہ اسی بہانے اپنے مذہب کی ترویج کر رہے تھے جس کی بنیاد پر غیر مالکی بھی طمع منصب میں مالک کے تابع بن گئے تھے چنانچہ قاضی منذر بن سعید بلوطی متوفی ۳۵۵ھ جو قرطبہ کے قاضی اور ظاہری مذہب کے آدمی تھے انہوں نے بھی حکومت کے فرمان کی بنا پر مالکی مذہب کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیئے تھے۔ (نفح الطیب ج ۲ ص۲۵۴)

حکومت کی اس ہمدردی کا راز یہ تھا کہ مالک نے اہل اندلس سے ان کا بادشاہ کے رویہ کے بارے میں سوال کیا لوگوں نے اس کی تعریف کر دی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا سے ہماری بھی یہی دعا ہے کہ ہمارے حرم کو تمہارے بادشاہ سے آراستہ کرے، بادشاہ اندلس کو یہ خبر پہنچی تو اس نے لوگوں کو مالکی مذہب پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ (میدان الاجتہاد)

مقریزی کا بیان ہے کہ المعز بادیس نے اپنے اور حکومت میں اہل افریقہ واندلس کو مالکی مذہب پر مجبور کیا اور سب دیگر مذاہب کو چھوڑ کر بادشاہ کے حکم پر عمل پیرا ہو گئے اس لئے کہ اسی میں دنیاوی فوائد و منافع تھے اور اسی میں بادشاہ کا تقرب تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ مالکی مذہب شہرۂ آفاق ہو گیا۔

مالکی اور حنفی مذہب میں چند قسم کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ دونوں کی شہرت کا راز بادشاہ کی نظر عنایت اور قساوت کی طمع میں مضمر تھا۔

۲۔ دونوں کے رئیس بادشاہ وقت کی نظر میں مقرب بن گئے تھے۔ ابوحنیفہ کو منصور نے نزدیک کیا تھا لیکن بالآخر اپنے منصوبہ کو ناکام دیکھتے ہوئے ان کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ اور مالک کو منصور و مہدی و ہادی و رشید کا تقرب ملا تھا جو باقی بھی رہا۔

۳۔ دونوں مذاہب ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہے مالکی فقہ میں حنفی اقوال داخل ہو گئے اور حنفی فقہ میں مالکی فتاوی پہلا کام اسد بن الفرات نے کیا اور دوسرا کام ابو یوسف اور محمد بن الحسن شیبانی نے فتاویٰ ابوحنیفہ کو موطا پر منطبق کر کے دیا۔

۴۔ دونوں مذاہب کے اصول رئیس مذہب کے علاوہ دیگر علماء کے استنباط و استخراج پر مشتمل ہیں اور دونوں کے اصول میں اصل رئیس سے اختلافات موجود ہیں۔ گویا شاگردوں کی رائے استاد کی رائے کے پہلو بہ پہلو عظمت رکھتی ہے۔ ۱؎

مالکی فقہ کے اصول

اصول فقہ یعنی فقہ اسلام کی بنیادی بحثوں کے لئے علماء اسلام نے جن ماخذ پر اعتماد کیا ہے ان کی تعداد بھی بڑی حد تک اختلافی ہے، حنفی حضرات کے نزدیک یہ ماخذ کتاب وسنت واجماع وقیاس واستحسان و عرف ہیں، شافعی حضرات کے نزدیک کتاب وسنت واجماع وقیاس ہیں لیکن مالکیوں کے یہاں یہ تعداد کم سے کم نو تک پہونچی ہوئی ہے کتاب، سنت اجماع وقیاس، استحسان، عرف، اجماع اہل مدینہ، مصالح مرسلہ، سدذرائع وغیرہ۔

قاضی عیاض نے مدارک میں پہلے تو اصول فقہ کے عام مدارک یعنی قرآن کریم کے نصوص وظواہر ومفاہیم، سنت رسولؐ کے متواتر ومشہور وآحاد، نصوص و ظواہر ومفاہیم اور اجماع وقیاس کو شمار کیا ہے اس کے بعد مالکی فقہ کے اصول لکھنے کے بعد ان کی حیثیت کا تعین ان الفاظ میں کیا ہے "اگر آپ امت اسلامیہ کے فقہی ماخذ کا جائزہ لیں گے تو آپ کو سب سے زیادہ ترتیب وتنظیم امام مالک کے یہاں ملے گی۔ جہاں کتاب خدا کو آثار پر اور آثار نبوی کو قیاس واعتبار پر مقدم کیا گیا ہے آثار میں ان آثار کو چھوڑ دیا گیا ہے جنہیں معتبر افراد نے اختیار نہیں کیا۔ یا وہ ان سے ناواقف تھے یا اکثر اہل مدینہ نے ان کے خلاف عمل کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں کسی دوراز کار تاویل پر بھی توجہ نہیں دی۔"

قاضی صاحب کے اس بیان میں مالکی مذہب کے اکثر اصول جن کی تعداد سولہ تک پہونچی ہوئی ہے نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اتنا بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد پر مالک نے اپنی فقہ کو خود مرتب نہیں کیا ہے بلکہ

مالکی علماء نے اسیطرح یہ خدمت انجام دی ہے جس طرح حنفی علماء نے انجام دی تھی۔ انہیں حضرات نے فروعات پر نظر کر کے انہیں اصول پر منطبق کیا ہے اور انہیں حضرات نے اصول مذہب کی بنیادوں پر مسائل کو ترتیب دیا ہے، مثلاً امام مالک مفہوم مخالفت، ظاہر قرآن، اولویت وغیرہ کے قائل تھے۔ ان حضرات نے جزئیات کے احکام انہیں اصولوں سے استنباط کر کے مذہب کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ یہ امکان بھی تھا کہ خود امام مذہب کا طرز استدلال یہ نہ ہوتا۔ (مالک محمد ابو زہرہ ص۲۵۵)

امام مذہب اور علماء مذہب کے اختلاف کے شواہد بے شمار ہیں۔ مثال کے طور پر یحییٰ اندلسی نے ایک گواہ کے ساتھ صاحب حق کی قسم کے کافی ہونے میں مالک سے اختلاف کیا ہے اور اشہب نے تو اس قدر مخالفت کی ہے کہ جب اسد بن فرات نے ان کے اعتماد پر مالک کے فتووں کی ترتیب شروع کی تو استاد و شاگرد کے کثرت اختلاف و اختلاط رائے کی بنا پر ان سے کنارہ کشی کر لی اور عبدالرحمٰن بن قاسم کو مرجع بنا لیا جیسا کہ ابن رشد نے اپنے مقدمات میں لکھا ہے کہ "اسد مالک کے پاس سوالات لیکر آئے تو معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے وہ اشہب کے پاس چلے گئے وہاں قدم قدم پر مالک کو خطاوار ٹھہراتے ہوئے دیکھا تو ناراض ہو کر ابن القاسم کے پاس چلے گئے اور مالک کی فقہ کو ان سے حاصل کیا وہ بھی مالک سے اختلاف کرتے تھے لیکن نسبتاً کم۔ چنانچہ مدونہ سحنون میں ان مخالفتوں کا تذکرہ موجود ہے۔

مالک کے استنباط میں حسب ذیل امور خصوصیت کے ساتھ کام کر رہے تھے۔

۱۔ **عمل اہل مدینہ:** امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو بے حد اہمیت دیتے تھے یہاں تک کہ اکثر روایات کو صرف ان کے عمل نہ کرنے کا

بنیاد پر ترک کر دیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ نبیؐ کے ہمسایہ ہونے کی بنا پر ناسخ و منسوخ کو بہتر طریقہ سے جانتے ہیں چنانچہ انہوں نے لیث بن سعد کو ایک خط میں لکھا کہ "لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں مدینہ دار الہجرت ہے وہیں قرآن کریم نازل ہوا ہے اور وہیں حرام و حلال کا بیان ہوا ہے۔ اگر وہاں والے کسی روایت پر عمل کرتے ہیں تو کسی کو اختلاف کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ میں دوسروں کے عمل کا اعتبار ہی کرتا ہوں"۔ لیث کو یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے اس پر بڑے زبردست علمی اعتراضات کئے جسے ابن القیم نے اعلام الموقعین میں بالتفصیل درج کیا ہے۔ اور جس کے بعض فقرے یہ ہیں "آپ کو معلوم ہے کہ ربیعہ نے بعض سابق بزرگوں اور اہل مدینہ میں یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن عمر، کثیر بن فرقد وغیرہ کی مخالفت کی ہے جس کی بنا پر آپ ان کی مجلس سے الگ ہونے پر مجبور ہو گئے تھے، پھر میں نے آپ سے اور عبدالعزیز سے ربیعہ پر اپنے اعتراضات کا ذکر بھی کیا تھا اور آپ لوگوں نے مجھ سے اتفاق بھی کیا تھا۔ ابن شہاب کے یہاں بھی اختلافات بکثرت پائے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں تین قسم کے جوابات دیا کرتے تھے اور اپنی پہلی رائے کو یاد بھی نہیں رکھتے تھے"۔

شافعی نے بھی اپنی کتاب "الام" میں مالک پر اعتراضات کئے ہیں جس کی بنیاد یہ ہے کہ مالک کے اپنے فتوے میں اہل مدینہ کے نقلی اور اجتہادی عمل میں فرق نہیں کیا ہے "نقلی عمل کو تمام مالکی مذہب کے علماء نے تسلیم کیا ہے اور اس سے مراد اہل مدینہ کا یہ نقل کرنا لیا ہے کہ منبر رسولؐ یا قبر رسولؐ کی جگہ کونسی ہے؟ نماز کے لئے آپ کہاں کھڑے ہوتے تھے؟ مُد کیا ہے؟ صاع کسے کہتے ہیں، زمانہ رسولؐ میں وقفہ کیا تھا، اذان و اقامت کس طرح ہوتی تھی؟ وغیرہ اجتہادی مسائل کے بارے میں مجتہدین صحابہ اور تابعین کا درجہ مساوی ہے۔ چاہے وہ مدنی ہوں یا کوفی، شامی ہوں یا مصری"۔ (ضحی الاسلام ۲ ص۲۱۲، التشریع الاسلامی ص۱۲۴)

ابن حزم نے اس قاعدہ کو بھی قبول نہیں کیا اور ان کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ کے اجماع کو صرف اس لئے ترجیح دینا کہ وہ وحی کے وقت موجود تھے چند وجوہ سے غلط ہے۔

۱۔ وحی کے وقت صرف اصحاب موجود تھے تابعین کا کوئی وجود نہ تھا تابعین میں سب ممالک برابر ہیں سب نے صحابہ ہی سے لیا ہے۔

۲۔ خلفاء مسلمین نے احکام اسلام کو شہروں میں منتشر کیا تو سب کا علم ایک جیسا ہونا چاہیئے اور اگر نہیں منتشر کیا تو انہیں کا اعتبار اٹھ گیا دوسرے کا کیا ذکر؟

۳۔ یہ رائے بعض علماء نے اس لئے قائم کی ہے کہ اس طرح لوگوں سے مالک بن انس کی تقلید کرائیں حالانکہ شریعت میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس پر تمام مدینہ والے متفق ہوں اور تمام غیر مدینہ والے اختلاف رکھتے ہوں۔ (النبذ ابن حزم ص ۴۱)

مصالح مرسلہ: یہ وہ مصلحتیں ہیں جن کے اعتبار یا عدم اعتبار پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہوتی، مالک نے ان مصلحتوں پر ان حالات میں بھی عمل کیا ہے جب ان کے مقابلے میں کوئی نص صریح یا قیاس موجود ہو، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ چوری کے ملزم کو مار مار کر اس سے قبول کرانا صحیح ہے یا نہیں؟ مالک نے اس مار پیٹ کو جائز خیال کیا ہے اس لئے کہ اس کے بغیر چوری کا پتہ لگانا دشوار ہے اور باقی علماء نے اس لئے اختلاف کیا ہے کہ اس طرح ایک بے گناہ کی مرمت بھی ہو سکتی ہے جو چوری کے پتہ نہ لگنے سے زیادہ سنگین معاملہ ہے اسی مسئلہ کی کی مثال وہ عورت بھی ہے جس کا شوہر گم ہو گیا ہو اور ایک مدت سے اس کا نام و نشان نہ مل رہا ہو یا وہ عورت جو برسوں سے حیض سے پاک ہو کہ وہ عدہ کے لئے چند ایام طہارت کا انتظار نہیں کر سکتی، امام مالک نے ان مسائل میں حضرت عمر کا اتباع کرتے ہوئے پہلی عورت کے لئے عقد کو جائز کرایا ہے اور دوسری کے لئے مدت حمل پھر انتظار کرنے کے بعد تین ماہ کا عدہ رکھنے کا فتویٰ دے دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں عورت کی مصلحت کا لحاظ کیا جائے گا جبکہ قرآن مجید کا صریح حکم ہے کہ طلاق کے بعد تین طہر کا عدہ رکھنا پڑے گا اور فرض یہ ہے کہ یہ عورت ایسی سن یاس تک نہیں ہوئی

کہ اس کا عدہ مہینوں میں حساب کیا جائے۔

اس مصلحت کو مرسل اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی قانون اور معیار معین نہیں ہے اسے شریعت کے متعدد احکام اور مختلف قرائن کے درمیان سے نکالا جاتا ہے اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اسی قسم کی دوسری مصلحت بھی سامنے آجاتی ہے اور ترجیح کا جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے (تاریخ التشریع الاسلامی ص۲۴۲)

استحسان: امام مالک کو استحسان سے اسقدر دلچسپی تھی کہ ابن القاسم کی روایت کی بنا پر وہ اسے ۹/۱۰ علم قرار دیا کرتے تھے، قرانی بھی استحسان کے قائل تھے اور اپنی سند میں کاریگروں اور مزدوروں کے بارے میں مالک کا یہ فتویٰ نقل کرتے تھے کہ یہ لوگ کاروبار کی غلطی کے ذمہ دار ہیں اور اس کا مدارک استحسان ہی ہے۔

ابن العربی نے استحسان کی یہ تعریف کی ہے کہ استثنائی اور ترخیصی انداز سے بعض معارضات کی بنا پر کسی دلیل کے مقتضیٰ کا ترک کر دینا استحسان کہلاتا ہے۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ دلیل کو عرف کی بنا پر ترک کرنا۔

۲۔ دلیل کو اجماع کی وجہ سے ترک کرنا۔

۳۔ مصلحت کی بنا پر ترک کرنا۔

۴۔ سہولت و آسانی و وسعت کی وجہ سے ترک کر دینا۔

ابن الانباری کا کہنا ہے کہ امام مالک کی نظر میں استحسان کی وہ تعریف نہیں ہے جو ابن العربی نے کی ہے بلکہ استحسان کلی قواعد کے مقابلے میں جزئی مصلحتوں کے استعمال کرنے کا نام ہے مثال کے طور پر اگر کوئی جنس اختیار فسخ کے ساتھ خریدے اور فوراً مر جائے۔ اور ورثہ آپس میں فسخ و عدم فسخ میں اختلاف کریں تو اشہب کا خیال ہے کہ قانوناً معاملہ کو فسخ ہو جانا چاہیئے تھا لیکن مقتضائے استحسان یہ ہے کہ بعض کے قبول کر لینے اور بائع کے معاملہ کو ٹکڑے ٹکڑے

ہونے پر راضی نہ ہونے کی صورت میں معاملہ کو باقی رکھنا چاہیئے۔

مختصر یہ ہے کہ مالک کی فقہ میں استحسان کا بکثرت استعمال ہوا ہے اور امام شافعی نے اس کی اسقدر شدید مخالفت کی ہے کہ اپنی کتاب "الام" میں ایک مستقل باب "ابطال استحسان" کا قائم کر دیا ہے! اور اس کے حسب ذیل وجوہ قرار دیئے ہیں۔

۱- شریعت اسلام نے انسان کو کسی مسئلہ حیات میں مہمل و بیکار نہیں چھوڑا ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام جزئیات کو بالتفصیل بیان کر دیا ہے کچھ باتوں کو واضح طور پر اور کچھ باتوں کو اشاراتی انداز سے، اب کوئی شے ایسی رہ ہی نہیں گئی ہے کہ جس میں استحسان سے کام لیا جا سکے بلکہ یہ تصور ہی شریعت کے نقص کا مترادف ہے۔

۲- رسول اکرمؐ کا دستور تھا کہ جب آپ کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آتا تھا اور اس کا حل گذشتہ نصوص میں نہیں ہوتا تھا تو آپ وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اگر بغیر نص صریح یا قاعدہ کلیہ کے فتویٰ دینا جائز ہوتا تو حضورؐ سب سے پہلے اس طرز عمل کو اختیار فرماتے، حضورؐ کا اختیار نہ کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل غلط اور نا جائز ہے۔

۳- پروردگار عالم نے انسان کا یہ فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کرے اور خدا و رسولؐ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نصوص یا قواعد کے مطابق اعمال انجام دے اور ظاہر ہے کہ استحسان نہ نص صریح ہے نہ قاعدہ اس لئے اس پہ عمل کرنا حدود اطاعت خدا و رسولؐ سے باہر ہے۔

۴- رسول اکرمؐ نے بنفس نفیس ان اصحاب پہ اعتراض کیا ہے جنہوں نے نص کے بغیر اپنے استحسان پہ اعتماد کیا تھا۔

۵- استحسان کے لئے کوئی ایسا قانون مقرر نہیں ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کیا جا سکے اس لئے اگر ہر مجتہد کو استحسان کی اجازت دے دی جائے تو ساری شریعت افراتفری کا شکار ہو جائے گی اور ایک ایک مسئلہ

ہیں متعدد قسم کے فتوے ہو جائیں گے نہ شریعت سمجھی جائے گی اور نہ احکام دین کی صحیح تفہیم ہو سکے گی۔ (مالک محمد ابوزہرہ ص ۳۵۶، ۳۵۷)

قیاس: مالکی اصول فقہ میں سے ایک اصل قیاس بھی ہے مالک کے بارے میں یہ ملتا ہے کہ انہوں نے اکثر تازہ مسائل میں زمانہ صحابہ کے مسائل پر قیاس سے کام لیا ہے چنانچہ جب ان کے سامنے اس عورت کا مسئلہ آیا جس کا شوہر گم ہو گیا اور اس نے عدۃ وفات رکھنے کے بعد دوسرے شخص سے عقد کر لیا اور بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ اس کا پہلا شوہر زندہ ہے تو اس مسئلہ کو اس عورت پر قیاس کیا جس کے شوہر نے طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیا اور عورت کو اس کی اطلاع نہ دی ادھر عورت نے عدت کے بعد دوسرا عقد کر لیا۔ اور حضرت عمرؓ کا اتباع کرتے ہوئے یہ فتویٰ دے دیا کہ عورت دوسرے شوہر کی ہے چاہے وہ رجوع کر چکا ہو یا نہیں۔ اس لئے کہ دونوں صورتیں ایک جیسی ہیں تو حکم بھی ایک ہونا چاہیئے مالک کا اکثر قیاس حضرت عمرؓ کے مسائل پر ہوا کرتا تھا وہ صرف کتاب و سنت کے احکام پر قیاس نہ کرتے تھے بلکہ استنباطی مسائل پر بھی قیاس کر لیا کرتے تھے۔

مالک و ابوحنیفہ اگرچہ قیاس کے جواز پر متفق تھے لیکن دونوں کے درمیان ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ مالک کے قیاس کا دائرہ تنگ تھا اور ابوحنیفہ کے قیاس کا دائرہ وسیع، مالک صرف مسائل پر قیاس کرتے تھے اور ابوحنیفہ اپنے فلسفۂ رائے کی بنا پر مسائل و احکام کے اسباب و علل کا استنباط بھی کیا کرتے تھے اور پھر انہیں اسباب کو مستقل شرعی دلیل بنا کر انہیں پر قیاس کیا کرتے تھے۔ خبر واحد کا مرتبہ دونوں کی نظر میں قیاس سے موخر ہے اور قیاس بہر حال خبر پر مقدم ہے۔

رائے: قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی پر بحث کرنے والے حضرات نے فقہ کی دو قسمیں کی ہیں۔ فقہ رائے اور فقہ اثر مالک کو فقہ اثر کا نمائندہ فرض کیا گیا ہے اور ابوحنیفہ کو فقہ رائے کا۔ حالانکہ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۲۱۸ میں مالک، ان کے استاد ربیعہ، اوزاعی، ثوری، ابن ابی لیلیٰ

زفر، ابو یوسف سب کو فقہ رائے والوں میں شمار کیا ہے اور فقہ حدیث کے اصحاب میں شعبہ، جریر بن حازم۔ حماد بن زید، حماد بن سلمہ وغیرہ کے ساتھ مالک کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نہیں بلکہ مالک اپنے دور میں بھی فقہ رائے کے ساتھ کافی شہرت رکھتے تھے اور جب یہ سوال ہوتا تھا کہ ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کے بعد فقیہ رائے کون ہے؟ تو جواب میں مالک کا نام آتا تھا۔

استاد محمد ابوزہرہ کا خیال ہے کہ مالک کی قیاسی حیثیت دو چیزوں سے نمایاں ہوتی ہے۔

۱۔ ان تمام مسائل سے جن میں رائے پر اعتماد کیا گیا ہے چاہے وہ قیاس کی بنیاد پر ہوں یا استحسان کی بنیاد پر، مصالح مرسلہ کی وجہ سے ہوں یا استصحاب رسد ذرائع کی وجہ سے۔ اور یہ مقدار کافی ہے چنانچہ خود مدونہ کی مطالعہ میں رائے کے اتنے طریقے نظر آئیں گے کہ مالک میدان رائے کے شہسوار معلوم ہونگے اور ان کا اعتماد سب سے زیادہ رائے پر دکھائی دے گا۔

۲۔ ان مسائل میں جہاں قیاس (جو رائے کا ایک شعبہ ہے) خبر واحد سے ٹکرا جاتا ہے کہ اکثر راویوں کے قول کی بنا پر امام مالک ایسے مقامات پر قیاس کو مقدم کر دیا کرتے تھے بلکہ شاطبی نے توموافقات میں ایسے مسائل کی فہرست تیار کی ہے جہاں مالک نے خبر واحد کو چھوڑ کر قیاس، مصلحت، قاعدہ عامہ وغیرہ پر عمل کیا ہے اس لئے کہ ان اصول کو کسی نہ کسی اعتبار سے قطعی سمجھتے تھے اور خبر واحد کو ظنی، انہیں مسائل میں سے یہ حدیث بھی تھی کہ اگر برتن کو کتا چاٹے تو اسے سات مرتبہ دھونا چاہیئے اور پہلے مٹی سے مانجھنا چاہیئے۔ امام مالک کہا کرتے تھے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ جو بات اپنی عقل میں نہیں آتی کہ کتے کا شکار تو جائز ہو اور اس کے چاٹے ہوئے برتن سے پرہیز کیا جائے، اسی باب سے مالکیوں کی نظر میں کتے کے گوشت کا جواز ہے

جیسا کہ مقدسی نے احسن التقاسیم میں ذکر کیا ہے اور بدایۃ المجتہد۔ المحلی وغیرہ میں بھی اشارہ ملتا ہے۔

خیار مجلس یعنی خریدار اور بائع کے منفرق نہ ہونے تک دونوں کے لئے معاملہ کو فسخ کر دینے کے اختیار کے بارے میں امام مالک نے حدیث سے اختلاف کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارے یہاں نہ اس کی کوئی حد معین ہے اور نہ معمول بہ ہے (موطا ۲ ص۹۴ حاشیہ مصابیح السنۃ)

مالک نے اس روایت پر بھی عمل نہیں کیا ہے کہ اگر کسی کے ذمے روزے باقی ہوں اور وہ مر جائے تو اس کا ولی قضا کر دے اور ابن عباس کی اس روایت کو بھی نہیں مانا ہے کہ ایک عورت نے رسول اکرمؐ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے ذمے ایک مہینے کے روزے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے باپ کے ذمے قرض ہوتا تو ادا کرتی؟ اس نے عرض کی جی! آپ نے فرمایا تو اللہ کا قرض زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ مالک نے ان روایات کو یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ یہ آیت مبارکہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ کے منافی ہے۔

امام مالک نے وضاحت کے لئے دس یا پانچ مرتبہ کی شرط کا بھی اعتبار نہیں کیا ہے کہ قرآن کی آیت "وامھاتکم اللاتی ارضعنکم" جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ عام ہے اس میں کوئی حد معین نہیں ہے۔

انھوں نے ابو ہریرہ کی اس روایت کا بھی انکار کر دیا ہے کہ اونٹ اور بکری کے تھنوں میں دودھ چھوڑ کر انہیں نہ بیچو ایسا کرنے سے خریدار کو اختیار رہے گا کہ وہ دوہنے کے بعد جانور کو اپنے پاس رکھے یا ایک صاع کھجور کے ساتھ واپس کر دے۔ (مالک ص۳۰۰، ۳۰۱)

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام مالک کے بارے میں تفقہ حدیث کی شہرت خلاف واقع ہے وہ ابو حنیفہ کی طرح رائے و قیاس کے قائل تھے۔

اور قیاس و حدیث کا سارا جھگڑا سیاسی حیثیت رکھتا تھا جس کا مقصد صرف آلِ محمدؐ اور بالخصوص امام جعفر صادقؑ سے امت کو برگشتہ کرنا تھا اس لیئے کہ ان حضرات نے قیاس وغیرہ کو شریعت میں کسی قسم کا حصہ نہیں دیا۔

انکار امام صادقؑ: امام جعفر صادقؑ نے قیاس و رائے کی شدید مخالفت کی ہے آپ کا اعلان تھا کہ "قیاس والے دین خدا کو اپنے قیاس سے سمجھنا چاہتے ہیں انہیں یہ خیال نہیں کہ قیاس حق سے دور ہی کر سکتا ہے قریب نہیں کر سکتا" ابن شبرمہ کے جواب میں آپ کا ارشاد تھا کہ اگر ابن شبرمہ کو یہ معلوم ہوتا کہ لوگ ہلاکت میں کس طرح پڑ گئے تو کبھی قیاس نہ کرتا" ابو حنیفہ سے فرمایا کہ "سب سے پہلے ابلیس نے اپنی ناری خلقت کو آدم کی خاکی تخلیق پر قیاس کیا تھا جس سے گمراہ ہوا اس لیئے خبردار قیاس نہ کرنا" دوسری مرتبہ تنبیہ فرمائی "خدا سے ڈرو اور قیاس کو چھوڑ دو ورنہ کل جب خدا کے سامنے پیشی ہوگی تو ہم خدا و رسولؐ کے اقوال نقل کریں گے اور تم لوگ اپنے خیال و قیاس کو" (ابطال القیاس ابن حزم ص۱۷)

ایک مرتبہ ابان بن تغلب آپ کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ ایک شخص نے ایک عورت کی ایک انگلی کاٹ دی ہے اس کی دیت کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا دس اونٹ! ابان نے کہا اگر دو انگلیاں کاٹ دے؟ فرمایا بیس اونٹ! عرض کی تین انگلیاں؟ فرمایا تیس اونٹ! عرض کی چار؟ فرمایا بیسؔ۔ ابان نے گھبرا کر کہا حضور تین انگلیوں میں تیس اور چار میں بیس؟ فرمایا ہاں! جب عورت کی دیت مرد کے ½ ہو جاتی ہے تو اس کے بعد کم ہو جایا کرتی ہے یاد رکھو دین خدا میں قیاس نہیں ہو سکتا۔ عورت سے زمانہ حیض کے روزوں کی قضا کرائی گئی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرائی گئی۔ ابان! تم نے قیاس سے کام لیا اور قیاس دین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ امام کے بکثرت ارشادات ہیں جن سے آپ کی مخالفت قیاس

کا صحیح اندازہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس دور میں قیاس کا رواج عام ہو گیا تھا اس لئے حضرت نے اپنے تمام معصروں کو ایک مستقل رسالہ لکھ کر بھیج دیا تھا جس میں قیاس کی غلطیاں اور اس کے نتائج بالتفصیل مذکور تھے۔

رسالہ: "اما بعد جس شخص نے کسی دوسرے کو رائے و قیاس کی بنیاد پر دین کی طرف مدعو کیا اس نے انصاف نہیں کیا اور نہ کوئی فائدہ پایا اس لئے کہ اس کا مدعو بھی رائے سے خالی نہ ہوگا تو اگر داعی مدعو سے زیادہ باصلاحیت نہ ہوا تو ایک وقت وہ بھی آسئے گا جب مدعو داعی پر غالب آجائے گا۔ اس لئے کہ اکثر طالبعلم تھوڑے دنوں کے بعد اپنے استاد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور جب ایسا ہو جائے گا تو جہالت و شک و بدگمانی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ یاد رکھو! اگر یہ بات جائز ہوتی تو انبیاء و مرسلین کی ضرورت نہ ہوتی، ہزل و لغو کی ممانعت نہ ہوتی، جہالت عیب نہ شمار ہوتی افسوس کہ لوگ حق سے ناواقف ہو گئے ہیں اور اپنی جہالت و تدبیر ہی پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں نہ علم خدا کی ضرورت محسوس کی اور نہ رسالت و امامت کی۔ ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ ہے وہ ہماری عقل اور ہمارے ادراک کے اندر ہے۔ پروردگار نے بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور وہ جہالت کی بنا پر اپنے نفس کے بندے بن گئے ہیں حالانکہ اگر خدا ان کی رائے اور ان کے قیاس سے راضی ہوتا تو ہر مسئلے کا فیصلہ اور ہر غلط خیال کی تردید نہ کرتا۔ ہماری دلیل قیاس سے خدا کی ناخوشی پر یہ ہے کہ اس نے مرسلین کو صحیح و محکم احکام دیکر بھیجا اور انہیں باب اللہ صراط مستقیم بنا کر ایسے امور کی طرف راہنمائی کی جو نظر قیاس سے اوجھل تھیں، اب قیاس و رائے سے کام لینے والا خدا سے دور ہی ہوتا جائے گا۔

خدا نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جو کچھ دن گذرنے کے بعد لوگوں کی مخالفت کو قبول کرے یا ان کے اختلاف کو وحی کے برابر سمجھ لے اور اس طرح کچھ عرصہ تابع رہے اور کچھ عرصہ متبوع۔ اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اہل قیاس خطا کار اور ان کا قیاس باطل و لغو ہے ....."

مالک کا شمار اپنے دور کے اصحاب رائے ہی میں ہوتا تھا جس سے انہیں ان کے استاد ابن ہرمز نے منع بھی کیا تھا جیسا کہ مطرف نے مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھ سے ابن ہرمز نے کہا کہ خبردار اس رائے و قیاس پر اعتماد نہ کرنا یہ غلطی ہم اور ربیعہ کر چکے ہیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے -

مالک کا ایک مشہور فقرہ یہ بھی ہے کہ ہم گمان کرنے والے ہیں ہمیں یقین نہیں ہے -(جامع بیان العلم ۲ ص۳۳) مالک کے استاد کی طرح ان کے شاگرد (حاملانِ احادیث اور ناشرین مذہب بھی رائے پر عمل کرنے سے خوف کھاتے تھے چنانچہ عبید اللہ بن یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ میں جب ابن القاسم کے پاس جاتا تھا تو وہ پوچھتے تھے کہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں ابن وہب کا نام لیتا تھا تو کہا کرتے تھے کہ ہوشیار خدا سے ڈرو انہیں احادیث کی اکثریت میں علم نہیں ہے اور جب ابن وہب کے پاس جاتا تھا اور وہ پوچھتے تھے کہ کہاں سے آتا ہوا اور میں ابن القاسم کا ذکر کرتا تھا تو کہتے تھے "خدا سے ڈرو ان کے اکثر مسائل رائے و قیاس کی بنیاد پر ہیں" (جامع بیان العلم ص۱۵۹)

عتبی کا بیان ہے کہ میں مالک کے پاس ان کے مرض الموت میں حاضر ہوا تو انہیں روتا پایا میں نے دریافت کیا کہ یہ حضور کا رونا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نہ روؤں گا تو کون روئے گا۔ کاش میں نے ہر مسئلہ پر ایک تازیانہ مار دیا ہوتا تو میری بچت کی کوئی صورت بھی رہتی اور کاش رائے سے فتویٰ نہ دیا ہوتا —
(ابن خلکان ج ۲ ص۲۳) -

مختصر یہ ہے کہ امام مالک نے ابو حنیفہ کی طرح قیاس کا بھی استعمال کیا ہے اور مصلحت کو بھی ایک مستقل اصل کی طرح برتا ہے بعینہٖ یہی حال حنبلی مذہب کا ہے کہ ان کے خیال میں شریعت کا ہر حکم مصلحت سے ہے اور ہر غیر منصوص میں مصلحت ہی سے فتویٰ دینا چاہیئے - بلکہ بعض حنبلیوں اور مالکیوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ قرآن و حدیث کے نصوص بھی برِبنائے مصلحت ہیں اس لیئے عبادات سے

ہٹ کر باقی معاملات میں نص کا فیصلہ بھی مصلحت سے کرنا چاہیئے۔
چنانچہ حنبلی عالم طوفی کا کہنا ہے کہ مصلحت کا خیال کسی اجماعی حکم یا کتاب و سنت کی نص سے ٹکرا جائے تو مصلحت کی رعایت زیادہ ضروری ہے اور مصلحت سے کتاب وسنت کو تخصیص دیدی جائے گی (رسالۃ الاسلام ج ۲ ص۹۴ ذخائر الفکر الاسلامی)

علامہ کاشف الغطاء نے اس بیان کی تردید میں ایک مفصل مقالہ لکھا ہے جس کا ایک جزء یہ ہے " مصلحت کو مطلق طور پر مقدم کر دینا وہ آزادی ہے جو مصالح مرسلہ سے زیادہ خطرناک ہے بلکہ شریعت اسلام میں ہرج و مرج اور رخنہ اندازی کا باعث ہے اس طرح تو فقیہ سود کی حلیت کا بھی فتویٰ دے سکتا ہے کہ اس میں مصلحت ہے اور مصلحت نص پر مقدم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ شریعت میں اس سے زیادہ بے راہ روی اور کیا ہو سکتی ہے! —"
(رسالۃ الاسلام عدد ۲ ص۱۹۳)

مالکی اصول فقہ کی کسی حد تک وضاحت کے بعد مالک کے دور کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے اس لئے کہ ان کا آغاز، انجام سے بالکل مختلف ہے پہلے وہ حکومت عباسیہ کے مخالف اور اس کے معتوب تھے اور پھر مقرب بارگاہ بن گئے اس انقلاب کے اسباب کا تلاش کرنا ایک مورخ و مدبر کے لیے انتہائی ضروری کام ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

"امام مالک"

دورِ زندگی

وقائع و حوادث

امام مالک ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں ۹۳-۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ہارون رشید کے عہد میں ۱۷۹ھ میں انتقال کر گئے۔ اس طرح آپ کی زندگی کا ایک حصہ اموی دور میں گذرا اور ایک حصہ عباسی دور میں ـــ اموی دور کے حادثات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ عباسی دور میں آپ نے سفاح، منصور، مہدی، ہادی اور رشید کا زمانہ دیکھا ہے جو عباسیوں کا اہم ترین دور تھا۔ اسی زمانے میں متعدد جنگوں کے بعد حکومت عباسیوں کے ہاتھ میں آئی تھی اور وہ تمام انقلابات رونما ہوئے تھے جن کا مشاہدہ مالک نے کیا تھا اور ان کا ردعمل بھی مدینہ پر دیکھا تھا۔ دوسرے تمام لوگوں کی طرح ان کی بھی خواہش تھی کہ لوگ اس نئی حکومت میں چین کی زندگی گذار سکیں اور بنی امیہ کی بدسرشتی، دین فروشی اور شعائر مذہب پر مظالم کا سلسلہ ختم ہو جائے رسول ؐ کے خاندان والے اطمینان کی سانس لے سکیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں بنی عباس اور علویین کی مشترکہ جد و جہد کا بھی مشاہدہ کیا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ بنی عباس علویین کو ملاتے جا رہے ہیں اس لئے کہ ان کے دل میں انقلاب کے جذبات زیادہ تھے وہ حالات حاضرہ سے زیادہ متاثر تھے اور ان پر تنقید کرنے کا زیادہ حق رکھتے تھے، حمایت آلِ محمدؐ ان کا شعار تھا اور محمد بن عبداللہ بن الحسن ان کے قائد اعظم، بنی عباس نے

بالاتفاق انہیں کی بیعت کی تھی اور خود مالک نے بھی انہیں کی بیعت کرنے کے لئے فتویٰ دیا تھا۔

بنی عباس کی حکومت قائم ہو گئی اور مالک اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو گئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اموی مظالم کا سلسلہ رک گیا؟ کیا آل محمدؐ کو سکون و اطمینان نصیب ہو گیا؟ کیا کتاب و سنت کے مطابق کوئی حکومت قائم ہو گئی؟ یا حالات اس کے بالکل برعکس تھے؟

سفاح کا زمانہ اختلافات اور جنگوں کا زمانہ تھا لیکن اہلبیتؑ کے اعتبار سے یہ دور بنی عباس کا بہترین دور سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ حکومت اپنے ابتدائی دور میں ان مظالم کا ارتکاب نہیں کر سکتی تھی جن کا ارتکاب بعد کے حالات میں زیادہ ممکن ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود ابومسلم نے سفاح کی سیاست کا ایک خاکہ اس خط کے ذیل میں کھینچا ہے جو اس نے منصور کو لکھا تھا "ہم نے آپ کے بھائی سفاح کو اپنا امام اور دین میں اپنا راہنما قرار دیا تھا اس لئے کہ وہ پیغمبرؐ کے قرابتداروں میں تھا اور اپنے لئے اس وصیت کا دعویدار تھا جو اس تک پہنچی تھی لیکن اس نے مجھے گمراہیوں میں مبتلا کیا۔ فتنے کی رسی میں جکڑ دیا اور مجھے حکم دیا کہ میں گمانوں پر مواخذہ کروں، تہمتوں پر لوگوں کو تہ تیغ کروں اور کسی کی معذرت کو قبول نہ کروں۔ چنانچہ میں نے بھی اس کے حکم سے خلافِ حکم خدا ہتک حرمت کی اور ان خونوں کو بہایا جنہیں اللہ نے محفوظ قرار دیا تھا امر حکومت کو اس کے اہل سے نکال کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ تاریخ بغداد ۱۰ ص۲۰۸)

ایک دوسرے خط میں لکھتا ہے۔" میں نے ایک ایسے شخص کو امام اور فرائض الٰہیہ میں رہنما قرار دیا جو منزل علم پر فائز اور قرابت پیغمبرؐ کا حامل تھا۔ لیکن اس نے مجھے جاہل قرآن سمجھ کر معمولی سی دنیا کے لئے تحریف کی اس کے معانی بدل دئے اور دھوکہ دیا، اس کا حکم تھا کہ تلوار علم ہو جائے، رحمت ختم ہو جائے۔ معذرت نہ قبول کی جائے لغزش کو نہ معاف کیا جائے، میں نے بھی تمہاری

حکومت کے استحکام کے لئے یہ سب کچھ کیا یہاں تک کہ ہر ناواقف تمہیں پہچان گیا ہر شخص نے تمہاری اطاعت کر لی۔ اللہ نے تمہیں گمنامی و ذلت وحقارت کے بعد مشہور کر دیا اور مجھے توبہ کے ذریعے اس گڑھے سے نکال لیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰)

اس خط میں قابل توجہ ابومسلم کا یہ اعتراف ہے کہ بنی عباس اپنی خواہش کے مطابق قرآن مجید کی تاویل کرنا چاہتے تھے۔ آیت تطہیر جو صرف اہلبیت عصمت وطہارت کی شان میں نازل ہوئی تھی اپنے اوپر منطبق کرنا چاہتے تھے۔ آیت مودت کو اپنی شان میں اتارنا چاہتے تھے۔ ابومسلم نے اس غلطی کو بروقت تاڑ لیا اور چاہا کہ حکومت کو آل رسولؐ کے حوالے کرکے توبہ کرے چنانچہ اس نے امام صادقؑ کو خط بھی لکھا کہ میرے لئے دعا کیجئے اور حکومت قبول کر لیجئے۔ حضرت نے مذکورہ سابق اسباب کی بنا پر اس مطالبہ کو رد کر دیا۔ لیکن منصور کے لئے یہ بات انتہائی قیامت خیز ثابت ہوئی اور اس نے ملکی انتشار سے پہلے ہی ابومسلم کو قتل کرا دیا جس طرح کہ خود سفاح نے ابوسلمہ خلال معروف بہ وزیر آل محمدؐ کو اس وقت دھوکے سے قتل کر دیا تھا جب اسے یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ حکومت آل رسولؐ کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔

سفاح کے بعد منصور تخت حکومت پہ آیا۔ منصور اس ہوشیار بادشاہ کا نام ہے جس نے مشکلات سے بڑے تجربات حاصل کئے تھے اس کی ہیبت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ اس سے لرزتے تھے۔ اسے وہ دن یاد تھے جب پوشیدہ طور پہ لوگوں کے جذبات کو ابھار رہا تھا اور انہیں آل محمدؐ کے حقوق کا واسطہ دے کر بیدار کر رہا تھا اس کا کام بنی امیہ کے ان مظالم کو فاش کرنا تھا جن میں خونریزی آل محمدؐ۔ توہین قرابت رسولؐ، اور ہتک حرمت اسلام شامل تھی۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ تخت حکومت پہ قابض ہوا۔ تو ظلم و جبر کا ایک نمونہ بن گیا۔ امت کے لئے مظالم کے دروازے کھل گئے، فتنے عام ہو گئے، اقوال و اعمال میں تضاد نمایاں ہو گیا اور سارا ملک خونریزی کا مرقع

بن گیا۔ یہاں تک کہ اس کے چچا عبدالصمد نے اس سے کہدیا "تو نے اس قدر سزائیں دی ہیں کہ گویا معافی کا نام ہی نہیں سنا ہے۔" منصور نے برجستہ جواب دیا "ابھی آل مروان کے استخوان بوسیدہ نہیں ہوئے اور آل ابوطالب کی تلواریں نیام میں نہیں گئیں اور ہم ایسی قوم کے سامنے زندگی گذار رہے ہیں جس نے کل ہماری ذلت و پستی کا مشاہدہ کیا ہے ظاہر ہے کہ معافی کو بھلائے بغیر اس کے ذہن پر ہمارا رعب کہاں قائم ہو سکتا ہے۔"

منصور کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک طرف بے پناہ سنگدلی سے اور دوسری طرف مکمل اظہار دینداری سے ملک کی بنیادوں کو مستحکم کرے تاکہ ان تمام مواخذات کا سدباب ہو جائے جو خونریزی کی کثرت اور آل محمدؐ سے بدسلوکی کی بنیاد پر پیدا ہو رہے ہیں۔ عالم یہ ہو گیا ہے کہ لوگ بکثرت یہ کہنے لگے ہیں کہ "ہم نے ناجائز طریقے سے خون بہانے کیلئے آل محمدؐ کے نام پر بیعت نہیں کی تھی۔

انقلاب کے قائدوں کی ایک جماعت نے منصور کے اس رویہ سے شدید اختلاف کیا اور اولاد علیؑ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ازدی نے ۱۴۱ھ میں ان سے مقابلہ کر کے ان کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا اور باقیماندہ کو گرفتار کر لیا۔ اب امت کے معاملات دشوارتر ہو گئے اور عمال اموی دور کے طرز عمل پر دوبارہ کاربند ہو گئے۔ (ابن کثیر ۱۰ ص ۷۵)

ایک مرتبہ عمر ابن عبید نے منصور سے کہا کہ آپ کے دروازے کے باہر کتاب و سنت پر قطعی عمل نہیں ہوا۔ تو منصور نے جواب دیا کہ میں کیا کروں؟ یہ مہر حاضر ہے آپ اور آپ کے اصحاب ملکر کام کیجئے۔ عمر نے جواب دیا کہ اگر انصاف کی دعوت دیجئے تو جان حاضر ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کے دروازے پر ہزار مظالم موجود ہیں اور آپ ایک کو بھی دفع کر کے اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دیتے؟

(عیون الاخبار ۲ ص۳۳)

مختصر یہ کہ مالک نے یوں تو عباسیوں ابن سفاح، منصور، مہدی، ہادی ہارون سب ہی کا دور دیکھا ہے لیکن حقیقتاً ان کا ستارہ منصور کے دور میں چمکا یہ اور بات ہے کہ امت کو وہ سکون و اطمینان نصیب نہیں ہو سکا جسکی امید میں بنی امیہ کے خلاف اتنا بڑا انقلاب کیا گیا تھا بلکہ روز بروز امت کی دشمنوں سے کھیل اور عوام کی آزادیوں کا خون ہوتا رہا۔

خراج: بنی عباس نے بنی امیہ پہ جو اعتراضات کئے تھے ان میں خراج کا مسئلہ بھی شامل تھا انہوں نے عوام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ حکومت پانے کے بعد ان تمام سختیوں کو ختم کر دیں گے جو اموی دور حکومت میں ہوتی رہی ہیں اور ٹھیک قرآن و سنت کے اصولوں پہ عمل ہو گا۔ لیکن افسوس کہ ایسا کچھ نہ ہوا بلائیں دوگنی ہو گئیں۔ مصائب میں اضافہ ہو گیا اور زمین والے اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اپنی زمین کو حکام کے نام کرا کے خراج کی بلاء سے نجات حاصل کریں اور اس نام کے عوض میں حکام کو کچھ رقم بھی دیدیا کریں چنانچہ جہشیاری کا بیان ہے کہ "اکثر اہل خراج دو اسباب کی بنا پہ مجبور ہو جاتے تھے کہ اپنی املاک کو حکام یا بادشاہ کے خواص کے نام کر دیں ایک تو حکام کے ظلم و جور سے بچنے کے لئے اور ایک ان حقوق سے بچنے کے لئے جو ان کے ذمہ عائد کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اہواز کا ایک شخص منصور کے وزیر ابوایوب ؒ ریانی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اہواز میں میری املاک ہے خراج والے مجھ پہ ظلم کرتے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں ان املاک کو آپ کے نام کر کے اس سے نجات پا لوں اور آپ کو سالانہ ایک لاکھ درہم دے دیا کروں — ابوایوب نے فوراً منظور کر لیا۔ اہوازی چلا گیا۔ دوسرے سال رقم لے کر آیا اور ابوایوب کو اطلاع دی کہ میں نے آپ کے نام سے بڑا فائدہ اٹھایا چنانچہ یہ مال حاضر ہے۔ ابوایوب یہ دیکھ کر بیحد خوش ہوا۔ (الوزراء والکتاب ص۱۰۵)

ابوایوب منصور کا ایک غلام تھا جسے بچپن ہی میں خرید لیا گیا تھا اور بعد میں اسے وزیر بنا دیا گیا اور پھر جب اس پر غضبناک ہوا تو ۱۵۳ھ میں قتل بھی کرا دیا اور اس کے اموال پر بھی قبضہ کر لیا۔ وزارت ربیع ابن یونس مولیٰ آل عثمان کے پاس چلی گئی اور تاحیات رہی۔

درحقیقت اس وقت ان مظالم کے تذکرے کا موقع نہیں ہے جو بنی عباس کے حکام نے خراج کے سلسلے میں کئے ہیں ورنہ یہ نقل کیا جاتا کہ کس طرح خراج والوں کو درندوں، بلیوں اور مکھیوں سے اذیت دی جاتی تھی یہاں تک کہ ان حکام کے لئے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہ وہ جابر ہیں جن کے دل میں رحم و کرم کا گذر نہیں یہ سانپ سے بدتر ہیں لوگوں کو پیٹتے ہیں گرفتار کرتے ہیں اور ایک ہاتھ کے بل لٹکائے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ (الجہشیاری ص۱۰۳)

اس سلسلے کا بہترین لطیفہ ابن فرات وزیر کے عہد میں ہوا۔ ابن فرات نے محمد بن جعفر بن حجاج سے ۲۹۶ھ میں حساب کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کرنا جو خدا و قیامت سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو لوگوں نے ابو منصور کا حوالہ دیا۔ ابن فرات نے مسئلہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے ابن الحجاج کو بلا کر برا بھلا کہا گالیاں دیں۔ تہمتیں رکھیں اور حکم دیا کہ اسے ننگا کر کے اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا جائے ابن الحجاج کہتا رہا کہ مجھے خدا بچائے گا۔ لیکن لوگوں نے مرمت کر ہی دی اس کے بعد حکم ہوا کہ ایک بلندی پر چرخی نصب کر کے اس میں رسی لٹکائی جائے اور اسی کے ذریعے ابن الحجاج کو معلق کر دیا جائے چنانچہ یہ بھی کیا گیا وہ یہی کہتا رہا کہ خدا بچائے گا لیکن کسی نے ایک نہ سنی بالآخر ابو منصور نے حکم دیا کہ وہیں سے چھوڑ دو لوگوں نے رسی چھوڑ دی وہ جھٹکے سے ابو منصور کے سر پر گرا دونوں زخمی ہو گئے۔ ابو منصور تو گھر پہنچتے پہنچتے ہی مر گیا لیکن ابن الحجاج جیل میں جا کر موت سے بچ گیا۔ (الفخری سلطانیہ ص۲۴۶)

بعض عاملوں کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے پیٹ پر آگ رکھ دیا کرتے تھے اور

بعض لوگوں کے سروں پہ ہتھوڑے چلایا کرتے تھے اور اس قسم کے متعدد افعال تھے جو اس دور کی سیاست میں جائز و مباح سمجھے جاتے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں کا دور بھی بنی امیہ ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ثابت ہوا اور امت کی ان تمام امیدوں پہ پانی پھر گیا جن کی بنیاد پر یہ انقلاب لایا گیا تھا۔ عالم یہ تھا کہ آزادی کی شعاعیں قید خانوں کی تاریکیوں کی نذر ہو گئی تھیں، تلوار کی زبانوں نے فریادیوں کو گونگا بنا دیا تھا اہلبیتؑ اپنی مخصوص دانش و احتیاط کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر رہے تھے، شدت آلام ان کے وقت کی راہ میں حائل نہ ہو سکتی تھی، بنی عباس بھی ان سختیوں پر تل گئے تھے جن میں رحمت کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ اہلبیتؑ کی کڑی نگرانی شروع ہو گئی تھی تاکہ وہ حالات سے عاجز آکر سپر انداختہ ہو جائیں لیکن ایسا کچھ نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عباس کے حصے میں دنیا کی مسرتیں، اموال کی کثرت، سلطنت کا ارتقاء و عروج، عوام کی تباہی اور خونوں کی ارزانی آئی اور آل محمدؐ کے حصے میں لوہے کی گرانی۔ قید و بند کی اذیت، قید خانوں کی تاریکی اور خون سے رنگی ہوئی شہادت کی چادر۔

حکومت میں یہ سارے انقلابات آتے رہے۔ مظالم کے بادل منڈلاتے رہے لیکن امام مالک خاموشی کے ساتھ ان کا مشاہدہ کرتے رہے نہ تاریخ نے ان کی طرف سے کوئی احتجاجی بیان محفوظ کیا ہے اور نہ ان کا کوئی مقابلہ ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ صرف ایک رسالہ کا سراغ ضرور ملتا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں مصر کے مطبع اسیریہ میں چھپا ہے اور ۱۳۲۳ھ میں مطبع محمودیہ میں اور اس کے علاوہ ایک مرتبہ کتاب سعد الشموس کے حاشیے پہ تقریباً ۲۸ صفحات میں نشر ہوا ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مواعظ و نصائح امام مالک نے رشید یا یحیی برمکی کے پاس ارسال فرمائے تھے جسے دیکھ کر رشید نے حکم دیا تھا کہ اسے آب زر سے لکھا جائے۔ قاضی عیاض نے بھی اس کا ذکر کیا ہے

اور ابن حبیب اندلسی نے نواب سے پہلے اس کی روایت کی ہے لیکن اس کی سند صرف یہ ہے - ابوبکر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر ابن الخطاب - مالک بن انس - ابوبکر نے اس بات کو متردد رکھا ہے کہ خط ہارون کو لکھا گیا ہے یا خالد کو بعض حضرات نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ دو مرتبہ لکھا گیا ہے لیکن انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ اس طریقے سے دو مختلف حقیقت کے افراد سے خطاب نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ قاضی اسماعیل مالکی - ابہری - ابومحمد بن ابی زید جیسے مالکی علماء نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس میں بعض غیر معروف حدیثیں بھی درج ہیں - بلکہ ابہری نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ان حدیثوں کو امام مالک سن لیتے تو بیان کرنے والے کو سزا بھی دیتے اس کی حدیثیں مسلک مالک کے خلاف ہیں اس کے مندرجات ان کے اصولوں سے متعارض ہیں - اصبغ بن خرج نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ یہ مالک کا رسالہ نہیں ہے - اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ مالک کا رسالہ نہیں ہے اس لیے کہ اس میں حکام سے خطاب کا انداز ہی نہیں ہے نہ عدل پر آمادہ کرنے کی ترغیب ہے اور نہ ظلم سے پرہیز کرنے کی دعوت صرف چند مستحبات کا ذکر ضرور ہے مثلاً یہ کہ دن میں بارہ رکعت نماز پڑھا کرو اس میں جو کچھ چاہو پڑھو - چاہو تو سب کو ایک ساتھ پڑھ لو ورنہ الگ الگ - ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھو - حمام میں غسل کرو - لوگوں سے کم حاجت طلب کرو کہ اس میں ذلت ہے - میں نے حدیث رسول سنی ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا لوگوں سے سوال مت کیا کرو ---- وغیرہ ---- ظاہر ہے کہ بادشاہوں سے اس قسم کے خطابات نہیں کیے جاتے اور نہ انہیں اس قسم کے احکام کی تعلیم دی جاتی ہے جن کا تعلق ان سے کہیں زیادہ ان کے دست نگر افراد سے ہوتا ہے یہ انداز خود گواہ ہے کہ یہ خط مالک کا نہیں ہے -

بنی عباس کو مالک کے فتووں پر اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ دوسروں کو بھی

اسی پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا کرتے تھے ان کی طرف سے یہ عام منادی تھی کہ سوائے مالک کے کسی کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے - یہاں تک کہ ابراہیم بن سعد زہری ۱۸۴ھ میں عراق آئے اور ہارون رشید نے ان کے ساتھ کافی احسانات کرنے کے بعد یہ سوال کیا کہ وہ کونسا فقیہ ہے جو سماع کو ... سمجھتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس کے دل و دماغ گرفتہ ہوں - رشید نے پوچھا اس مسئلے میں مالک کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اطلاع نہیں ہے البتہ میرے والد نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ بنی یربوع کی ایک دعوت میں چند بزرگوں کا اجتماع ہوا تھا جس میں امام مالک بھی تھے - وہاں گانے بجانے کا سارا سامان مہیا تھا اور خود امام مالک بھی ایک دف لئے ہوئے بجا رہے تھے اور چند اشعار گا رہے تھے (تاریخ بغداد جلد ۸)

منصور بھی مالک پر خاص نظر عنایت رکھتا تھا اس کا اعلان تھا کہ مالک اعلم زمانہ ہیں اور مالک کا ارشاد تھا کہ منصور کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم ہیں یہی حال مہدی - ہادی اور رشید کا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ مالک مرکز خلائق بن گئے ان کے دروازے پر اجتماعات ہونے لگے ان کے اقوال حجاز بھر میں منتشر ہو گئے - ان کی موطا کافی مقبول ہو گئی اور نتیجے میں اس کے روایات میں اختلافات بھی زیادہ ہو گئے -

حجاز میں مالک کے مذہب کو قاضی ابراہیم معروف بہ ابن فرحون نے شدت سے رواج دیا - (نیل الابتہاج حاشیہ دیباج مذہب)

اندلس میں مالک کا مذہب زیاد بن عبدالرحمن متوفی ۱۹۳ھ کے ذریعے پہونچا اور امویوں نے اسے رواج دیا - قاضی القضاۃ یحییٰ بن یحییٰ کا دستور تھا کہ وہ غیر مالکی شخص کو قضاوت کا عہدہ ہی نہیں دیتے تھے - جیسا کہ ابو یوسف بغداد میں حنفی مذہب کے لئے کر رہے تھے -

مختصر یہ ہے کہ متعدد مصائب و تکالیف کے بعد امام مالک نے شہرت و عظمت

اس وقت حاصل کی جب حکومت کی نظر عنایت ان کی طرف مرکوز ہو گئی اور حکومت کی فرمائش پر وہ کتاب موطا بھی تالیف ہو گئی جس پر عمل کرنے کے لئے تلوار کا سہارا لیا جانے لگا تھا۔ (الدیباج المذہب ابن فرحون ص۲۵)

کتاب موطا کے بارے میں ہم عنقریب تفصیلی بحث کریں گے لیکن مالک کے سیاسی نظریات کو نظر انداز کر دیں گے اس لئے کہ ان کی تفصیلات میں جانے سے کافی وقت کے صرف ہونے کا اندیشہ ہے ہاں ایک مسئلے کو ضرور زیر بحث لائیں گے جس میں امام مالک تمام علماء اسلام سے مختلف نظریہ کے حامل ہیں ان کا خیال ہے کہ رسول اکرمؐ کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں ان کے بعد عمر ان کے بعد عثمان اور ان سب کے بعد ساری امت برابر۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ تفصیل سے بحث چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم بحث بھی کریں گے۔

تدوین علم

تدوین علم کے بارے میں گفتگو ان تمام بحثوں کے لئے ایک تمہید کی حیثیت رکھتی ہے جو آئندہ جملہ علوم بالخصوص علم الحدیث کی تدوین کے بارے میں آرہی ہیں اس لئے کہ علم حدیث کو حلال وحرام، تعلیمات واحکام کے سلسلے میں بے پناہ اہمیت حاصل ہے اس پہ شریعت کا دارومدار اور احکام و تعلیمات کا انحصار ہے اور علماء اسلام نے بھی اس علم کے بارے میں کافی جدوجہد سے کام لیا ہے حدیث کے اقسام کو نہایت ہی بسط و شرح کے ساتھ بیان فرمایا ہے لیکن ہم ان تفصیلات کا تذکرہ کرنے سے پہلے دو بحثوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ تدوین کا کام کب سے شروع ہوا۔ صدر اسلام سے؟ اموی دور سے یا عباسی عہد سے؟

۲۔ اسلام میں سب سے پہلے یہ کارنمایاں کس نے انجام دیا۔

ابتدائے تدوین کے بارے میں علماء کے درمیان کافی اختلافات ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ کام عہد صحابہ ہی سے شروع ہوگیا تھا اور بعض اس کا آغاز آخری دور اموی سے قرار دیتے ہیں جب کہ عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے سنن کو جمع کرنے کا حکم دیا اور اسے جمع کراکے شہروں میں بھیج دیا یا بروایتے یہ کام ابن شہاب زہری کے حوالے کردیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عباسی دور میں تالیف کی رفتار تیز ہوگئی تھی اس لئے کہ عباسی سلاطین علمی تحریکات کو کافی مدد دے رہے تھے علوم ان کے زیر سایہ پروان چڑھ رہے تھے۔ ادارے روبہ ترقی تھے۔

اور ان کی خواہش تھی کہ ان تمام وسائل سے اپنی سیاست کو مذہب پرستی کا رنگ دیدیں لیکن گفتگو اس کام کے آغاز کے بارے میں جس کے سلسلے میں علماء کے اقوال حسب ذیل ہیں ۔

سیوطی نے شرح موطا میں لکھا ہے کہ ہروی نے کلام کی مذمت میں زہری کے طریق سے روایت کی ہے کہ عمر بن الخطاب نے سنن کو جمع کرنے کا ارادہ کر کے اصحاب سے مشورہ کیا سب نے تائید کی لیکن ایک مہینہ تک شک کے عالم میں خدا سے طلب خیر کرتا رہے ایک دن جب خدا نے اس عقدہ کو حل کر دیا تو اصحاب کے مجمع میں اعلان کر دیا کہ میں نے سنن کے لکھوانے کا قصد کیا تھا لیکن اتنے دنوں تک غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اہل کتاب نے کتاب خدا کے علاوہ دوسری چیزیں لکھیں تو انہیں اتنی اہمیت دیدی کہ کتاب خدا ترک ہوگئی اب میں کتاب خدا کے ساتھ کسی اور شے کو نہیں ملانا چاہتا لہذا یہ کام ترک ہو جانا چاہیئے ۔ (تنویر الحوالک شرح موطا مالک ص ۳۵)

انہیں کی طرح بہت سے صحابہ اور تھے جو کتابت علم کو برا سمجھتے تھے جیسے ابن عباس، شعبی، قتادہ وغیرہ چنانچہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں رقمطراز ہیں کہ اصحاب نے کتابت علم کو دو وجہوں سے برا سمجھا ہے ۔ ایک تو یہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن جیسی کوئی کتاب نہ ہونے پائے اور دوسرے یہ کہ لوگ کتابت پر اعتماد نہ کرنے لگیں کہ اس طرح حفظ کا رواج کم ہو جائے گا ۔ یہی حضرت عمر کی رائے تھی اور یہی ان کا اجتہاد تھا ۔ اس کے بعد ابن عبدالبر ہی رقمطراز ہیں کہ شروع شروع میں اصحاب کا اعتماد اپنے حفظ پر تھا ان کا کوئی خیال تدوین کی طرف نہ تھا لیکن جب اسلام کا اشتہار ہوا اور صحابہ منتشر ہونے لگے ان کی اکثریت دنیا سے چل بسی تو اس وقت تدوین و کتابت کی ضرورت کا شدت سے احساس ہونے لگا ۔ (جامع بیان العلم ص ۳۷) ۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تدوین کا کام صدر اول کے بعد

شروع ہوا ہے جیسا کہ غزالی نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تدوین کا سلسلہ سنہ ۱۲۰ھ سے شروع ہوا ہے یا بقول بعض اس سے کچھ پہلے عمر بن عبدالعزیز کے دور سے! چنانچہ موطا کی روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو خط لکھا کہ جہاں تک حدیث و سنت تلاش سے مل سکے ایک جگہ جمع کر لو اس لئے کہ اب علماء کی رحلت اور علم کی تباہی کا خطرہ ہے۔ اس کے بعد یہ بھی بتایا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے علوم کو بھی لکھ لو — بلکہ ابونعیم نے تو تاریخ اصفہان میں یہاں تک لکھا ہے کہ اس نے تمام شہروں میں یہ حکم روانہ کر دیا تھا کہ حتی الامکان احادیث کو جمع کر لو"

مذکور الصدر ابوبکر بن محمد ایک مرد انصاری تھے جو مدینہ میں سلیمان بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے قاضی رہے تھے، سنہ ۱۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور سنہ ۹۹ھ سے سنہ ۱۰۱ھ تک عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے قاضی رہے ہیں اس لئے اس حکم کا زمانہ تقریباً پہلی صدی کا آخری سال قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر احمد امین نے لکھا ہے کہ اس امر کا نفاذ قابل بحث ہے اور اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی مجموعہ نہ ہم تک پہونچا ہے اور نہ جامعین حدیث نے اس کا کوئی ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی نگاہ میں اس کی کافی اہمیت ہونا چاہیے تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ بعض مستشرقین نے حکم ہی میں شبہہ پیدا کر دیا حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا ہو لیکن بادشاہ کی رحلت کی وجہ سے اس کی تعمیل نہ ہو سکی ہو۔ ضحی الاسلام ج ۲ ص ۱۰۷

عباسی دور میں دوسری صدی کے نصف تک تالیف کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا تھا اور ہر مقام پر جمع احادیث کا جذبہ عام ہو گیا تھا۔ چنانچہ مکہ میں ابن جریج متوفی سنہ ۱۵۰ھ نے احادیث جمع کیں لیکن بخاری نے ان کی توثیق نہیں کی۔ مدینہ میں محمد بن اسحاق متوفی سنہ ۱۵۱ھ اور مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ھ نے

یہ کام انجام دیا۔ بصرہ میں ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ۔ سعید بن ابی عروبہ متوفی ۱۵۶ھ۔ حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۷ھ نے یہ خدمت کی۔ کوفہ میں سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ نے۔ شام میں اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ نے۔ یمن میں معمر متوفی ۱۵۳ھ نے۔ خراسان میں ابن مبارک متوفی ۱۸۱ھ نے۔ اور مصر میں لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ نے یہ کام انجام دیا۔

صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ علماء اسلام میں پہلے مصنف کے بارے میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ عبدالعزیز بن جریج البصری متوفی ۱۵۵ھ ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ابوالنضر سعید بن عروبہ متوفی ۱۵۶ھ ہیں جیسا کہ خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ پہلے ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ ہیں اس کے بعد سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ اور مالک بن انس نے مدینہ میں تصنیف کی۔ عبداللہ بن وہب متوفی ۱۹۸ھ نے مصر میں عبدالرزاق نے یمن میں۔ محمد بن فضیل بن غزوان نے کوفہ میں۔ حماد بن سلمہ اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں۔ ہشیم متوفی ۱۸۳ھ نے واسط میں۔ اور عبداللہ بن المبارک متوفی ۱۸۲ھ نے خراسان میں یہ کام انجام دیا۔

علامہ غزالی کا احیاء العلوم میں بیان ہے کہ صحابہ اور صدر تابعین کے زمانہ میں کتابوں اور تالیف وتصنیف کا کام نہیں ہوا تھا یہ سلسلہ ۱۲۰ھ سے تمام صحابہ اور بزرگ تابعین بلکہ سعید بن المسیب اور حسن کے بھی انتقال کے بعد سے شروع ہوا ہے بلکہ سابق بزرگ تو ان باتوں کو برا سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ کہیں اس طرح لوگ قرآن، حافظہ اور ذکر وفکر سے غافل نہ ہو جائیں ان لوگوں کی تعلیم صرف یہ تھی کہ ہماری طرح حافظہ کرو۔ امام احمد بن حنبل نے مالک کی موطا نویسی کو بدعت سے تعبیر کیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلی تصنیف کتاب الآثار ابن جریج اور حروف التفاسیر مجاہد وعطا واصحاب ابن عباس ہے اس کے بعد معمر بن راشد متوفی ۱۵۲ھ نے یمن میں سنن کو جمع کیا۔

اس کے بعد مدینہ میں موطا کی تالیف ہوئی اس کے بعد سفیان ثوری کی جامع اور پھر چوتھی صدی سے علم کلام کی بحثوں پر تالیفات منظر عام پر آنے لگیں اور تردید و ابطال پر جھگڑے شروع ہو گئے۔ (احیاء العلوم ۲ ص۱۴۱۔۱۴۲)

ابن عبد البر نے عبد العزیز داوردی سے نقل کیا ہے کہ تالیف کا کام سب سے پہلے ابن شہاب نے کیا ہے۔ اور عبد الرحمٰن بن ابی الزناد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ہم صرف حرام و حلال لکھتے تھے اور ابن شہاب جو کچھ سنتے تھے وہ سب درج کر لیا کرتے تھے۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مصر میں سب سے پہلے جس قاضی نے اپنے فیصلوں کو مرتب کرایا وہ سلیم بن عتر ہیں جنہوں نے میراث کا فیصلہ کیا اور اس پر گواہ بنائے پھر قضاوت پر کتاب لکھی اور اس میں رؤساء لشکر کو گواہ بنایا۔ سلیم کی قضاوت ۴۰ھ سے معاویہ کی موت تک جاری رہی۔

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جمع کا کام دوسری صدی ہجری کے دوسرے نصف سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر یہ فکر تمام شہروں میں پھیل گئی۔ لیکن یہ فیصلہ دشوار ہے کہ کس شہر میں یہ کام پہلے ہوا۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ابن جریح نے مکہ میں سب سے پہلے انتقال کیا اس لئے شاید وہ سب سے پہلے مصنف ہوں اس کے بعد یہ سلسلہ حج کے ذریعہ عام ہوا جیسے جیسے لوگ حج کی غرض سے مکہ آتے رہے ویسے ہی ویسے یہ طرز عمل مختلف شہروں میں عام ہوتا گیا اور ہر شخص نے اپنے شہر کی حدیثوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

افسوس یہ ہے کہ ان تمام ارباب قلم نے اہلبیت اور ان کے پرستاروں کے جذبات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور یہ بات زیادہ حیرت انگیز بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس دور کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے سیاست کے تقاضے ذہنی زد کو موڑ ہی دیا کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت

کا میدان اہلبیتؑ ہی کے ہاتھ رہا ہے یہی حضرات وہ تھے جنہوں نے تدوین علوم پر پوری توجہ دی اپنے تلامذہ کو باقاعدہ تعلیم دی اور ان لوگوں نے بھی باقاعدہ ان تعلیمات کو حفظ کیا اور اپنی دستاویزوں میں مرتب کیا۔ چنانچہ علامہ مصطفےٰ عبدالرزاق فقہ کی پہلی تدوین کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ تدوین فقہ کا جذبہ شیعوں میں دوسروں سے پہلے عام ہوا اس لئے کہ آئمہ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ ان کے لئے اس بات کا بہترین محرک تھا کہ وہ ان کے فیصلوں اور فتوؤں کو باقاعدہ طور منضبط کرلیں۔ (تمہید تاریخ فلسفۂ اسلامیہ ص ۲۰۳)

چنانچہ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب "قضاء الامام علی ابن ابیطالبؑ" تھی جس کا ایک نسخہ ابن عباس کے پاس تھا اور وہ اسی پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

"اہل البیتؑ"

تدوین علوم کے سلسلے میں سبقت کا جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ دشمنانِ آل محمدؐ نے اس میدان میں بھی حق کو چھپانے اور باطل کو حق بنانے کی کوشش کی ہے ان کی خواہش تھی کہ اہلبیتؑ کا نام خیر کے ساتھ نہ لیا جاسکے۔ انہوں نے ان کی ہر فضیلت پر پردہ ڈالنے کی ناکام سعی کی ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جس نے اس سازش میں حصہ نہیں لیا اور حق آل محمدؐ کی حفاظت کرتی رہی۔ حقیقت امر یہی ہے کہ اہلبیتؑ کو اس میدان میں بھی سبقت و اولیت کا فخر حاصل ہے اور اسلام میں سب سے پہلی کتاب امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ کی کتاب "القضاء" تھی جسے ابن عباس اپنے پاس محفوظ کئے ہوئے تھے اور اس کے علاوہ آپ کی اولاد کے پاس آپ کے مختلف صحیفے تھے جو ہر نسل میں

و راثۃً" منتقل ہوتے رہے۔ اور جنہیں آپ کے زمانے میں عبداللہ بن ابی رافع اور اصبغ بن نباتہ وغیرہ نے منتقل کیا تھا۔

عہد مالک! اسلامیات کا سب سے عظیم ترین سرمایہ امیرالمومنین کا وہ عہدنامہ ہے جو آپ نے مالک اشتر کے نام لکھا تھا جس میں اسلام کے ان اہم ترین اصول و قواعد کا ذکر کیا تھا جو قضاوت اور حکومت سے متعلق تھے، باہمی ضمانت، انسانی تعاون، قیام عدل، حسن انتظام، خوبی سیاست تنظیم لشکر، اصلاح قوم، بیان خراج، تعمیر ممالک، تجارت و صنعت جیسی کوئی شے نہ تھی جسے حضرت نے مکمل طریقہ سے اس کتاب میں جمع نہ کر دیا ہو۔

اس عہد نامہ کا شمار ان قوانین میں نہیں ہے جو عام طور سے گورنروں کے نام لکھے جاتے ہیں بلکہ یہ درحقیقت ایک مکمل کتاب ہے جس میں اسلامی سیاست وحکومت کا مکمل نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ صاحبان فکر و نظر نے بھی اس کی طرف مکمل توجہ کی ہے اور علماء قانون نے بھی اس کی باقاعدہ شرحیں لکھی ہیں جس کے بعد اسے کسی کتاب کا جزو فرض کر لینا کسی طرح مناسب نہیں ہے بلکہ اسے ایک مستقل کتاب کی حیثیت ملنی چاہیئے، جس کی شرحوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شرح علامہ مصلح شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ المعروف بہ "مقتبس السیاسۃ" مطبوعہ ۱۳۱۷ھ۔
۲۔ شرح سید ماجد بحرینی المعروف "تحفہ سلیمانیہ" مطبوعہ تہران
۳۔ شرح ملا محمد صالح قزوینی قرن یازدہم
۴۔ شرح ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ
۵۔ شرح سلطان محمد متوفی ۱۳۵۲ھ المعروف بہ "اساس السیاسۃ فی تاسیس السیادۃ"
۶۔ شرح علامہ ہادی بیرجندی مطبوعہ ۱۳۵۵ھ
۷۔ شرح حسین ہمدانی "ہدیۃ الحسام لہدایۃ الحکام"

۸۔ ترجمہ فاضل محمد جمال الدین بزبان ترکی منظوم
۹۔ شرح علامہ شیخ عبدالواحد المظفر "السیاسۃ العلویہ" ۳ جلد مخطوط
۱۰۔ شرح شارحین نہج البلاغہ مثل ابی ابن الحدید، شیخ میثم وغیرہ (ان شرحوں کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے)
۱۱۔ شرح علامہ قانون استاد توفیق فکیکی المعروف بہ "الراعی والرعیہ" مطبوعہ ۱۳۵۸ھ نجف اشرف دو جلد

اس کے علاوہ اور بہت سی شرحیں ہیں جن کا تذکرہ آقائے شیخ محسن طہرانی دام ظلہ نے کتاب الذریعہ میں کیا ہے لیکن علامہ توفیق کی شرح ایک خاص امتیاز کی حامل ہے اس لئے کہ اس میں اسلامی قوانین کو دور حاضر کے اصول حکومت پر منطبق کر کے دونوں کے تقابل کا فریضہ انجام دیا گیا ہے۔

امیرالمومنینؑ کا یہ عہد نامہ سیاست، تنظیم، قضاوت، معاشیات، دستور کے اعتماد سے اسلام کے اہم ترین اصول و قواعد کا حامل ہے اور ان تمام توجہات کا واقعی مستحق ہے جو علمائے اسلام کی طرف سے مبذول ہوئی ہیں امیرالمومنینؑ کے بعد آپ کی اولاد طاہرینؑ میں بھی تدوین علم کا کام برابر جاری رہا ہے۔

رسالۃ الحقوق! تدوین علوم کی بحث میں امام زین العابدینؑ کے اس رسالہ حقوق کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جو قرن اول کی سب سے اہم کتاب ہے اور جس میں انسانی حقوق کو پچاس حصوں پر تقسیم کر کے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، انسان کی نفسانی اصلاح، اس کے اجتماعی تعلقات، حکام کے فرائض، رعایا کی ذمہ داریاں، عبودیت کے آئین، خدا کے اصول و قواعد اور اسی قسم کی بے شمار باتیں ہیں جن پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے، حق نماز، حق سلطان، حق رعایا، حق قرابت، حق والدہ، حق ولد، حق مصاحب، حق دوست، حق دشمن، حق مسافر جیسی بے مثل باتوں کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے ۔ یہ رسالہ طہران میں "تحف العقول" کے ضمن میں طبع ہو چکا ہے ۔

مسند زید! حضرت زید بن علی بن الحسینؑ کی مسند جس میں انہوں نے اپنے برادر محترم امام محمد باقرؑ کے فرامین و ارشادات جمع کئے ہیں محدثین کے درمیان کافی شہرت رکھتی ہے ان حضرات نے اس کا باقاعدہ اعتماد کیا ہے اور کتب حدیث میں اس کی علامت " ز " ہے صاحب مفاتیح کنوز السنہ نے اسے قابل اعتماد کتابوں میں شمار کیا ہے ۔ اس کے علاوہ حضرت محمد حنیفہ کی بھی ایک مسند حدیث کافی شہرت رکھتی ہے ۔

جناب زید کی مسند کے علاوہ ان کی ایک "مدونہ" بھی ہے جس کا انکشاف جنوبی عرب کے خطہ میلانو میں مکتبہ امبروزیہ میں ہوا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب تاریخ تالیف کی قدیم ترین کتاب ہے اس لئے اس بحث میں اسے اس کا جائز مقام ملنا چاہیئے ۔ (تمہید لتاریخ الفلسفہ الاسلامیہ ص۲۰۲)

تالیف کے میدان میں اہلبیتؑ کی سبقت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے ان حضرات نے خود بھی تدوین کی ہے اور اپنے شاگردوں سے بھی یہ کام لیا ہے ۔ اکثر شاگردوں کو کتابت کا حکم دیا اور ان لوگوں نے ان کے فرمائشات و ارشادات کو باقاعدہ محفوظ کیا ۔ جس کا سلسلہ عہد امیر المومنینؑ سے شروع ہوا ہے ۔

علی بن رافع (غلام رسول اکرمؐ) امیر المومنینؑ کے خواص اور زلامذہ میں سے تھے نجاشی نے انہیں مصنفین شیعہ کے طبقہ اول میں شمار کیا ہے انہوں نے امیر المومنینؑ کے ارشادات کی روشنی میں فقہ کی ایک کتاب مرتب کی ہے اور ایک کتاب سنن واحکام میں لکھی ہے ۔

ابو سلیمان زید الجہنی یہ امیر المومنینؑ کی فوج کے سپاہی تھے اور انہوں نے آپ کے خطبوں کو جمع کیا ہے ۔

عبید اللہ بن ابی رافع جو آپ کے کاتب تھے اور انہوں نے کتاب القضایا مرتب کی ہے جس کے راوی شیخ طوسیؒ ہیں اس کے علاوہ ایک کتاب میں جمل و نہروان و صفین کے علوی مجاہدین کی فہرست بھی مرتب کی ہے جو بقول علامہ شیخ محسن طہرانی صاحب کتاب "مصفی المقال" علم رجال کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

سلیم بن قیس ہلالی ان کی کتاب مشہور ہے جس کے راوی ابان بن عیاش ہیں جیسا کہ آئندہ بالتفصیل بیان ہوگا۔

اس کے علاوہ دور امیر المومنینؑ کے بہت سے اصحاب ہیں جنہوں نے تدوین کا کام انجام دیا ہے۔ پھر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے دور میں جب یہ کام ترقی کر گیا تو تدوین کا ذوق بھی عام ہو گیا اور ائمہ معصومین کے شاگردوں نے باقاعدہ یہ کام شروع کر دیا جس کا ایک خاکہ یہ ہے۔

"دور امام محمد باقرؑ"

آپ کے دور میں علمی ترقی خود اس بات کا باعث تھی کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ آپ نے بھی نشر علوم پر پوری قوت صرف کر دی اور طلاب حقیقت نے بھی آپ سے باقاعدہ استفادہ کیا آپ سے بہتر رہنما اور مرشد اس دور میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ آپ نے سب سے پہلے علم اصول کی بنیاد رکھی اس کے مسائل کی طرف توجہ دلائی اور آپ کے فرزند امام جعفر صادقؑ نے اپنے اصحاب کو اس کے قواعد تعلیم کئے جسے علماء اعلام نے محفوظ کیا اور بعد کے مصنفین نے اپنے ذوق کے مطابق مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا اور جو آج بھی اپنی سند کے ساتھ بے کم و کاست موجود ہے۔

امام محمد باقرؑ کی نگرانی میں علم اصول کے پہلے مصنف ہشام بن الحکم ہیں

جنہوں نے علم اصول کی اہم ترین بحث "کتاب الالفاظ" میں درج کی ہے اس کے بعد یونس بن عبدالرحمٰن ہیں جنہوں نے تعارض احادیث پر "کتاب اختلاف الحدیث" تالیف کی ہے ۔ اس کے بعد اس تحریک میں وسعت پیدا ہوگئی اور ابو سہل نوبختی، حسن بن موسیٰ نوبختی ۔ درج ثالث ۔ ابن الجنید، ابو منصور، ہمام ابن داؤد، شیخ مفید، سید مرتضیٰ جیسے اعلام منظر عام پر آنے لگے ۔ ایسے حالات میں شافعی کو علم اصول کا واضع قرار دینا حقیقت پر ظلم اور انصاف سے ناانصافی ہے جبکہ باقی علماء اسلام نے بھی اس کی تائید نہیں کی اور حنفیہ، مالکیہ کے اصول کو مقدم قرار دیا ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امام شافعی نے علم اصول پر تفصیلی بحث کی ہے اور وہ علماء اہلسنت میں سابق کا درجہ رکھتے ہیں لیکن مصنفین شیعہ کے اعتبار سے ان کا درجہ بہت متاخر ہے ۔ خود ابن ندیم نے بھی اپنی فہرست میں ہشام بن الحکم کی کتاب مباحث الالفاظ کا تذکرہ کیا ہے ۔ بلکہ ابن ندیم نے تو محمد بن الحسن شیبانی کی کتاب اصول الفقہ کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اور بعض حنفی علماء نے حنفی اصول فقہ کا پہلا مصنف ابو یوسف کو قرار دیا ہے ۔ (مناقب ابی حنیفہ المکی ۲ ص ۲۴۵) ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعی سے پہلے بھی علماء اسلام میں علم اصول کے مصنف پائے جاتے تھے ۔ اور علماء شیعہ کا درجہ ان سب سے مقدم تھا ۔

زرکشی نے بحر محیط میں دعویٰ کیا ہے کہ اصول فقہ کی پہلی کتاب "کتاب الرسالہ" اور "کتاب احکام القرآن" ہے، اور ابن خلدون کا بیان ہے کہ اصول فقہ کے پہلے مولف امام شافعی ہیں جنہوں نے اپنے رسالے میں اوامر ونواہی، نسخ و قیاس کے مسائل کا ذکر کیا ہے ۔ کشف الظنون میں بھی انہیں پہلا مولف قرار دیا گیا ہے ۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام شافعی مولف ہیں واضع نہیں ہیں اور اس میدان میں ہشام بن الحکم ان سے سابق ہیں جنہوں نے اپنے معلومات امام جعفر صادق سے اس وقت اخذ کیے تھے ۔ جب شافعی کی ولادت بھی نہ ہوئی تھی ۔ شافعی کا سن

وفات ۱۷۹ھ ہے اور اس طرح ہشام اخذ و تالیف دونوں کے لحاظ سے شافعی سے مقدم ہیں۔ شہرستانی نے بھی ہشام کو علم اصول میں صاحب غور و فکر قرار دیا ہے۔ اور شافعی کے رسالے کی ابو سہل نوبختی (دیکھئے از علماء قرن سوم) نے تردید کی ہے۔ خود امام محمد باقرؑ نے بھی ایک کتاب تفسیر میں لکھی ہے جس کی روایت ابوالجیا رود نے کی ہے۔ اور آپ کے شاگردوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ثابت بن دینار۔ ان کی ایک کتاب ہے شیخ طوسی نے ایک طریق سے روایت کی ہے اور دو کتابیں کتاب النوادر اور کتاب الزہد۔ حمید بن زیاد نے محمد بن عیاش سے روایت کی ہیں۔

ابان بن تغلب۔ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے اور بقول ابن ندیم مختلف کتابوں کے مولف تھے۔

حجر بن زائد حضرمی۔ ان کی ایک کتاب فقہ میں تھی جسے نجاشی نے چھ واسطوں سے نقل کیا ہے۔

سلام بن ابی عمرہ خراسانی۔ ان کی ایک کتاب تھی جس کی روایت عبداللہ بن جبلہ اور نجاشی نے کی ہے اور جس کا نسخہ آج بھی باقی ہے (الذریعہ جلد ششم)

کلیب بن معاویہ بن جبلہ صیداوی اسدی۔ ان کی ایک کتاب حدیث میں تھی جس کی ایک جماعت نے روایت کی ہے منجملہ ان کے عبدالرحمن بن ابی ہشیم اور نجاشی بھی ہیں۔

"دور امام جعفر صادق"

علمی تحریکات اور تالیفی رجحانات کا روشن ترین زمانہ امام جعفر صادقؑ کا دور تھا آپ اس دور کے معلم اول اور اس قافلے کے میر کارواں تھے آپ کے

مدرسہ فکر میں امت کے عظیم افراد۔ اور صاحبان فکر و نظر تحصیل علوم کیا کرتے تھے۔ آپ کا بیت الشرف مختلف علوم حدیث و تفسیر و حکمت و کلام کی ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں دو چار ہزار طلاب علوم بیک وقت حاضری دیتے تھے۔ اور اپنی علمی تشنگی کو رفع کیا کرتے تھے، آپ کے شاگردوں کا قاعدہ تھا کہ آپ کے ملفوظات کو ایک کتاب میں جمع کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ مجموعہ مذہب جعفری کی ایک انسائیکلو پیڈیا بن گیا جس کی تعداد امام حسن عسکریؑ کے دور میں چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ ہشام بن الحکم۔ مومن طاق۔ زرارہ۔ ابو بصیر۔ محمد بن مسلم اس مدرسہ کے نمایاں ترین شاگرد تھے اور یہی افراد بعد میں مذہب شیعہ کی مرجعیت کے حامل بنے اور انہیں کی روایتوں سے فقہ جعفری مرتب ہوئی۔ (رسالہ الاسلام شمارہ ۴ سال ششم مقالہ استاد سید صادق شاہ پروفیسر مکتبۃ الآداب قاہرہ)

امام جعفر صادقؑ اور دیگر ائمہ معصومینؑ کے شاگردوں میں ذوق تالیف اتنا عام ہو چکا تھا کہ یہ حضرات اس میدان میں برابر سبقت لے جانے کی فکر میں رہا کرتے تھے چنانچہ اسی دور میں چار سو تصنیفات مرتب ہو چکی تھیں اور آقائے شیخ محسن بزرگ طہرانی کے بیان کے مطابق تو صرف امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں دو سو سے زیادہ افراد تھے جو تالیف کا کام کر رہے تھے اور باقی ائمہ کے شاگردوں کو ملانے سے بعد "اصول" کے علاوہ کتابوں کی تعداد ۷۴۹ تک پہونچ گئی تھی۔ آقائے بزرگ کے بیان کا تتمہ یہ ہے کہ "قدماء اصحاب کی تالیفات کو ہم یہاں تک تلاش کر سکے ہیں اور یہ ان تالیفات کا ذکر ہے جن کا نام کتاب ہے ہم نے کتاب الحدیث سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ اس میں ائمہ معصومین سے حاصل کی ہوئی حدیثوں کا تذکرہ ہے جن میں روایات کو بعد میں کافی و تہذیب، استبصار و فقیہ میں جمع کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد وافی و بحار و وسائل و مستدرک وغیرہ میں جگہ دی گئی ہے ان کے علاوہ کچھ مخطوط مجموعہ بھی پائے جاتے ہیں جیسے جامع المعارف والاحکام۔ جوامع الکلم درر البحار۔ الشفافی اخبار آل مصطفےٰ۔ مستدرک صوافی۔ مستدرک البحار وغیرہ۔

(الذریعہ ۶ ص۳۰۱)

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تدوین علوم کے میدان میں

خلاصہ! اہلبیتؑ سب سے زیادہ مقدم حیثیت رکھتے ہیں انہیں حضرات نے آثار پیغمبرِ اسلام اور اخبار وحی والہام کا تحفظ کیا ہے اور یہی علم کے معدن وحی کے مخزن، رسول اعظم کے وارث، قرآن کے ہمسر اور آسمانی پیغام کے ترجمان رہے ہیں۔ یہ تو انتہائی ظلم اور ناانصافی ہے کہ تدوین وتقدم کی بحث میں ایسی ہی شخصیتوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ حالانکہ اگر حکومتوں کا جبر اور سلطنتوں کا دباؤ حائل نہ ہوتا تو یہی حضرات منظر تاریخ پر ہوتے اور انہیں کا نام زیب فہرست ہوتا۔

اہلبیتؑ کی سبقت کا ایک لازمی اثر یہ بھی تھا کہ ان کے شیعہ بھی تالیف وتدوین کے میدان میں دیگر فرقوں سے سابق رہے یہ اور بات ہے کہ محبت اہلبیتؑ کے جرم میں انہیں بھی موخر بنا دیا گیا اور اموی وعباسی سیاست نے یہ بات گوارہ نہ کی کہ ان کے آثار نشر ہو سکیں یا ان کا نام منظر تاریخ پر آسکے اس لئے کہ بات ان کے سیاسی مقاصد کے خلاف تھی اور ان حضرات کی شہرت سے ان کی حیثیت بے حد متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے ایک عام حکم یہ ہو گیا کہ کوئی شخص حضرت علیؑ یا باقی اہلبیتؑ سے روایت نقل نہ کرے محدثین کی زبان پر اس طرح مہر لگ گئی کہ حضرت علیؑ کی روایت کو ابوزینب کے نام سے نقل کیا کرتے تھے۔

بنی عباس کا دور جس میں علمی تحریکات کو فروغ دیا جا رہا تھا۔ اور تالیف وتدوین کے جذبات عام ہو رہے تھے اس وقت یہ شیعہ ہی تھے جو ان تحریکات میں قائد کی حیثیت رکھتے تھے لیکن سیاست وقت کا تقاضا یہی تھا کہ آل محمدؐ کے احکام کو تسلیم کرنے والے بلکہ ان سے محبت کا اظہار کرنے والے متہم قرار دئے جائیں اور انہیں ناقابل عفو قسم کا مجرم ٹھہرایا جائے چنانچہ علماء کی ایک بڑی جماعت اس بات

کی زد میں آگئی۔

امام شافعی کو بھی شیعیت کا ملزم قرار دیدیا گیا اس لئے کہ وہ محبت علیؑ کا اعلان کرتے تھے اور رباعیوں کے بارے میں ان کے احکام پر اعتماد کرتے تھے صاحب مستدرک امام حاکم کو مجرم ٹھہرایا گیا کہ وہ معاویہ پہ اعتراض کرتے ہیں اور انہوں نے حدیث موالات وغیرہ کی روایت کی ہے۔ حافظ دارقطنی پر شیعیت کا الزام لگا کہ وہ سید حمیری کا دیوان حفظ کئے ہوئے ہیں۔ حافظ نسائیؒ کو سخت ترین سزا دی گئی کہ انہوں نے معاویہ کے فضائل نہیں نقل کئے اور فضائل علیؑ کی حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور اس طرح کے بے شمار علماء ہیں جنہیں محبت اہلبیتؑ کے نام پر مختلف سزاؤں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اور اس کا سبب یا ان کے مناقب کی حدیثوں کا روایت کرنا تھا یا ان کے مقرر کئے ہوئے اصول کے احکام شریعت کا استنباط کرنا تھا۔ البتہ بعض علماء ایسے بھی تھے جنہیں اہلبیت سے انحراف اور حکومت کی تائید ہی عزیز تھی ان لوگوں نے فضائل کی حدیثوں کو ترک کر دیا اور حکومت کی نظروں میں مقرب بن گئے۔

شیعوں کے علاوہ باقی مسلمانوں کا تالیفی کاروبار دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا جس کی مشہور ترین کتابیں شعبہ بن الحجاج المتوفی ۱۶۰ھ کی مصنف سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ کی مصنف، لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ کی مصنف مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کی موطا، شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کی مسند و مختلف الحدیث امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی جامع اور اوزاعی و حمیدی وغیرہ کے مجموعہ ہیں۔

"موطا مالک"

اس مقام پر حسب وعدہ امام مالک کی موطا کے بارے میں ایک مختصر تبصرہ ضروری ہے۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ دوسرے سال حج کے موقع پر منصور نے

امام مالک سے ملاقات کر کے مختلف مسائل پہ گفتگو کے بعد عامل مدینہ کی گستاخیوں کی معذرت کرتے ہوئے یہ حکم دیا تھا کہ آپ ایک ایسی کتاب لکھ دیں جو سرکاری کتاب ہو اور جس پہ عمل سب کے لیئے ضروری ہو تاکہ امت میں اتحاد اور نظام شریعت میں تنظیم پیدا ہو سکے لیکن شرط یہی ہے کہ حضرت علیؑ سے کوئی روایت نہ ہو چنانچہ مالک نے اس شرط کو پورا کیا اور حضرت علیؑ سے کوئی روایت نہیں لی۔

موطا نے علماء اسلام کے درمیان کافی شہرت پائی بعض لوگوں نے بے مثل اور کتاب خدا کے بعد دوسری کتاب قرار دیدیا۔ مقدمہ التقصی لابن عبد البر اس کی تعریف میں خواب آلود روایتیں وضع کی گئیں اور آنحضرتؐ کی طرف اس ارشاد کی نسبت دی گئی کہ کتاب خدا اور میری سنت کے بعد اجماع مسلمین میں موطا سے زیادہ صحیح حدیث کہیں نہیں ہے۔ (کشف المغطیٰ فی شرح الموطا) ایک روایت یہ بنائی گئی کہ موطا کا نام حضور اکرمؐ ہی نے تجویز فرمایا ہے۔ جبکہ خود مالک کا بیان ہے کہ میں نے اپنی کتاب کو مدینہ کے ستر فقیہوں کے سامنے پیش کیا اور سب نے میری موافقت کی اس لئے میں نے اس کا نام موطا رکھدیا۔ (شرح زرقانی موطا ا ص)

مالک نے پہلے اس کتاب میں دس ہزار حدیثیں جمع کی تھیں اس کے بعد ان کی تطہیر و تہذیب شروع کی تو آخر میں صرف ۱۷۰۰ اور بقولے ۱۵۰۰ حدیثیں باقی رہ سکیں اور باقی نذر انتخاب ہو گئیں۔ تعداد کے اس اختلاف کی بنیاد مختلف نسخوں کا نہ یادتی و کمی اور استاد و ارسال کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ (شرح زرقانی ا ص)

کتب حدیث کے درمیان موطا کی حیثیت بھی ایک اختلافی شئے ہے بعض لوگوں نے اسے بخاری و مسلم پہ مقدم کیا ہے جیسے ابن العربی، ابن عبد البر سیوطی جیسا کہ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ موطا امام مالک اور ان تمام لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو مرسل و منقطع سے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں۔

(مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں سے کوئی صحابی کم ہوگیا ہو اور تابعی نے براہ راست رسول اکرمؐ سے روایت کی ہو۔ اور منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی کم ہوگیا ہو)

موطا میں کل ۱۷۲۰ حدیثیں ہیں ۶۰۰ مسند ۲۲۸ مرسل ۶۱۳ موقوف اور ۲۸۵ تابعین کے اقوال ہیں۔ موطا کے مراسیل دیگر ذرائع سے مسند کی حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن ابن حزم کا کہنا ہے کہ موطا میں ۷۰ ایسی حدیثیں ہیں جن پر خود مالک نے عمل نہیں کیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ ضعیف حدیثیں ہیں جن میں جمہور علماء نے ترک کیا ہے۔ (مفتاح السنہ خولی ص۲۴)

موطا کے مشمولات کے بارے میں علماء کے درمیان شدید اختلافات پائے جاتے ہیں مالکی لوگ مرسل کو بھی معتبر جانتے ہیں اس لئے پوری موطا کو صحیح کا درجہ دیتے ہیں۔ دوسرے افراد مرسل کے اعتبار میں شرائط کے قائل ہیں اس لئے وہ اسے غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ بعض مالکی حضرات نے تو اس کے مراسیل کو بھی مسند بنانے کی باقاعدہ کوشش کی ہے۔ بہر حال موطا حدیث کی سابق کتابوں میں شمار ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ اسے پہلی کتاب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مالک کے بعد اس کتاب کو محمد بن الحسن شیبانی نے عراق میں، یحیٰی بن یحیٰی نے اندلس میں۔ عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن قاسم اور اشہب نے مصر میں۔ اسد بن الفرات نے قیروان میں نشر کیا۔

دوسری صدی تک اہلسنت کے تالیفی کام کی مختصر شکل یہ تھی۔ رہ گئی باقی صدیوں کی تفصیل تو وہ اس کے بعد آرہی ہے۔ علماء شیعہ کا تالیفی کام بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ جو ابتک ہر اعتبار سے دائم و قائم ہے۔

قرن ثالث: اس صدی میں تدوین کا کام پوری آب و تاب سے جاری ہوگیا تھا۔ احادیث کے راوی روایات کو جدا جدا مرتب کر رہے تھے پہلے رسول اکرمؐ کی حدیثوں کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتوے

شامل ہو جایا کرتے تھے لیکن اب سب کا تذکرہ الگ الگ ہونے لگا تھا اس دور میں اہلسنت کی مشہور کتابیں بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، صحیح ترمذی، سنن ابن ماجہ۔ تالیف ہوئیں جنہیں صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان میں سب سے زیادہ قدیم اور اہم کتابیں بخاری اور مسلم ہیں جنہیں صحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے مولفوں کو شیخین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان دونوں کے بارے میں باہمی اختلاف یہ ضرور ہے کہ کونسی کتاب زیادہ اہم و صحیح ہے لیکن اس بات کو اس مقام پر ترک کرتے ہوئے سب کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دینا ہی کافی ہے۔

۱۔ صحیح بخاری

بخاری۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بروزبہ متولد ۱۹۴ھ متوفی ۲۵۶ھ ان کا تعلق ایران کے ایک مجوسی خاندان سے تھا جس میں سب سے پہلے ان کے جد اعلیٰ مغیرہ، یمان جعفی کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے تھے جس کی وجہ سے بخاری کو جعفی لکھا جاتا ہے کہ یہ آل جعفی کے غلاموں میں شمار ہونے والے خاندان کی ایک فرد تھے، بخاری بچپن سے یتیم تھے ان کی نشو و نما ماں کی آغوش میں ہوئی تھی انھوں نے تحصیل احادیث کے لیے متعدد سفر کیے اور اپنی کتاب ایک نئے ڈھنگ سے مرتب کی صرف ایک شہر کی روایتوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ ہر شہر سے حدیثیں تلاش کر کے جمع کیں جو کام اس کے پہلے علی ابن المدینی نے کتاب العلل میں کیا تھا۔ ابن المدینی کو اپنی یہ کتاب بیحد عزیز تھی اور بخاری بھی اس کے چکر میں تھے۔ چنانچہ ایک دن ابن المدینی اپنی کسی جائیداد کی فکر میں باہر گئے ہوئے تھے بخاری نے موقع پا کر ان کی اولاد کو تیار کیا اور کافی رقم دیکر پوری کتاب نقل کرالی. ابن المدینی کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو بیحد غمگین ہوئے اور چند روز کے اندر انتقال کر گئے۔ بخاری نے اس کتاب سے بیحد فائدہ اٹھایا وہ وہاں سے

خراسان چلے آئے اور اسی نہج پر اپنی صحیح مرتب کر ڈالی۔ (تہذیب التہذیب ۹ ص۵۲)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اپنے طرز کے موجد نہیں تھے بلکہ انہوں نے یہ سب کچھ ابن المدینی کی کتاب سے لیا تھا۔ اس کے باوجود ان کی کتاب تنقید سے محفوظ نہ رہ سکی اور جیسا کہ ہم نے جلد اول میں بیان کیا ہے علماء اسلام نے اس کی ۱۲۰ حدیثوں پر زبردست تنقید کی ہے بلکہ تنقید کے قابل حدیثیں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ امام بخاری پر تقطیع حدیث کا بھی الزام موجود ہے۔

بخاری کی کل احادیث معلق ومقطوع وموقوف کو چھوڑنے کے بعد مع مکررات کے ۷۳۹۷ ہیں اور بغیر مکررات کے متصل السند ۲۶۰۲ ہیں اور معلق ومرفوع وغیرہ ۱۵۹۔

(معلق وہ حدیث ہے جس کی سندیں سے شروع ہی سے کوئی راوی گر جائے۔ موقوف وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر ہو اور حضور اکرمؐ کا حوالہ نہ ہو مقطوع وہ حدیث ہے جس کی سند صرف تابعی تک پہونچتی ہو اور اس میں صحابی کا ذکر نہ ہو۔ مرفوع وہ حدیث ہے جس میں کوئی راوی درمیانی سلسلہ چھوڑ کر حضورؐ سے روایت کرے)

۲۔ صحیح مسلم

اس کا مرتبہ بخاری کے برابر ہے بلکہ بعض علماء نے اس کے بارے میں بخاری سے تقدیم وتاخیر پر بھی بحث کی ہے، امام مسلم حجاج قشیری نیشاپوری کے فرزند تھے ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ میں انتقال فرما گئے۔ امام بخاری کے شاگرد تھے اور بعض استادوں کے لحاظ سے ساتھی شروع میں بخاری سے کافی خلوص رکھتے تھے لیکن آخر میں قدرے اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس کے نتیجہ میں اپنی صحیح کے مقدمہ میں بخاری پر تنقید بھی کر ڈالی ہے حافظین

حدیث نے مسلم پر یہ زبردست تنقید کی ہے کہ یہ ضعیف راویوں سے بکثرت روایت کرتے تھے اور ان کی تعداد ۱۶۰ تک بتلائی ہے لیکن اس کے باوجود حسب ذیل وجوہ کی بنا پر مسلم و بخاری پر ترجیح دی ہے۔

۱۔ مسلم نے اپنی کتاب اپنے شہر میں بیٹھ کر اصول کو سامنے رکھ کر استادوں کی زندگی میں مرتب کی ہے۔ الفاظ اور سیاق کا باقاعدہ خیال رکھا ہے اور بخاری میں ایسا نہیں ہے۔

۲۔ مسلم نے احادیث کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا ہے اور بخاری نے ایک ٹکڑے کو ایک جگہ ایک سند سے بیان کیا ہے اور دوسرے ٹکڑے کو دوسری جگہ دوسری سند سے جس کے بعد مکمل حدیث کی معرفت ناممکن ہوگئی ہے۔

۳۔ بخاری نے اہل شام کے بارے میں کافی غلطیاں کی ہیں ایک شخص کو ایک مقام پر کنیت کے ساتھ لکھا ہے اور دوسرے مقام پر نام کے ساتھ اور سمجھے ہیں کہ دونوں الگ الگ ہیں حالانکہ ایسا نہ تھا اور مسلم نے اس قسم کی غلطیاں کم کی ہیں۔ تاریخ بغداد ۱۳/ ص۱۰۲۔ اسی لئے طیبی کا بیان ہے کہ میرے بعض استاد مسلم کو بخاری پر ترجیح دیا کرتے تھے (شرح الفیہ عراقی ۱/ ص۱۰) اور ابو علی نیشا پوری کا کہنا ہے کہ زیر آسمان مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

مسلم کی کل حدیثیں مع مکررات کے ۷۲۷۵ ہیں اور بغیر مکررات کے تقریباً ۴ ہزار۔ لیکن یہ بہر حال مسلم ہے کہ مسلم و بخاری نے تمام صحیح حدیثوں کو نہیں جمع کیا ہے بلکہ ان سے بھی فروگذاشت ہوئی ہے۔

۳۔ صحیح ترمذی

ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی متولد سنہ ۲۰۰ھ متوفی سنہ ۲۷۱ھ

آخر ماہ رجب ۔ انہوں نے بخاری اور بخاری کے دیگر علماء سے حدیثیں سنی ہیں ۔ خود نابینا تھے لیکن اپنی کتاب کو مرتب کر کے علماء حجاز و عراق و خراسان کے سامنے پیش کر دیا تھا ۔ ترمذی کی تالیف میں ایک جدت یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کے ساتھ اس کے درجے کا تعین بھی کر دیا ہے ۔ صحیح کو معلول سے الگ کر دیا ہے اور قابل عمل حدیث کو متروک سے ممتاز قرار دیدیا ہے ۔ علماء کے اختلاف کے تذکرے نے تالیف میں چار چاند لگا دیئے ہیں اور ان تمام خصوصیات کی وجہ سے بعض حافظین احادیث کی نظر میں یہ کتاب صحیح بخاری سے بڑھ گئی ہے ۔

ترمذی نے دیگر ارباب صحاح کی طرح خوارج اور ناصبیوں کی بھی حدیثیں نقل کی ہیں ضعیف اور جھوٹے راویوں کی روایت کو بھی اپنے یہاں جگہ دی ہے مثال کے طور پر سیف بن عمر البرجمی ۔ السعدی ۔ الضبی صاحب کتاب المودۃ والفتوح ہے جو بزرگوں سے ضعیف روایات منسوب کرتا تھا اور خود بھی روایت گڑھا کرتا تھا بلکہ کفر سے بھی متہم تھا ۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ یہی سیف ابن جریر طبری کی نظر میں اسقدر معتبر ہو گیا تھا کہ انہوں نے ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک تمام واقعات اسی کے حوالے سے نقل کر دیئے ہیں جو اس نے سری اور شعیب کے حوالے سے نقل کئے تھے ۔ خدا کا شکر ہے کہ فقیہ التاریخ علامہ امینی دام ظلہ صاحب الغدیر نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد میں ان تمام موضوعات کو جمع کر کے ان پر اتنی حسین اور استدلالی بحث کی ہے کہ اس سے پہلے لوگوں کے تصور میں بھی نہ تھی ۔ موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ طبری نے دوسری جلد میں ۱۱ھ کے حوادث میں سیف سے ۶۷، حدیثیں لی ہیں ۔ تیسری جلد میں ۱۲ھ کے حوادث میں ۴۲۷، حدیثیں لی ہیں ۔ چوتھی جلد میں ۲۳ھ کے حوادث میں ۲۰۷، حدیثیں لی ہیں جن کا مجموعہ ۷۰۱، حدیث ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جھوٹوں اور جعلسازوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جب تاریخ اسلام کا مستند مدرک بن جائے گا تو حقائق کے مسخ ہو جانے اور حق کے برباد ہو جانے میں کیا کسر رہ جائے گی ؟ افسوس تو یہ ہے کہ ابن اثیر

ابن کثیر، ابن خلدون وغیرہ نے بھی طبری ہی کی تقلید کر لی ہے اور مسخ حقائق میں اپنے ہاتھ رنگین کر لئے ہیں ۔ ابن سبا کا پہلا اشارہ اسی سیف کا گڑھا ہوا ہے جیسا کہ ہم آئندہ اشارہ کریں گے ۔

۴ ۔ صحیح ابوداؤد

ابوداؤد ۔ سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر ازدی متولد ۲۰۲ھ متوفی ۲۷۵ھ حفاظ احادیث میں سے تھے ۔ شیرازی نے طبقات میں انہیں احمد کا شاگرد اور ان کی صحیح کو سنن ابی داؤد سے تعبیر کیا ہے ۔ خطابی کا بیان ہے کہ سنن ابی داؤد سے بہتر علم دین میں کوئی کتاب ہی نہیں لکھی گئی ۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی اور آخر میں اختلافی مسائل میں حکم بن گئی ۔ عراق و مصر و شام والوں کا اعتماد اسی کتاب پر ہے ۔

۵ ۔ صحیح نسائی

نسائی ۔ احمد بن شعیب بن علی ابو عبدالرحمن النسائی متولد ۲۱۵ھ متوفی ۳۰۳ھ ائمہ حدیث میں شمار ہوتے تھے ۔ علم حدیث کے اس قدر ماہر تھے کہ علو اسناد میں مرجع تھے ۔ حافظہ میں مسلم بن الحجاج سے بہتر تھے اور ان کی سنن بھی بقول ذہبی تمام کتابوں سے زیادہ قوی تھی ۔ یہ جب دمشق میں داخل ہوئے تو ان سے معاویہ کے فضائل کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ معاویہ فضائل کا بھی طالب ہے؟ ۔ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ رسول اکرمؐ نے اس کے بارے میں بھوک مری کی بددعا کی تھی جس کا نتیجہ ہوا کہ زندگی بھر کھاتا رہا اور سیر نہ ہو سکا ۔ یہ کہنا تھا کہ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کے خصیوں کو کچل ڈالا جس کے بعد آپ مکہ بھیج دیئے گئے اور وہیں انتقال کر گئے ۔ صفا و مروہ کے درمیان دفن ہوئے اور بقول حافظ ابو نعیم شاہی ظلم کے نتیجہ میں شہید دنیا سے گئے (شذرات ج ۲ ص ۲۴۰)

انہوں نے ایک کتاب خصائص اہلبیتؑ میں لکھی تھی جس کی اکثر روایتوں میں امام احمد کا حوالہ تھا اور ایک کتاب مسند حضرت علیؑ کے نام سے تالیف کی تھی۔ علم حدیث میں پہلی کتاب کا اشارہ "ص" اور دوسری کی علامت "عس" ہے۔

۶- صحیح ابن ماجہ

ابن ماجہ۔ محمد بن یزید بن ماجہ ابو عبداللہ القزوینی متولد ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۳ھ نے عراق۔ کوفہ۔ مکہ۔ شام وغیرہ کا سفر کرکے اپنی کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کو موطا پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کا شمار صحاح ستہ میں بھی ہے۔

اہلسنت میں چھ عظیم کتابیں ہیں جنہیں صحیح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جن کے اعتبار کا بہرحال اعتراف کیا گیا ہے۔ ورنہ ان کے خلاف بھی کئی کتابیں ہیں جن کی صحت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اس لیئے کہ ان لوگوں نے تمام صحیح حدیثوں کا احصار نہیں کیا۔ انہیں کتابوں میں سے صحیح اسحاق بن خزیمہ۔ صحیح ابو حاتم متوفی ۳۵۴ھ صحیح ابو عوانہ وغیرہ ہیں۔ امام حاکم نے مستدرک میں ایسی ہی صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے جنہیں بخاری اور مسلم میں نظر انداز کردیا گیا تھا اور جو ان حضرات کے شرائط کے اعتبار سے درجہ صحت پر فائز تھیں۔

بازگشت

گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ تدوین علوم کے میدان میں اہلبیتؑ سب سے مقدم اور ان کے آثار کے تحفظ میں شیعہ سب کے آگے آگے تھے شیعوں کی نظر میں علوم رسالت کو حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ آل محمد سے زیادہ معتبر نہیں تھا۔ یہی حضرات امانتدار علوم الٰہیہ تھے اور انہیں کا سلسلہ سلسلۂ ذہبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا امام جعفر صادقؑ کا دستور تھا کہ آپ روایت کو بیان کرتے

وقت یہ کہا کرتے تھے کہ مجھ سے میرے والد نے ان سے ان کے والد نے ان سے ان کے والد نے ان سے ان کے والد نے اور ان سے رسول اکرمؐ نے بیان کیا ہے اور اس طرح اس سلسلے کو وحی الٰہی سے ملا دیا کرتے تھے۔ یہی دستور باقی ائمہ اہلبیتؑ کا بھی تھا۔ امام صادقؑ نے تو ایک قانون یہ بنا دیا تھا کہ میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے ان کی حدیث ان کے والد کی حدیث ہے ان کی حدیث ان کے والد کی حدیث ہے ان کی حدیث امیرالمومنینؑ کی حدیث ہے اور ان کی حدیث رسول اکرمؐ کی حدیث ہے اور اس طرح ہماری ہر مرسل حدیث کو باقاعدہ مسند سمجھنا چاہیئے۔ (اروضہ حافظ علی نیشاپوری) تقریباً یہی ارشاد امام محمد باقرؑ سے بھی نقل ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان تمام خصوصیات کے بعد بھی امام بخاری نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت لینے میں مضائقہ سمجھا ہے۔ اور آپ کو ان حالات میں نظرانداز کیا ہے جب عمران بن حطان اور داؤد بن الحصین جیسے خارجی اور فاسق لوگوں کی حدیثوں کو زینت کتاب بنایا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں بخاری کے حالات و ماحول کے تقاضے کی بنا پر ہوئی ہیں۔

شیعہ دشمن عناصر پر یہ بات ہمیشہ گراں رہی ہے کہ ان کے پاس احادیث کا اتنا عظیم ذخیرہ کیوں جمع ہوگیا ہے لیکن چونکہ ائمہ اہلبیت پر طعن و طنز کرنے کو خلاف اسلام تصور کرتے تھے اس لئے اپنے طعنوں کا ہدف ان کے چاہنے والوں اور ان سے روایت لینے والوں کو بناتے رہے۔ حکومت وقت نے بھی آل محمد کے کو مشکوک کرنے کے لئے ان کی طرف منسوب کرا کے مہمل حدیثیں وضع کرانا شروع کر دیں تاکہ اس طرح امت کی نظروں میں ان کا مرتبہ گھٹ جائے اور لوگوں کے نفوس ان کی طرف سے برگشتہ ہو جائیں اسی کے علی الرغم شیعوں نے رجال روایت کی تحقیق پر پورا زور صرف کیا اور اس موضوع پر مسلسل کتابیں لکھیں تاکہ ایسے لوگوں کو بے نقاب کر کے اہلبیت کے علمی ورثہ سے روشناس کرایا ہے۔

فقہ و حدیث میں شیعوں نے جو کتابیں تالیف کی ہیں جو ائمہ معصومین کے

دورحضور میں ان کے شاگردوں کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھیں اور جنہیں بعد میں چار عظیم کتابوں میں جمع کردیا گیا ۔

۱۔ کافی

اسے شیخ مجدد محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ نے بیس سال کی ریاضت سے تالیف کیا تھا اور اس سلسلے میں مختلف ممالک کے سفر کئے تھے جس کے نتیجے میں ۱۶۱۹۰ حدیثیں جمع کیں جو تن تنہا صحاح ستہ کی تمام روایتوں سے زیادہ ہیں۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ

شیخ محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی المعروف بصدوق المتوفی ۳۸۱ھ کی تالیف ہے ۔ آپ ۳۵۵ھ میں بغداد وارد ہوئے ۔ اور یہیں حدیث بیان کی آپ ایک جلیل القدر حافظ احادیث ، بصیر رجال اور نقاد روایات ہونے کے ساتھ کثیر التالیف بھی تھے ۔ آپ کی تالیفات کی تعداد تقریباً ۳۰۰ تک پہنچتی ہے جن میں سب سے اہم کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے جس کی حدیثوں کی تعداد ۵۹۶۳ ہے۔

۳-۴ ۔ تہذیب واستبصار

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی المتولد ۳۸۵ھ المتوفی ۴۶۰ھ کی تالیف ہے ۔ آپ ۴۰۸ھ میں اپنے وطن سے بغداد آئے یہاں شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان کی ریاست قائم تھی آپ نے ان سے باقاعدہ استفادہ کیا پھر جب ۴۱۳ھ میں ان کا انتقال ہوگیا تو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے حلقہ درس میں آ گئے ۔ ۴۳۶ھ میں سید کا بھی انتقال ہوگیا ۔ اب زمام ریاست و مرجعیت شیخ کے ہاتھوں میں تھی اور آپ کا مکان ایک عظیم مدرسہ کی شکل اختیار کررہا تھا ۔ ۳۰۰ شیعہ اور باقی دیگر مذاہب کے افراد استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے اسی لئے

سبکی نے طبقات الشافعیہ ۳ ص۵۱ میں اور شذرات، البدایۃ والنہایۃ، المنتظم وغیرہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں آپ کے حالات درج کئے ہیں۔ آپ کے بیانات کا مجموعہ امالی کی شکل میں دو جلدوں میں موجود ہے جو اپنے وقت میں بغداد میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

شیخ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دور کے حاکم القاسم بامر اللہ عبداللہ بن القادر نے آپ کے لئے کرسیٔ درس مقرر کرا دی تھی اور آپ برابر افادہ کر رہے تھے لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد بغداد میں فرقہ واریت کا زور پھیل گیا اور شیعہ سنی تعصب خصوصیت کے ساتھ منزل کمال تک پہونچ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ طغرل بیگ کے حکم سے شیخ کا پورا کتبخانہ نذر آتش کر دیا گیا۔ سبکی کا بیان ہے کہ شیخ کا کتبخانہ کئی مرتبہ علی الاعلان نذر آتش کیا گیا۔ ایک مرتبہ سلجوقی کے حکم سے محلہ کرخ میں شیعوں کے مکتبے جلائے گئے جس میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں اور ان میں وہ نوادرات بھی تھے جو آئمہ معصومینؑ کے دست مبارک سے لکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ یاقوت حموی وغیرہ نے نقل کیا ہے ۴۴۸ھ میں شیخ کا پورا گھر لوٹ لیا گیا۔ کتابیں چھین گئیں، کرسی درس کو آگ لگا دی گئی اور نتیجۃً شیخ نے نجف اشرف کا رخ کیا، آپ کا ہجرت کرنا تھا کہ تمام طلاب علوم نے نجف کا ارادہ کر لیا اور اس طرح نجف ایک ایسا علمی مرکز بن گیا جس کی مرکزیت آج بھی قائم ہے اور جس سے تشنگان علوم آج تک سیراب ہو رہے ہیں —

(المنتظم بن الجوزی ۸ ص۱۷۳، ۱۷۹)۔

شیخ درحقیقت نجف کی علمی درسگاہ کے بانی اول ہیں آپ نے مختلف علوم میں پچاس کے قریب کتابیں لکھی ہیں جن میں اہم ترین کتاب تہذیب و استبصار ہیں۔

تہذیب: حدیث کے قدیم مجموعوں اور کتب اربعہ میں سے ایک ہے اس میں ۳۹۰ باب ہیں اور ۱۳۵۹۰ حدیثیں اس کا ایک نسخہ مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ابھی تک موجود ہے۔

استبصار: اس میں ۵۵۱۱ حدیثیں پائی جاتی ہیں اور اس کا شمار بھی کتب اربعہ میں

ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ وافی محقق کاشانی۔ بحار علامہ مجلسی۔ وسائل محدث حر عاملی۔ مستدرک الوسائل محدث نوری وغیرہ بھی حدیث کے عظیم مجموعے ہیں جن میں اہلبیت طاہرین کے ارشادات واحادیث کو نہایت ہی بسط وتفصیل کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

شیعوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی دور میں بھی کسی سلطنت سے رابطہ نہیں قائم کیا اور نہ کسی حکومت کے بل بوتے پر آگے بڑھے یہ ہمیشہ اپنے روحانی استقلال کا تحفظ کرتے رہے اور اپنی حقانیت کے زور پر آگے بڑھتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومتوں نے ان کا اثر مٹانے کی ٹھان لی اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش ہونے لگی۔ شیعوں نے بھی یہ طے کر لیا کہ ان طوفان خیز حوادث کا جان توڑ مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے انتہائی جرأت و پامردی کا ثبوت دیا اور اس کے نتیجہ میں بکثرت محدث ومفسر و شاعر وادیب اور صاحبان لغت وزبان پیدا ہوگئے۔ فقہ و حدیث میں تو وہ نمایاں شخصیت حاصل کی کہ اصحاب صحاح نے تقریباً ۲۵۰ افراد کی حدیثوں کو اپنی کتاب کی زینت بنایا اور ان کی عظمت واہمیت کا اعتراف کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تدوین علوم کا کام اہلبیت طاہرین اور ان کے شیعوں سے شروع ہوا اور انہیں کو اس میدان میں تقدم حاصل رہا۔ مالک وغیر مالک کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

مالک اور تفضیل

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رسول اکرمؐ کے بعد خلفاء ثلاثہ کو بہترین خلائق سمجھتے تھے اور ان کے بعد تمام امت کو مع حضرت علیؑ کے ایک درجہ دیتے تھے یہ ان کا وہ منفرد نظریہ تھا جس میں کوئی بھی ان کا ہم خیال نہ تھا۔ اور اسی نظریہ کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنی موطا میں حضرت علیؑ کی کوئی روایت نہیں نقل کی۔

تفصیل کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے مورخ آنکھ بند کر کے گذر جائے اور اس پر کوئی تفصیلی نظر نہ ڈالے اس لئے کہ یہ مسئلہ علماء اسلام میں ہمیشہ محل اختلاف رہا ہے حکومتوں نے اس اختلاف کی سرپرستی کی ہے اور حکومت کی دخل اندازی کے معنی ہی اضطراب و اختلاف کے ہیں ورنہ اگر یہ ناروا دخل اندازی نہ ہوتی تو مسئلہ کو تاریخ وعقل کی روشنی میں ذاتی عقائد و خیالات سے الگ کر کے طے کر لیا جاتا اور اس طرح کوئی خاطر خواہ نتیجہ بھی نکل آتا۔

ہمارا موضوع یہ نہیں تھا کہ ہم ایسے اختلافی مسائل کو چھوڑ کر یہ واضح کرتے کہ حکومت کے لالچی افراد نے امت میں اختلاف پیدا کر کے اپنی ذاتی رائے کو مسلط کرتے ہیں کیا کچھ اقدامات نہیں کئے ۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ حکومت خود اپنی رائے کا اعلان کر دے تاکہ اس کے بعد کسی میں مخالفت کی جرأت نہ رہ سکے بعد اختلاف کی آواز کو قہر و جبر سے دبا کر امت کو اپنے راستے پر چلایا جا سکے ۔ مخالف کو باغی یا خارجی کا لقب دیا جائے اور اس طرح حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے ۔

تفصیل کا مسئلہ تاریخ میں ایسی اہمیت کا مالک رہا ہے کہ حضرت علیؑ کی محبت اور انہیں صحابہ پر ترجیح دینے کو رافضیت کا نام دے دیا گیا تھا جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "تشیع حضرت علیؑ کی محبت اور ان کے اصحاب پر مقدم کرنے کا نام ہے اب جو انہیں ابوبکر و عمر پر بھی ترجیح دے وہ غالی شیعہ ہے جسے رافضی کہا جائے گا ۔ ورنہ غالی شیعہ ۔"

آپ کو اس لفظ رافضی کے حضرات کا اندازہ ہو یا نہ ہو لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حکومتوں نے اس لفظ کی آڑ میں سینکڑوں بے گناہوں کا خون بہایا ہے ہزاروں کو مصائب میں مبتلا کیا ہے اور خوشامد پرست افراد کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ ان پر تہمتیں لگا کر ان کے مذہب کو بدنام کریں تاکہ رائے عامہ ان کے خلاف ہو جائے چنانچہ یہودی کے ذبیحہ کو حلال اور رافضی کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا۔ (الصارم المسلول لابن تیمیہ ص۵۵) اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کو شیخین پر ترجیح دیتا ہے

بہرحال تفضیل کا مسئلہ کوئی محبت یا ترجیح کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کی پشت پر ایک سیاسی عامل کارفرما رہا ہے جس کی بنیاد پر یہ سارے اختلافات منظر عام پر آئے ہیں۔ اس سلسلے میں امت اسلامیہ کے تین مسلک ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل و بہتر ہیں۔ یہ رائے اہلبیتؑ، صحابہ، تابعین بنی ہاشم، اہل حجاز اور تمام اہل کوفہ کی ہے۔ علماء متاخرین نے بھی تقریباً اس رائے سے صراحتاً یا اشارۃً اتفاق کیا ہے صرف بعض افراد نے اختلاف کیا ہے۔

۲۔ حضرت علیؑ شیخین کے بعد باقی امت سے افضل ہیں۔

۳۔ حضرت علیؑ ثلاثہ کے بعد باقی افراد سے بہتر ہیں یہ اکثر اہل سنت کی رائے ہے۔

قرطبی کا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی اجتہاد کا مسئلہ ہے اور چونکہ خدا نے چاروں خلفاء کو اپنی نیابت کے لئے منتخب کیا ہے اس لئے جس کی جیسی خلافت ہوگی اس کا اسی ترتیب سے درجہ بھی ہوگا۔

ہمارا مقصد ان اقوال کو پیش کر کے ان سے کوئی بحث کرنا یا ابن عمر کی اس روایت پر کوئی تنقید کرنا نہیں ہے۔ جو اس پوری بحث کی بنیاد بن گئی ہے۔ اور جس میں حضرت علیؑ کی کسی وجہ دلیل کے تنقیص کی گئی ہے۔ ہمیں تو صرف امام مالک کی اس رائے سے بحث کرنا ہے کہ حضرت علیؑ باقی امت سے بھی بہتر نہیں ہیں بلکہ صحابہ ثلاثہ کے بعد سب یکساں حیثیت کے مالک ہیں جیسا کہ مصعب نے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے استاد مالک سے رسولؐ کے بعد افضل الناس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے پہلے حضرت ابوبکر کا نام لیا۔ اس کے بعد عمر کا ذکر کیا اس کے بعد عثمان کی فضیلت کا اعتراف کیا اور آخر میں توقف فرما لیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ منصور نے سوال کر لیا تھا تو انہوں نے فرما دیا تھا کہ افضل الناس شیخین ہیں جس پر منصور نے کہا تھا کہ یہی امیرالمومنین یعنی میری بھی رائے ہے۔

ابن وہب کا بیان ہے کہ مالک نے ایک مرتبہ ابوبکرؓ و عمرؓ کو افضل الناس قرار دیکر خاموشی اختیار کی تو میں نے پوچھا کہ ان کے بعد؟ وہ اس پر بھی چپ رہے تو میں نے عرض کی کہ میں آپ ہی کی رائے کا پابند ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ عثمانؓ۔ گویا کہ وہ شیخین کو الگ رکھنے کے لیے توقف فرما رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی انہوں نے حضرت علیؑ کا نام نہیں لیا۔

ایک مرتبہ ایک علوی نے مجلس درس میں یہی مسئلہ اٹھایا تو انہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے بالترتیب نام لیے اور حضرت علیؑ کا ذکر نہیں کیا جس پر اس علوی نے جھلا کر کہا کہ اب میں آپ کے ساتھ کبھی نہ بیٹھوں گا۔

استاد محمد ابوزہرہ کا کہنا ہے کہ "مالک نے اس مسئلے میں اپنے دو ہمعصر اماموں سے اختلاف کیا ہے ایک ان سے بزرگ تھے اور ایک ان کے شاگرد بزرگ یعنی ابوحنیفہ حضرت علیؑ کو خلفاء راشدین کی صف کا آدمی سمجھتے تھے اور عثمانؓ پر مقدم کرتے تھے اور شاگرد یعنی شافعی حضرت علیؑ کی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے تھے اور ان کے دشمنوں کو باغیوں کا مرتبہ دیتے تھے اور اسی لیے باغیوں کے احکام میں دشمنوں کے ساتھ حضرت علیؑ کے برتاؤ کو مدرک قرار دیتے تھے یہاں تک کہ انہیں شیعہ کہدیا تھا اور اس پر ان سے سخت محاسبہ ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ابوبکرؓ کو حضرت علیؑ سے بہتر تھے اسی لیے رافضی مسلک نہ تھے۔"

سوال صرف یہ ہے کہ ایک ایسی عظیم الشان بحث میں شیخین یا ثلاثہ کے بعد توقف اور سکوت کا سبب کیا تھا؟ کیا امام شافعی حضرت علیؑ کے منازل علم و عمل مجاہدات، خدمات اور مناقب و فضائل سے واقف نہ تھے۔ یا کوئی اور بات تھی؟ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں اس مسئلے میں جہالت کا تصور نہیں ہو سکتا اور نہ انکار ہی کی تہمت لگائی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے پاس اس سکوت و توقف کا کوئی جواز رہا ہو چاہے ہم اس جواز سے اتفاق نہ کریں۔ اور شائد وہ جواز یہ رہا ہو کہ اس مسئلے میں امام مالک بنی امیہ اور معاویہ کے گن گا رہے تھے " جس سے

ہم قیامت تک اتفاق نہیں کر سکتے) (مالک ص۶۹-۷۰) میرا خیال ہے کہ مالک کے اس فتویٰ میں صرف اموی ذہنیت ہی کارفرما نہ تھی بلکہ عباسی ذہنیت بھی کام کر رہی تھی۔ اس لیئے کہ ان کا طرز عمل آل محمد کے ساتھ بنی امیہ سے کمتر نہ تھا بلکہ شدید تر ہی تھا۔ وہ علویین کے ساتھ صرف بنی امیہ کی مخالفت میں متفق تھے اور حضرت علیؑ کو افضل امت قرار دیتے تھے یہانتک کہ منصور خود بھی حضرت کے فضائل کا ذکر کرتا تھا اور حدیث غدیر کے راویوں میں سے ایک راوی تھا (تاریخ بغداد ۱۲ ص۳۴۴) ورنہ اس کے بعد حکومت وسلطنت پر قابض ہو کر انہوں نے وہ کچھ کیا ہے جو بنی امیہ بھی نہ کر سکے تھے۔ علویین کی مملکت میں کوئی جگہ نہ تھی انہیں صرف اس جرم میں سزائیں دی جا رہی تھیں کہ لوگ ان کی طرف کیوں متوجہ ہوتے ہیں انہیں حکومت واقتدار کا اہل کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس لیئے کہ ملک ہمیشہ بانجھ ہوتا ہے۔

علویین سے اختلاف کی آخری حد یہ تھی کہ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی ابوعون بن عبدالملک کی عیادت کیلئے گیا اور ان سے خواہش کی کہ اپنی ضرورتوں کو بیان کریں۔ ابوعون نے کہا کہ میری کوئی خواہش نہیں ہے سوائے اس کے کہ آپ اب میرے فرزند عبداللہ سے راضی ہو جائیں۔ مہدی نے کہا وہ ہمارے مسلک کے خلاف ہے اور علیؑ کو افضل الخلق سمجھتا ہے۔ ابوعون نے گھبرا کر کہا کہ حضور یہ تو وہی مسلک ہے جس پر ہم لوگ تھے اور جس کی بنیاد پر ہم نے یہ انقلابی اقدام کیا تھا۔ اب اگر حضور کی رائے بدل گئی ہو تو فرما دیں ہم بھی اپنے اندر تغیر پیدا کر لیں۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنی عباس کے ماضی وحال میں زبردست تفاوت پیدا ہو گیا تھا انکی سادات دشمنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اب بنی امیہ کی تعظیم کرنے لگے تھے اور ان کی توہین کرنیوالوں کو سزا دینے پر آمادہ تھے چنانچہ یحییٰ بن کثیر کو صرف بنی امیہ کی تنقیص پر سزا دی گئی ان کا سر مونڈ لیا گیا انہیں اذیت دی گئی کہ اس نے اتنا برا اقدام کیسے کیا ہے؟ اس کے علاوہ کتنے ہی ابن کثیر تھے جو حکومت کی نظروں پر چڑھے ہوئے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱ ص۱۲۱)

حضرت علی علیہ السلام سے اختلاف کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ابومعاویہ ہارون رشید کے پاس گئے۔ ہارون نے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ جو علیؑ کی خلافت کا اثبات کرے اسکے ساتھ ایسا ایسا برتاؤ کروں۔ ابومعاویہ یہ سن کر چپ ہو گئے۔ ہارون نے کہا کہ آخر بولتے کیوں نہیں؟ ابومعاویہ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو بولوں ہارون نے کہا ہاں ہاں اجازت ہے۔ ابومعاویہ نے کہا اے امیرالمومنین دیکھئے بنی تیم یہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک خلیفہ ہوا۔ بنی عدی بھی یہی کہتے ہیں۔ بنوامیہ بھی اپنے خلیفہ پر فخر کرتے۔ آپ بنی ہاشم کا خلافت میں کیا حصہ ہے۔ آپ کے پاس سوائے علیؑ کے اور ہے کون؟۔ (تاریخ بغداد ۵ ص۲۴۴)

بنی عباس کی اس شدت کی انتہا یہ ہوئی کہ حضرت علیؑ سے محبت کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا۔ ان پر طرح طرح کے مصائب پڑنے لگے اور اس کے لئے بہترین ذریعہ مسئلہ تفضیل کو بنا یا گیا۔ قانون یہ بنا کہ علی کو فضیلت دینے والا صحابہ کی توہین کرتا ہے اور صحابہ کی توہین کرنے والا رسول اللہ کی توہین کرتا ہے اور رسول اللہ کی توہین کرنے والا زندیق ہے۔

اس کے علاوہ حضرت علیؑ کی مدح، ان کے خصوصیات و امتیازات کا تذکرہ صحابہ پر طعن و طنز کے مرادف قرار دیدیا گیا جس کی بنا پر عوام میں گمراہی اور عداوت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لوگ دھوکا کھانے لگے، مفکرین زحمتوں اور فتنوں کا سامنا کرنے لگے اور ان کے لئے اس سیلاب کا مقابلہ انتہائی دشوار ہو گیا۔ اکثر لوگوں نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی اور زندگی کی امید کے باعث حکومت کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اہلبیتؑ کے فضائل اور ان کے احادیث کو نظر انداز کر دیا گیا۔ شیعوں پر غیظ آلود نگاہیں اٹھنے لگیں۔ دلوں میں ان کے خلاف شعلے بھڑکنے لگے۔ ان کے فضائل بیان کرنے والے کو رافضی کا لقب دیکر کفر کی تہمت دی جانے لگی جیسا کہ امام شافعی کے ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے۔

اذا فی مجلس ذکروا علیاً — وسبطیہ وفاطمۃ الزکیۃ
یقال تجاوزوا یا قوم عنہ — فھذا من حدیث الرافضیۃ
برئت الی المھیمن من اناس — یرون الرفض حب الفاطمیۃ

ترجمہ: جب کسی مجلس میں علیؑ و فاطمہؑ و سبطینؑ کا تذکرہ آتا ہے
تو کہا جاتا ہے کہ اس ذکر کو چھوڑو یہ رافضیوں کی باتیں ہیں
خدا ایسے افراد سے پناہ دے جو فاطمین کی محبت کو رافضیت سمجھتے ہیں

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الاختلاف فی اللفظ" ص۴۷-۴۹ پر اس دور کے حالات اور حضرت علیؑ کو مقدم رکھنے کے سلسلے میں شیعوں پر پڑنے والے مصائب کا

کا نقشہ اس انداز سے کھینچا ہے" میں نے دیکھا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کے بارے میں شیعوں کی بے پناہ محبت اور ان کو دیگر افراد کو مقدم کرنیکو ..... یہاں تک کہ اس کے جواب میں حضرت علیؑ کے ساتھ ناانصافی کی گئی اور انہیں سب سے موخر کر دیا گیا۔ حد ہو گئی کہ ان کی خلافت کو اختلافی قرار دے دیا گیا اور یزید بن معاویہ کی حکومت کو اجماعی مان لیا گیا۔ حضرت علیؑ کا ذکر خیر کرنے والوں کو متہم کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محدثین نے ان کے فضائل سے اعتراض کیا اور انہیں ان کا صحیح حق دینے سے انکار کر دیا۔ جبکہ ان احادیث کا ماخذ صحیح کتابیں تھیں ... انتہا ہو گئی کہ حضرت علیؑ کو شوریٰ کے برابر قرار دیا جانے لگا صرف اس بنیاد پر کہ اگر عمر کی نظر میں ان کو کوئی ترجیح حاصل ہوئی تو سب کو ایک درجہ میں نہ رکھتے ان کے فضائل کا تذکرہ کرنے والوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ عمرو بن العاص اور معاویہ کے فضائل جمع کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ اگر کسی نے یہ کہدیا کہ حضرت علیؑ رسول اللہ کے بھائی، حسنینؑ کے والد۔ یا اصحاب کساء علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ہیں تو چہروں کا رنگ بدل گیا، نظریں تند و تیز ہو گئیں، سینے کے جذباتِ حسد نی پر پھرنے لگے۔ اور اگر کسی شخص نے حدیث من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ کا ذکر کر دیا تو ان احادیث کے ماخذ کی تلاش شروع ہو گئی تاکہ اسے کمزور کیا جائے۔ صرف اس لیے کہ انہیں شیعوں سے عداوت ہے اور وہ حضرت علیؑ پر بلا سبب الزام لگانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عین جہالت تھی اس لئے سلامتی اسی میں ہے کہ نہ آپ محبت میں ہلاک ہوں اور نہ عداوت میں اور نہ غیر کی غلطی سے ان سے بغض رکھیں۔ اس لئے کہ ایسا کرنے سے آپ پکے دشمن ہو جائیں گے۔ آپ کو چاہیئے کہ ان کی منزل کو پہچانیں انہیں رسول اکرمؐ نے تربیت دی ہے۔ وہ ان کے بھائی اور داماد تھے۔ انہوں نے دشمنوں سے جہاد میں صبر کیا ہے، میدان جنگ میں جان پیش کی ہے، علم و دیانت شجاعت و فضل ایک مرتبہ رکھتے تھے۔ اگر آپ کو رسول اللہ کا احترام اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے مخالفین و محاربین یعنی معاویہ وغیرہ سے

محبت کریں تو حضرت علیؑ زیادہ محبت کے حقدار ہیں ۔ ان کے فضائل خصوصیات قرابت، اور مباہلہ کے میدان میں نفس رسول ہونا واضح ہے ۔ اب خدا جسے چاہے بصیرت عطا کرے اور جسے چاہے حیرت و جہالت میں چھوڑ دے ۔"

یہ تھے اس معاشرہ کے حالات جو حکومت کے مزاج کے مطابق ڈھل رہا تھا جس میں حقیقت کا کوئی مرتبہ نہ تھا ، حقائق کی مخالفت اور واقعات سے گریز ایک شعار تھا حکومت کا یہ طرز عمل جائے حیرت نہ تھا وہ تو حکومت ہی تھی تعجب ان لوگوں پر ہے جو صاحبان علم و فہم کہے جاتے تھے اور ان کے پاس حقائق کو دیکھنے والی آنکھیں نہ تھیں ۔

ہمیں اس وقت نہ ماضی کے حالات سے بحث کرنا ہے اور نہ ابن عمر کی حدیث تفضیل پر تبصرہ کر کے ان کی ذہنیت کا جائزہ لینا ہے کہ انہوں نے اسلام میں یہ ایک مسئلہ کیوں پیدا کر دیا ۔ جیسا کہ بخاری نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ ہم لوگ صرف خلفاء ثلاثہ کو لوگوں میں سے منتخب قرار دیتے تھے ۔ یا ۔ ہم لوگ زمانۂ پیغمبر میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اس کے بعد عمر اس کے بعد عثمان ۔ بخاری ۵ ص ۲۶۲ ۔ اس لئے کہ اس کی مفصل بحث علامہ امینی دام ظلہ نے اپنی کتاب الغدیر ۱۰ ص ۳-۷ میں کر دی ہے اور اس میں یہ واضح کر دیا ہے کہ ابن عمر کی حدیث کی حیثیت کیا ہے ؟ ان کے نفسیات کیا تھے ؟ انہیں اتنی بڑی بات کہنے کا حق کیا تھا ؟ اور ان کی یہ حدیث سند و متن کے اعتبار سے کیسی ہے ؟

ہم مالک بن انس کے بارے میں بھی یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہتے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو عوام امت کے برابر کیوں قرار دیدیا جبکہ وہ ان کے فضائل و کمالات خصوصیات و امتیازات ، سبقت اسلام ، قرابت رسولؐ ، جہاد فی سبیل اللہ ۔ اہلیت فی الدین ، عظمت منزلت اور دعوت اسلام میں رسولؐ کی نصرت سے بخوبی واقف تھے رسول اسلام کی اخوت ، رجس سے پاکیزگی ، عیوب سے طہارت مباہلہ کی نفسی اتحاد ، زہد و ورع و خلق ، خُلق و قول و فعل و عمل و فضل میں رسول حق ؐ ی

آئینہ داری سے بھی باخبر تھے۔ اس لیئے کہ مالک کے اسباب اجتہاد سے ہر صاحب بصیرت باخبر ہے!

اجمالی نظر:

حقائق کی بربادی اور واقعات کی مخالفت میں سیاست کی دخل اندازی کا منظر آپ کی نگاہوں کے سامنے آچکا ہے ان اقدامات کے نتیجہ میں اٹھنے والے فتنے بھی آپ کے پیش نظر ہیں۔ ایسے حالات میں حکومت کے اقدامات اس قدر تعجب خیز نہیں ہیں جس قدر تعجب خیز ان لوگوں کا بے پناہ ثبات قدم ہے جنہوں نے ان حالات کا پامردی سے مقابلہ کیا اور حق و حقانیت کی حمایت میں ہمت و جوانمردی کے ساتھ ڈٹے رہے حالانکہ ان کے سامنے دار و رسن کا مسئلہ بھی تھا اور بغیر تحقیق و تفتیش کی تہمتوں کا بھی۔ تفضیل کا مسئلہ بھی اسی درج کے لیئے دکھایا گیا تھا کہ اس طرح امت کے مفکرین کی زبان بندی کر دی جائے اور ان کے افکار پر قفل ڈال دیئے جائیں۔ اور ایسا ہی ہوا بھی کہ اکثریت جان کے خوف سے حکومت کے خواہشات کی ترجمان اور سیاست کے تقاضوں کی آئینہ دار بن گئی۔ حالانکہ اگر سیاسی دخل اندازی نہ ہوتی تو ایسا کچھ نہ ہوتا حقیقت اپنی جگہ پر رہتی اور تصنع و بناوٹ اپنی جگہ پر۔ نہ سیاسی بازی گری ہوتی اور نہ اندھی تقلید۔ احادیث و آیات کی روشنی میں مسئلے کو حل کیا جاتا اور دنیا کا موقف حقیقت سے کوسوں دور نظر آتا۔

احادیث پیغمبرؐ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ افضلیت علیؑ ابن ابیطالبؑ ایک ایسی محسوس حقیقت تھی جس کا انکار ناممکن تھا۔ اور ممکن بھی کیسے ہوتا جبکہ امت کے کانوں میں غدیر خم کی "فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" کی آواز گونج رہی تھی جس کے سننے والے بے شمار اور روایت کرنے والے سو سے زیادہ اصحاب تھے۔

پھر حدیث ثقلین بھی ایک مستقل دلیل تھی جس سے مولائے کائنات کی فضیلت اور ان کا قرآن کے ساتھ اتحاد و اتفاق ثابت ہو رہا تھا۔ ایسے حالات میں آپ کو امت کے مساوی قرار دے دینا اور تمام جہات فضیلت کو نظر انداز کر دینا حقیقت پر کھلا ہوا ظلم ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

حیرت ہے کہ یہ بات حضرت علیؑ کے بارے میں کہی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں قرآن مصداق انفسنا اور نفس پیغمبرؐ تھے اور انہیں پیغمبرؐ نے دعا کے ساتھ اپنے اہل میں شمار کیا تھا۔ صحیح مسلم ۵ ص۱۷۶ ۔ خود آپ نے بھی شوریٰ کے دن احتجاج کرتے ہوئے یہ سوال کیا تھا کہ کیا مجھ سے زیادہ بھی کوئی رسول اللہؐ سے قریب ہے جبکہ میں ان کا نفس، میرے بچے ان کے فرزند اور میری زوجہ مصداق نسائنا ہے؟ اور کوئی انکار نہ کر سکا تھا۔ حالانکہ اگر کوئی دوسرا بھی آپ کے برابر کا ہوتا تو مباہلہ میں اس کا بھی وجود ہوتا جس طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں موجود تھے۔ صواعق محرقہ ابن حجر۔

ایک شخص نے ابن عائشہ کی محفل میں کھڑے ہو کر سوال کیا کہ حضور اصحاب رسولؐ میں سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمن، طلحہ، زبیر۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔ اور علیؑ؟ فرمایا کہ تو نے اصحاب کے بارے میں سوال کیا تھا نفس کے بارے میں نہیں۔ علیؑ تو آیت مباہلہ کے بموجب نفس پیغمبرؐ ہیں۔ محاسن بیہقی ا ص۳۹ ۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے تفضیل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت میں ابوبکر و عمر و عثمان افضل ہیں۔ میں نے عرض کی اور علیؑ؟ فرمایا بیٹا علیؑ ان اہلبیت میں سے ہیں جن پر کسی کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلیٰ ۲ ص۱۲۰

پیغمبر اسلامؐ نے بھی مختلف اوقات میں مختلف مناسبات سے یہ واضح کر دیا تھا کہ علیؑ میرے نفس ہیں۔ ان کی اور میری نسبت سر و تن کی ہے۔ خطیب

بغدادی، ص۱۷۵ - اگر بنو ربیعہ باز نہ آئے تو میں ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو میرے نفس جیسا ہوگا۔ الریاض النضرہ ص۱۶۴ — علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔

ابن عباس نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے مجھ سے خطاب کرکے فرمایا "علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ اس کا گوشت میرا گوشت ہے اور اس کا خون میرا خون وہ مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے ہے۔

حج کے موقع پر بھی آپ نے حضرت علیؑ کو اونٹ کے نحر کرنے میں شریک کیا تھا جیسا کہ عرفہ بن الحرث الکندی کی روایت میں ہے کہ اونٹ کے نحر کرتے وقت آپ نے خنجر کا ایک حصہ خود پکڑا اور ایک علیؑ کے ہاتھوں میں دیا اور پھر نحر کرنے کے بعد اپنے ہی ناقہ پر جگہ دی۔ شرح المواہب اللدنیہ ۸ ص۱۹۲

تقسیم کے وقت بھی آپ حضرت علیؑ کو ذمہ دار قرار دیتے تھے کہ وہ اونٹوں کا گوشت تقسیم کریں۔ خطبہ کے موقع پر بھی آپ ناقہ شہباء پر بلند ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور حضرت علیؑ اس کو عوام کے ذہن نشین کراتے تھے۔ جیسا کہ ابن حجر نے مواہب میں نقل کیا ہے اور ابو داؤد، نسائی، بغوی اور طبرانی نے روایت کیا ہے

اصحاب پیغمبرؐ بھی ان خصوصیات سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ طبری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ قریش کی ایک محفل سے گذرے جہاں لوگ حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ تم یہ سب سن رہے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں یہ لوگ علیؑ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ناقہ کو پلٹاؤ وہ واپس لایا آپ نے لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا۔ کون ہے رسول اللہ کو گالی دینے والا؟ لوگوں نے کہا سبحان اللہ، رسول اللہ کو گالی دینے والا کافر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا کون ہے علیؑ کو گالی دینے والا؟ لوگوں نے کہا ہاں یہ تو ہوا ہے! آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور

جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی اور جس نے خدا کو گالی دی خدا اس کو منھ کے بل جہنم میں پھینک دے گا ۔ الریاض النضرہ ۲ ص۲۱۹ ۔

نسائی نے عبداللہ الجدلی سے روایت کی ہے کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر تھا انہوں نے فرمایا کہ کیا تمہارے یہاں رسول اکرم کو گالیاں دی جاتی ہیں؟ میں نے عرض کی معاذاللہ ایسا کون کر سکتا ہے ؟ فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے حضورؐ سے سنا ہے کہ علیؑ کو گالی دینے والا مجھے گالی دینے والا ہوتا ہے ۔ خصائص ص۲۴ ۔ الریاض النضرہ ۲ ص۲۱۹ ۔

انہیں خصوصیات نے حضرت علیؑ کو وہ امتیازات دلوائے تھے جو کسی اور صحابی کو نصیب نہ ہو سکے تھے ۔ چنانچہ مواخات کے دن بھی حضور اکرمؐ نے صرف آپ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا ۔ مصابیح السنہ ۲ ص۲۰۳ ، فتاوی حدیثیہ ابن حجر ۔

خود خدا کی مشیت بھی یہی تھی کہ علیؑ کے فضائل کو ظاہر کر کے دنیا کو ان کی منزلت سے روشناس کرا دیا جائے اس لئے اس نے بھی وہ خصوصیات عطا کئے کہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکے ۔ ان کی محبت کو بزبان پیغمبرؐ علامت نفاق بنا دیا اور حضرت علیؑ نے اس کا اعلان بھی کر دیا ۔ صحیح مسلم خصائص ص۲۷ ۔ ذخائر العقبیٰ ص۹۱ ، استیعاب برحاشیہ اصابہ ۳ ص۳۷ ، شرح الشفا خفاجی ۳ ص۴۵۷ ۔

اصحاب پیغمبرؐ تو لوگوں کے ایمان و نفاق کو محبت و عداوت علیؑ ہی سے پہچانتے تھے جیسا کہ ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ ہم جماعت انصار والے منافقین کو حضرت علیؑ کے بغض کے ذریعے پہچانا کرتے تھے ۔ صحیح ترمذی ۲ ص۲۹۹ ۔ جابر بن عبداللہ انصاری کا کہنا ہے کہ ہم منافقین کو صرف بغض علیؑ سے پہچانا کرتے تھے ۔ ذخائر العقبیٰ ص۹۱ ۔ استیعاب ۳ ص۴۶ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ کا دوست مومن اور علیؑ کا دشمن منافق ہے اور منافق کی سزا جہنم کا آخری طبقہ ہے ۔

احمد بن منصور کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے سوال کیا آپ کا حضرت علیؑ کے اس دعویٰ کے بارے میں کیا خیال

ہے کہ میں قسیم جنت و جہنم ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس میں تعجب کیا ہے؟ یہ ہمارے ہاں تو روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا تمہارا دوست صرف مومن اور تمہارا دشمن صرف منافق ہوگا اور تم ہی بتاؤ کہ مومن کی جگہ سوائے جنت کے اور منافق کی جگہ سوائے جہنم کے کیا ہے؟ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ علیؑ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ طبقات الحنابلہ ۱ صفحہ ۳۲

حضرت علیؑ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ و ترویج میں مثل پیغمبرؐ قرار پائے ہیں چنانچہ ابوبکر کو تبلیغ برائت کے لیے بھیجنے کے بعد جب وحی الٰہی کے اشارے پر آپ نے واپس بلا لیا اور انہوں نے پلٹ کر آبدیدہ انداز سے پوچھا کیا میرے بارے میں کوئی شے نازل ہوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ صرف یہ حکم آیا ہے کہ اسے یا میں پہونچاؤں یا میرے اہلبیت میں سے کوئی شخص۔ اور بقول سعد "یا میں یا مجھ سے کوئی مرد"۔ اور بقول ابوہریرہ "میں یا وہ مرد جو مجھ سے ہو"۔ الریاض النضرہ ۲ صفحہ ۱۷۳، خصائص صفحہ ۲۰۔

لہٰذا اب علیؑ کا بھیجنا وحی الٰہی کے بموجب ہوا اور گویا قدرت نے انہیں مقام تبلیغ کے منتخب کر لیا اور نبیؐ نے اس پر مہر ثبت کر دی۔ وہی انداز خصوصیت جو آپ کو باب مدینۃ علم ہونے میں حاصل ہے۔ جیسا کہ بقول ہیثمی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ علائی اور ابن حجر نے اس کی تحسین کی ہے۔ اور ابن حجر نے شرح ہمزیہ میں حضرت علیؑ کے فضائل کا شمار کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہیں میں سے آپ کا باب مدینۃ العلم ہونا ہے۔ یا۔ بقول ترمذی باب دار الحکمہ۔ یا۔ بقول ابن عدی باب علم پیغمبرؐ ہونا ہے۔ شرح الہمزیہ صفحہ ۲۰۳۔ بلکہ آپ کا اقضائے امت ہونا بھی آپ کے بلند ترین مقام علم کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت علیؑ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ رسول اکرمؐ سے قریب ترین اور آپ کے محبوب ترین شخص تھے۔ آپ کی محبت و پیروی فرض تھی۔ آپ

حق کے ساتھ تھے اور حق آپ کے ساتھ تھا۔ تمام دروازوں کے بند ہوجانے کے بعد بھی مسجد میں آپ کا دروازہ کھلا ہوا تھا جیسا کہ امام نسائیؒ نے نقل کیا ہے کہ چند اصحاب کے دروازے مسجد پیغمبرؐ کی طرف کھلتے تھے ایک مرتبہ آپ نے حکم دیا کہ باب علیؑ کے علاوہ تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اس پہ کافی چہ میگوئیاں ہوئیں تو آپ نے حمد وثنائے الٰہی کے بعد اعلان کیا کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا تھا تم لوگوں کو اعتراض ہے تو سن لو کہ میں نے نہ کھولا تھا نہ بند کیا ہے میں نے صرف حکم خدا کا اتباع کیا ہے۔ خصائص ص۱۳، شرح المواہب اللدنیہ ۸ ص۲۵۳

خود حضرت عمر کی نظر میں یہ امتیاز انتہائی اہم تھا چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ ابن ابی طالب کو تین ایسی خصوصیتیں ملی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی مل جاتی تو سرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز ہوتی۔ ایک دختر رسولؐ کی شوہری۔ دوسرے مسجد میں دروازے کا کھلا رہ جانا تیسرے جنگ خیبر کی علمداری۔ ذخائر العقبیٰ ص۷۷ بروایت احمد وغیرہ اس کے علاوہ بھی حضرت عمر نے آپ کے بعض فضائل کی تمنا کی تھی جیسے کہ خیبر کے موقع کی علمداری کہ جب حضور اکرمؐ نے لاعطین الرایۃ غداً۔ کا اعلان کرنے کے بعد حضرت علیؑ کو علم دیدیا تھا۔ اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے آج کے علاوہ سرداری کی تمنا کبھی نہیں کی۔ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہم

بہرحال اس دور میں حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی ایسی جامع فضائل وکمالات شخصیت نہ تھی جس کی طرف نگاہیں اٹھ سکیں اور جس کی فضیلت کا رسول اکرمؐ نے اس قدر اہتمام کیا ہو اور مجمع عام میں اعلان کر دیا ہو کہ یہ مجھ سے بمنزلہ ہارون ہے۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں میرے پیغام کو یا میں خود پہونچاؤں گا یا علیؑ۔ (ترمذی، النسائی وغیرہما) تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں (اصابہ ابن حجر ۲ ص۵۹) جس نے علیؑ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے علیؑ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔

(استیعاب ۳ ص۳۷ حاشیہ اصابہ)

اے علیؑ طوبیٰ ان لوگوں کیلئے ہے جو تیرے دوست ہوں اور تیرے بارے میں راست گوئی سے کام لیں اور ویل ان کے لئے ہے جو تیرے دشمن ہوں اور تیرے بارے میں جھوٹ بولیں۔ (الریاض النضرہ ۲ ص۲۸۵)

عمار یاسر حضور اکرمؐ کے اس ارشاد کے راوی ہیں کہ جس نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اسے میری وصیت ہے کہ علیؑ کی ولایت قبول کرے ان کا دوست میرا دوست ہے۔ ان کا ولی میرا ولی ہے ان کا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دوست و دشمن خدا کا دوست و دشمن ہے۔ (کنز العمال ۶ ص۱۵۵ بروایت طبرانی تاریخ ابن عساکر)

یہ ایک مشت نمونہ ہے اس عظیم انبار میں سے جس میں آیات و احادیث کا بے پناہ ذخیرہ ہے، میں نے اس مختصر مقدار کو بالمناسبت نقل کر دیا ہے ورنہ آیات اور انکی تفسیر کے سلسلے سے تو مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ خود حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حضرت علیؑ کی شان کی آیتوں کو الگ رسالہ میں جمع کیا ہے اور پھر ایک کتاب خصائص بھی لکھی ہے امام نسائی۔ احمد۔ عبدالرحمن السکری وغیرہ نے مناقب میں مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ موقع نہیں ہے کہ اس مقام پر تفصیل سے کوئی بات لکھی جا سکی البتہ اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند خصوصیات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے تاکہ اس شخصیت کا بھی ایک ہلکا سا خاکہ نگاہوں کے سامنے آجائے جس سے بہتر کوئی تصویر قلم تاریخ نے صفحۂ وجود پر نہیں کھینچی۔

اقوال صحابہ

تفضیل کی مشکل کو حل کرنے کے لئے تمام چیزوں کے ساتھ صحابہ کرام کے اقوال کی طرف بھی رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ان حضرات نے امام علیؑ بن ابیطالب کی شخصیت میں کن منفرد خصوصیات کا ادراک کیا ہے اور ان کی نظر میں حضرت علیؑ کی عظمت کیا تھی؟ تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے صرف چند اقوال کے

تذکرے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

خلافت جب ایک مدت کے بعد پلٹ کر حضرت علیؑ کے پاس آئی اور آپ کی بیعت کی گئی تو بہت سے خطباء اصحاب نے اپنے اپنے حب اور یک اس بیعت پر تبصرہ کیا۔ ثابت بن قیس بن الحطیم انصاری کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا امیرالمومنین خدا کی قسم اگر یہ لوگ آپ سے حکومت میں آگے بڑھ گئے تو دین میں نہیں بڑھ سکتے اور حکومت میں بھی آج آپ ان کی منزل تک پہونچ گئے ورنہ یوں تو آپ کی جگہ کبھی مخفی نہ تھی اور آپ کی منزل کبھی مجہول نہ تھی لوگ ہمیشہ اپنے علم میں آپ کے محتاج رہے اور آپ کبھی کسی کے محتاج نہیں رہے۔

خزیمہ ذوالشہادتین کھڑے ہوئے اور یوں گویا ہوئے کہ خدا کی قسم یا امیرالمومنین خلافت نے آپ کو کوئی زینت نہیں بخشی آپ نے خلافت کو آراستہ کر دیا ہے اس نے آپ کو نہیں بلند کیا آپ نے اسے بلند کیا ہے آپ اس کے محتاج نہیں جس سے وہ آپ کی محتاج ہے۔

مالک بن الحرث اٹھے تو یوں خطبہ زن ہوئے ایہا الناس یہ وصی الاوصیاء وارث علم انبیاء عظیم البلاء، حسن الغناء ہیں، کتاب اللہ نے ان کے ایمان کی شہادت دی ہے اور رسولؐ حق نے جنت رضوان کی بشارت۔ ان کے فضائل کامل ہیں اور ان کے علم و فضل و کمال میں اولین و آخرین میں کسی نے شک نہیں کیا ہے۔

عقبہ بن عمر نے یہ تقریر کی "جو روز عقبہ جیسا جہاد کرے۔ بیعت رضوان جیسی بیعت میں شرکت کرے، ایسا امام ہو جس سے ظلم کا اندیشہ نہ ہو، ایسا

؎ ثابت بن قیس کا انتقال معاویہ کے زمانے میں ہوا ہے یہ رسول اکرمؐ کے ساتھ جنگ احد وغیرہ میں شریک ہوئے تھے، حضرت علیؑ کی طرف سے مدائن کے گورنر رہے جمل و صفین میں شریک رہے ہیں بعض مورخین نے ان پر ثابت بن قیس بن شماس انصاری کا دھوکہ کھایا ہے جو غلط ہے اس لئے کہ ابن شماس یمامہ کی جنگ میں ۱۲ھ میں قتل ہو چکے تھے۔

عالم ہو جس میں جہالت کا شائبہ نہ ہو اس کا مثل کون ہو سکتا ہے۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۵۵
اس کے بعد خطباء و شعراء کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس میں تمام اقوال کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے، مقصود صرف اس نمونہ کا پیش کرنا تھا جس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ اصحاب رسول حضرت علیؑ کے بارے میں کس علم وفضل وکمال کے معترف تھے اور کس طرح آپ کی طرف مختلف مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔ خود حضرت ابوبکر آپ کی طرف برابر نظر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے ٹوک دیا تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ "النظر الی وجہ علیؑ عبادہ" علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے۔ (اس روایت کو ابن السمان نے موافقہ میں اور ابوالحسن الحربی نے ابن مسعود سے اور ابہری نے عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے)

حضرت عمر بھی برابر آپ کے علم وفضل کا اعتراف کیا کرتے تھے آپ کے بہت سے اقوال مشہور رہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو تنبیہ کی تھی کہ خبردار! علیؑ کا ذکر بغیر خیر کے نہ کرنا ورنہ ان کی تنقیص سے اس صاحب قبر (رسول اکرمؐ) کو اذیت ہو گی۔ (مناقب احمد، موافقہ ابن السمان، الریاض وغیرہ ج۲ ص۲۲۲)
کبھی فرماتے تھے "اقضانا علی" (ذخائر العقبیٰ بروایت حافظ سلفی ص۸۳) اور کبھی "علی اقضانا" (استیعاب ج۲ ص۳۹ بروایت ابن عباس) یعنی ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔

سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ حضرت عمر ان مشکلات سے پناہ مانگتے تھے جن میں ابوالحسن موجود نہ ہوں۔ چنانچہ ایک مجنونہ کے بارے میں آپ نے زنا کے جرم میں سنگسار کا حکم دیدیا ایک چھ مہینے کی مدت میں جننے والی عورت کو سنگسار کرنے کا ارادہ کر لیا تو حضرت علیؑ نے حدیث "رفع القلم" اور آیت "حملہ و فصالہ ثلثون شہرا" یعنی مجنونہ پر کوئی تکلیف نہیں ہے اور حمل و رضاعت کی کل مدت تیس مہینے ہو سکتی ہے یعنی چھ مہینے کا حمل ممکن ہے۔ سے استدلال فرمایا اور انہوں نے

کہا " لولا علیؑ الہلک عمر" علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔
اذینہ عبدی کا بیان ہے کہ میں حضرت عمر کے پاس مسئلہ پوچھنے گیا کہ عمرہ کہاں سے شروع کروں تو فرمایا کہ اس بات کو علیؑ سے پوچھو جو جواب وہ دیں گے وہی تمہارے حق میں زیادہ مناسب ہوگا۔ (استیعاب ج۲ ص۴۶۳)
اس کے علاوہ بھی ان کے اقوال بکثرت ہیں مثال کے طور پر چند ایک یہ ہیں ۔

- علیؑ کی موجودگی میں مسجد میں کسی کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے۔
- خدایا مجھے اس مشکل کے وقت باقی نہ رکھنا جب ابن ابیطالبؑ موجود نہ ہوں ۔
- خدایا کوئی مصیبت اس وقت تک نازل نہ ہو جب تک علیؑ میرے پہلو میں نہ ہوں ۔
- علیؑ بن ابی طالب نہ ہوتے تو ابن خطاب ہلاک ہو جاتا۔
- عورتیں علیؑ جیسا فرزند پیدا کرنے سے عاجز ہیں ۔
- عمر کے قول کو علیؑ کے قول کی طرف پلٹاؤ وہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا
- اے ابن ابی طالب آپ ہمیشہ شبہات کے زائل کرنے والے اور علم کے مرکز رہے ہیں ۔ (استیعاب ابن عبدالبر، شرح ہمزیہ ابن حجر، الفتح احمد بن محمد الصدیق) اسد الغابہ میں ابن اثیر کا بیان ہے کہ اگر ہم حضرت علیؑ سے حضرت عمر جیسے اصحاب کے سوالات نقل کرنا شروع کر دیں تو کافی طولانی ہو جائے گا۔

ایک شخص معاویہ کے پاس ایک مسئلہ لیکر آیا اس نے کہا کہ اسے علیؑ سے پوچھو وہ بہتر جانتے ہیں اس نے کہا کہ مجھے آپ کا جواب ان کے جواب سے زیادہ عزیز ہے معاویہ نے کہا تو نے بہت بڑی بات کہی ہے اور اس شخص سے کراہت کی ہے جسے رسول اللہؐ علم بھرایا کرتے تھے جس کے لئے

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ سے بمنزلہ ہارون من موسیٰ ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ خود حضرت عمر بھی مشکلات میں انہیں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ (الریاض النضرہ ۲ ص۱۹۵، مناقب احمد بن حنبل)

ابن عباس کا بیان ہے کہ علیؑ میں چار صفتیں ایسی ہیں جو کسی میں نہیں پائی جاتی ہیں وہ عرب و عجم میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ ہر جنگ میں رسول اکرمؐ کے علمدار رہے ہیں، انہوں نے ان معرکوں میں صبر سے کام لیا ہے جہاں سب بھاگ گئے تھے، انہوں نے آنحضرتؐ کو غسل دے کر دفن کیا ہے۔ بروایت ابن عمر

ابن عباس کا آخری وقت آیا تو انہوں نے کہا خدایا میں تجھ سے علیؑ کی ولایت کے ذریعے قربت چاہتا ہوں (الریاض النضرہ ۲ ص۲۲۷)

ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے اور علیؑ کے علم میں کیا نسبت ہے فرمایا کہ میرا علم ان کے مقابلے میں یونہی ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں بارش کا ایک قطرہ (شرح النہج ص۶)

ابن مسعود کا بیان تھا کہ مدینہ میں علیؑ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے (استیعاب ۳ ص۴۱)

سعد بن ابی وقاص سے معاویہ نے علیؑ کو برا بھلا کہنے کی فرمائش کی انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے ان کے تین فضائل کا ذکر کیا ہے اگر مجھے ایک بھی فضیلت مل جاتی تو سُرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی — انہیں بمنزلہ ہارون قرار دیا ہے۔ لہٰذا میں انہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھی کہ علیؑ سے بہتر سنت رسولؐ کا جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ (الاستیعاب ۳ ص۴۰ حاشیہ اصابہ)

ایک مرتبہ جابر بن عبداللہ الانصاری آپ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ علیؑ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے چند لمحہ کے لیئے سر کو جھکا لیا اور

پھر سر اٹھا کر بولیں۔

شعر۔ "جب سونا کسوٹی پر کسا جاتا ہے تو کھرے کھوٹے کا امتیاز ہوتا ہے،
ہمارے درمیان کھرے کھوٹے ہر طرح کے لوگ ہیں اور علیؑ سب کیلئے کسوٹی ہیں۔"
(الفصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۱۹۳)

معاویہ بن ابی سفیان کو حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے کہا کہ ابن ابیطالب کی موت سے علم و فقہ سب مر گئے۔ (کتاب الف با را لبغوی ا ص۲۲۲)

عطا سے پوچھا کہ کیا اصحاب رسولؐ میں کوئی علیؑ سے بھی زیادہ اعلم تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کسی ایسی بات کا علم نہیں ہے۔ (کتاب الف با را لبغوی ا ص۲۲۲)

اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال و ارشادات ہیں جن کا تلاش کرنا صاحب بصیرت کے لئے کوئی دشوار کام نہیں ہے بلکہ انہیں مدارک و مآخذ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہلسنت کا مسئلہ تفضیل نہ کوئی علمی بنیاد رکھتا ہے اور نہ برہانی اصلیت یہ صرف اہل سیاست کی پیداوار ہے جسے عوام نے تقلیدی طور پر اپنا لیا ہے اور اسی پر گامزن ہیں۔ اجماع بھی عہد متوکل کی پیداوار ہے۔ (استیعاب ج۳ ص۵۳) جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور خلاصہ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ پر اگر غیر جانبدارانہ انداز سے بغیر کسی تعصب و پارٹی بندی کے غور کیا جائے اور صحیح دلائل و براہین کو شمع راہ بنایا جائے تو اس حقیقت تک پہونچ جانے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ مسئلہ سیاست کا پیدا کیا ہوا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے حضرت علیؑ ہی تمام امت سے افضل و برتر تھے یہی سلف صالح کا مختار اور علماء اسلام کی اکثریت کا عقیدہ ہے۔ سیاست نے جہاں اور نقصانات پہونچائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عوام سے حریت رائے سلب کر کے انہیں اندھی تقلید کا خوگر بنا دیا ہے اب دلائل سے زیادہ قیمت خیالات کی ہے اور براہین سے زیادہ عظمت ارشادات کی ہے ضمیر کی آواز کا بلند کرنا موجب خطا اور فضائل اہلبیت کا روایت کرنا باعث مسرت ہے۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ نصر جہضمی متوفی

۲۵۸ھ نے رسول اکرمؐ کی یہ حدیث روایت کی "جو مجھے اور ان دونوں (حسنینؑ) اور ان کے باپ کو دوست رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا"، تو متوکل نے ان کے لئے ہزار کوڑے کی سزا کا حکم دے دیا جعفر بن عبدالواحد نے متوکل سے ان کی سفارش کی اور اس بات پہ زور دیا کہ یہ اہلسنت ہی میں سے ہیں تو متوکل نے انہیں چھوڑ دیا ورنہ ..... بقول خطیب متوکل کا خیال تھا کہ نصر رافضی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳، ص۲۸۷)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سلاطین جور کے دور حکومت میں شیعوں کا موقف کیا تھا اور انہیں کس کس طرح اذیت پہونچائی جاتی تھی۔ حد ہے کہ فضائل اہلبیتؑ کے روایت کرنے والے کو رافضی کہا جاتا تھا اور رافضی کی سزا اتنی سخت تھی کہ العظمۃ للہ۔ کتنے علماء اس زد میں آگئے، کتنے صاحبان فکر اس بلاء میں مبتلا ہو گئے معاشرہ سیاست کی نذر ہو گیا اور محبان اہلبیتؑ کی اذیت کے لئے بہانے ڈھونڈے جانے لگے، حکومت کی خوشی بنیادی مقصد بن گئی اور خدا کا غضب نظر انداز ہو گیا۔

خلاصہ بحث: تفضیل کے مسئلے کی اس وضاحت کے بعد یہ طے ہو جاتا ہے کہ مالک بن انس کی رائے صرف ایک سیاسی کرشمہ تھی اور اس کی کوئی عقلی و فلسفی بنیاد نہ تھی حضرت علیؑ کی برابری تمام امت سے ناممکن اور ان کے خصوصیات و امتیازات کا انکار محال ہے وہ رسول اکرمؐ کی آغوش کے پروردہ اور آپ کے مدرسہ فکر کے اعلیٰ ترجمان تھے ان کے اخلاق و آداب اور ان کی ہدایت و زندگی حضورؐ کی ہدایت و زندگی تھی۔ وہ ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہے اور انہوں نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کے اعلان رسالت کی تصدیق کی ہجرت کی رات قربانی پیش کی، مواخات میں رسولؐ کے بھائی بنے۔ مباہلہ میں انفسنا کی سند پائی اور بمنزلۃ "انا من من الجسد" کے مصداق ٹھہرے ابان ابن عیاش کا بیان ہے کہ میں نے حسن بصری سے حضرت علیؑ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے

فرمایا کہ میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں وہ صاحب فضل وعلم وحکمت وفقر و فکر وصحبت وعظمت وجہاد وزہد وقضاوت وقربت تھے ۔ ۔ ۔ خود رسول اکرمؐ نے جناب فاطمہؑ سے کہا تھا کہ میں نے تمہارا عقد بہترین امت شخص سے کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی علیؑ سے بہتر ہوتا تو حضورؐ اسے مستثنیٰ فرما دیتے، پھر مواخات کے موقع پر بھی آپ نے انہیں اپنا بھائی بنایا تھا آپ بہترین خلائق ہیں نفس کے اعتبار سے بھی اور برادری کے اعتبار سے بھی ۔ (ابن ابی الحدید ۳۶۹)

ایک اور شخص نے بھی ان سے حضرت علیؑ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جو چار فضیلتوں کا جامع ہو سورۂ برائت کا امین ہو۔ تبوک کے موقع پر بمنزلہ ہارون قرار پائے اور بغیر نبوت کسی صفت کا استثناء نہ ہو۔ ثقلین میں شامل ہو کہ کتاب خدا کا ہموزن ٹھہرے اور ہر لشکر کا سردار ہو اس کا کوئی سردار نہ ہو جبکہ سب ہی کا کوئی نہ کوئی سردار ضرور تھا ۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ایک جماعت نے میرے والد کے سامنے خلافت کا ذکر شروع کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا کیا تم لوگ خلافت اور علیؑ کے بارے میں بحث کرتے ہو یاد رکھو خلافت نے علیؑ کو کوئی زینت نہیں دی بلکہ علیؑ کے خلافت کو مزین اور آراستہ کیا ہے ۔

عبداللہ ہی کا کہنا ہے کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ جتنی صحیح حدیثیں علیؑ کے بارے میں ہیں کسی کے بارے میں نہیں ہیں ۔ (مناقب احمد ابن جوزی ص ۱۶۳)

اتنے اہم اور باارزش اقوال کے بعد ہمیں نہ باقی تابعین کے اقوال کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ علماء کے ارشادات کی ۔ ہمیں تو صرف یہ واضح کرنا تھا کہ اس مسئلے میں الجھاؤ سیاست کا پیدا کیا ہوا ہے جس نے مسئلے کو اس حد تک پیچیدہ بنا دیا تھا کہ حضرت علیؑ کو دیگر اصحاب رسولؐ پر مقدم کرنا ایک قسم کی بدعت بن گیا تھا اور اسے کفر سے تعبیر کیا جا رہا تھا۔ قانون یہ بنا تھا کہ

علیؓ کو عثمانؓ پر مقدم کرنا اہل بدعت کا کام ہے۔ (کفایہ خطیب بغدادی ص۳۷۵) اور اس طرح علیؓ کے چاہنے والوں پر مسلسل مصائب توڑے جا رہے تھے الزامات و اتہامات کا یہ سلسلہ اسی مقام پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی ایک قدم اٹھایا گیا جس کا نام تھا فتنۂ صحابیت ــ!

شیعہ اور اصحاب

ہماری اس کتاب کے جملہ موضوعات میں سے غالباً سب سے اہم موضوع "شیعہ اور اصحاب" ہی ہوگا۔ دل چاہتا تھا کہ ایسے نازک اور خطرناک موضوع پر قلم نہ اٹھائیں۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ کتاب میں ان تمام اسباب کا تذکرہ ضروری ہے جو مذہب اہلبیتؑ اور باقی مذاہب کے موازنہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے مختصر سہی مگر اس موضوع سے بحث ضرور کریں گے۔ علماء اسلام نے ہمیشہ اسی اسلحہ کو اہل بیتؑ کے چاہنے والوں کے خلاف استعمال کیا ہے اور ان کی طرف طرح طرح کی نسبتیں دی ہیں۔ قانون یہ بنا دیا گیا تھا کہ شیعہ تمام اصحاب کو کافر سمجھتے ہیں ان سے احادیث نقل کرنے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اس لئے انہیں کافر در زندیق سمجھنا چاہیئے اور ان کے خون کو مباح ہونا چاہیئے "اصحاب کی توہین خود رسول اکرمؐ کی توہین ہے" "اگر کسی اصحاب کی تنقیص کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ زندیق ہے"۔ کیوں؟ اس لئے کہ بزرگوں پر تنقید اور ان کے اعمال سے بحث کرنا ایک ناجائز امر ہے اور وہ سب کے سب بزرگ تھے۔

ہم اس اہم موضوع کو انتہائی دقت نظر کے ساتھ زیر بحث لائیں گے اور اسی پر پوری پوری توجہ دیں گے اس لئے کہ شیعوں کے لئے یہ الزام

بڑا خطرناک الزام ہے اور اس کے نتائج انتہائی بھیانک ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح عوام کو ابھار کر شیعوں کو مصائب و آلام کا نشانہ بنا دیا جائیگا اور اہلبیتؑ کا مذہب نشر و اشاعت کی منزلوں میں نہ آسکے گا۔ ارباب سیاست اور دشمنان اسلام نے اس اختلاف کو اور ہوا دی اور اس خلیج کو اور بھی وسیع بنا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعوں کا کفر و الحاد اس دور کے مسلمات میں بن گیا اور ان سے کنارہ کشی فرض ہوگئی، حکومت کا مقصد یہ تھا کہ شعور کو ذبیں، ذہنوں کو مقفل اور افراد کو مقلد محض بنا دیا جائے۔ تقلید ہی ان کے اغراض کی تکمیل کا باعث اور فکری جمود ہی ان کے خواہشات کی تحصیل کا سبب بنے گا حکومت کی خواہش حکم مذہب بنے گی اور سیاسی مقاصد احکام آلٰہیہ، لیکن مشیت الٰہی کچھ اور ہی تھی، سارے شبہے ہوا میں اڑ گئے اور ذکر اہلبیتؑ تاریخ کے ساتھ زندہ رہ گیا، جھوٹے پروپیگنڈے ناکام ہوگئے اور مذہب آل محمدؐ منتشر ہوکر رہا۔

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے ظلم کا اعتراف لیں یا ان کی غلطی پر ایسے الفاظ کا استعمال کریں جن سے دلوں میں جذبۂ نفرت اور طبیعتوں میں جوش عداوت پیدا ہو اور نہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں کہ وہ زمانے کے ساتھ چلتے رہیں اور اپنی باتوں پہ اڑے رہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ اپنی غلطیوں کو مہمل قرار دے کر چھوڑ دیں یا شیعی معاشرہ کی غلطیوں کا اعلان نہ کریں اور اس پر تنقید نہ کریں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنا اور تہمت لگانا چھوڑ دیں۔ ان کے ذہن اندھی تقلید سے آزاد ہو جائیں اور ان کے دل و دماغ دلائل و براہین کا اتباع کرنے لگیں، حکومت ان کی زبان نہ ہو اور خواہش ان کی محرک نہ بنے اس کے بعد وہ جس کمزوری کو چاہے اعلان کریں اور جس غلطی پر چاہیں تنبیہ کریں حق کا اتباع کریں، اہل ہوس کی باتوں کو نظر انداز کریں، کرائے کے قلموں کے مندرجات کو پس پشت ڈال دیں اور دقت نظر کے ساتھ صاف دل اور غیر متعصب دماغ کے ساتھ مسئلہ پہ غور کریں، حق کی راہ واضح اور حقیقت کا چہرہ روشن ہے

اختلاف کا حال تباہ اور انجام کا مستقبل تاریک ہے!

مسئلہ شیعہ و صحابہ: اب اس عظیم مسئلہ کو چھیڑ رہے ہیں جسکے آگے تاریخ کے مفسرین لگام لگی ہوئی ہے اور حقیقت الزامات و اتہامات کی تہوں میں چھپ گئی ہے، راستہ انتہائی پیچیدہ ہے اور طریق کار انتہائی دشوار گذار۔ اہل تاریخ نے عقل و وجدان اور شرع و شریعت سے اعراض کرکے اتہامات کے ڈھیر لگا دیئے ہیں اور شیعہ ان سب کے مقابلہ میں وسعت صدر کا ثبوت دیتے ہوئے مقابلہ بالمثل سے اعراض کئے ہوئے ہیں، علامہ شرف الدین علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں "جو شخص بھی صحابہ کرام کے بارے میں ہماری رائے سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ وہ بہترین رائے ہے اس میں نہ غالیوں جیسی التعز لیط ہے کہ ہر صحابی کو کافر کہدیا جائے اور نہ جمہور جیسی افراط کو تمام صحابہ کو عادل مان لیا جائے۔ صحبت پیغمبر ہماری نظر میں ایک شرف و منزلت ہے۔ لیکن ہر شرف ضامن عصمت نہیں ہوا کرتا، صحابہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح کے انسان ہیں ان میں بعض عادل ہیں اور بعض باغی، مجرم اور منافق۔ بعض کا حال غیر معلوم ہے جو صاحبان عدالت ہیں ان کا احترام کیا جاتا ہے، ان کی روایت پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جو ابن ہند، ابن نابغہ، ابن زرقاء، ابن عقبہ، ابن ارطاۃ وغیرہ کی طرح کے باغی یا مجرم ہیں ان کا کوئی احترام نہیں ہے نہ ان کی حدیث کی کوئی وقعت ہے، مجہول الحال افراد کے بارے میں توقف ہی مناسب ہے یہاں تک کہ ان کا حال معلوم ہو سکے۔

جمہور نے ہمارے مقابلے میں ان کی تقدیس میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ ہر "صحابی لقب" کو معتبر قرار دے لیا ہے۔ اصلی و نقلی کا فرق مٹ گیا ہے، ہر رسول کو دیکھنے یا ان کی بات سننے والے کی اقتدار ضروری ہوئی ہے اس کی مخالفت کرنے والے کو مجرم فرض کیا گیا ہے، حدیث پر تنقید کرنا کفر اور رجال پر جرح کرنا الحاد ہو گیا ہے۔ اتہامات کا بازار گرم ہے اور علم و فن کا قاعدہ و قانون مہمل و بیکار ہو گئے

ہیں کاش یہ لوگ علمی قواعد پر ایک نظر ڈال لیتے تو انہیں یہ اندازہ ہو جاتا کہ صحابہ میں اصالتہ العدالتہ کا کوئی قانون نہیں ہے یا کم از کم قرآن ہی کی تلاوت کرتے تو یہ سمجھتے کہ اس میں منافقین کے کتنے زیادہ تذکرے پائے جاتے ہیں خصوصیت کے ساتھ سورۂ توبہ اور سورہ احزاب وغیرہ میں۔

مسئلہ کے فرضیات: مسئلہ صحابیت میں تین قسم کی رائیں فرض کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ صحابہ سب کے سب عادل ہیں انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ سب جائز ہے وہ صاحبان اجتہاد تھے اور انہیں اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا حق تھا۔ یہی رائے جمہور اہل سنت کی ہے۔

۲۔ صحابہ بھی دوسرے افراد کی طرح کے انسان ہیں ان میں عادل بھی ہیں اور فاسق بھی، انہیں ان کے اعمال کی ترازو پر تولا جائے گا جس کا عمل نیک ہوگا اسے جزا دی جائے گی اور جس کا عمل برا ہوگا اسے سزا ملے گی۔ یہ مسلک شیعوں کا ہے۔

۳۔ صحابہ سب کے سب کافر ہیں۔ یہ خوارج کی رائے ہے جو خود بھی کافر ہیں اسلئے کہ ایسی کوئی بات سوائے کفار کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

ظاہر ہے کہ تیسرا فرض باجماع مسلمین باطل ہے اور پہلا فرض بھی تقریباً ایسا ہی ہے اس لئے کہ دعوائے عصمت سے شباہت رکھتا ہوا اور انہیں حدود و تکلیف سے بلند کر دیتا ہے جو اسلامی مفروضات کے خلاف ہے لہذا ایک ہی فرض باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے شیعوں کا مسلک یعنی صحابہ انسان ہیں اور ان کا حساب انسانوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ صحابیت ہر نبیؐ کے ساتھی، آپ کو دیکھنے والے اور آپ سے حدیث سننے والے کو شامل ہے اور اس میں مومن و منافق، عادل و فاسق سبھی داخل ہو جاتے ہیں جیسا کہ جبریل نے پیغمبرؐ سے اس وقت کہا تھا جب جنگ تبوک میں منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ محمدؐ یہی آسمان کی خبر سناتے ہیں اور پانی تک پہونچنے کا راستہ

نہیں جانتے اور آپ نے سعد بن عبادہ سے اس کی شکایت کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم سب کی گردنیں اڑا دیں آپ نے جواب دیا تھا کہ خبردار لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں ہمارا کام تو یہ ہے کہ جبتک یہ ہمارے ساتھ رہیں ہم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت عصمت کی ضامن نہیں ہے اور نہ اس کا بنیاد پر ہر ایک کو عدالت کے خلعت سے آراستہ کیا جا سکتا ہے ان کے درجات میں بھی ایمان و عمل کے اعتبار سے تفاوت ہے جیسا کہ دنیا کے دوسرے انسانوں میں ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید کا مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ

انہیں اصحاب میں وہ صاحبان ایمان بھی ہیں جو اپنے عہد پہ قائم رہے مرتے مر گئے لیکن اپنی بات نہیں بدلی، عقیدہ میں راسخ رہے، ایمان رگ و پے میں سرایت کئے رہا، اخلاص سے کام کرتے رہے کمال کے اس درجہ پہ پہونچے کہ قرآن نے مدح کی " یہ کفار پہ سخت، آپس میں رحمدل، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے ہیں، اللہ کے فضل و رضا کے طلبگار رہتے ہیں، چہرے پہ سجدے کے آثار ہیں، ان کی مثال توریت و انجیل میں اس زراعت کی ہے جو ہری بھری ہو کر اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اور کاشتکاروں کی نظروں میں کھبنے لگی تاکہ کفار اسے دیکھ کر جلیں۔ اور اللہ نے تو صاحبان ایمان و عمل صالح سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر ہی لیا ہے" سورۂ فتح ۲۹

یہ وہ صاحبان ایمان ہیں "جو اللہ و رسول پہ ایمان لائے پھر کبھی شک نہیں کیا راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کیا اور اپنے دعوئ ایمان میں سچے رہے۔" حجرات ۱۵ — اللہ نے ان کے بارے میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ "تقوائے الٰہی اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"

انہیں میں " وہ سابقین اولین ہیں جو مہاجرین و انصار میں سبقت رکھتے ہیں خدا ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی، اس نے ان کے لئے جنتیں مہیا کی

ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ انہیں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے"
توبہ صنلہ ۔

اور انہیں اصحاب میں وہ بھی ہیں جو نفاق میں سرکش ہیں، فتنہ پھیلانا چاہتے ہیں رسول کی باتوں کو الٹ دینا چاہتے ہیں اور جب حق ظاہر ہو جاتا ہے تو بُرا مانتے ہیں" رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صرف کان ہیں" جو لوگ رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کیا گیا ہے" جو لوگ رسول اذیت کرتے ہیں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

انہیں میں وہ دھوکے باز بھی ہیں "جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ و روز آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں، یہ خدا اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ اپنے ہی نفس کو دھوکا دیتے ہیں اور انہیں شعور تک نہیں ہے" " یہ جب صاحبان ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں "

انہیں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ اپنے فضل و کرم سے کچھ دے گا تو صدقہ کریں گے اور نیکوکار بن جائیں گے لیکن جب اس نے دیدیا تو بخل کرنے لگے اور منھ پھیر کر چل دیئے اللہ نے ان کے پیچھے اس نفاق کو قیامت تک کے لئے لگا یا ہے کہ ان لوگوں نے وعدہ خلافی کی تھی اور جھوٹ بولے تھے "

صحابیت ایک عظیم منزلت اور جلیل مرتبہ ہے لیکن یہ ان میں بھی شامل ہے جن کا دل ایمان کے لئے آزمایا گیا تھا جنہوں نے جہاد و نصرت کا فرض انجام دیا تھا، کمال نفسانی کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے مکارم اخلاق میں اس بلندی پر تھے کہ "جب اللہ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کے دل لرز جاتے تھے اور جب آیات کی تلاوت ہوتی تھی تو ایمان میں اضافہ ہو جاتا تھا اپنے خدا پر توکل کرتے تھے، نماز قائم کرتے تھے اور اپنے رزق سے راہ خدا میں خرچ کرتے تھے، یہی سچے

مومن تھے اور انہیں کے لئے اللہ کے یہاں درجات، مغفرت اور پاکیزہ رزق مہیا ہے"۔ اور انہیں بھی شامل ہے جن کے دل میں ایمان کا گذر نہ تھا جن کی زبان دل سے ہم آہنگ نہ تھی زبان سے کچھ کہتے تھے اور دل میں کچھ اور ہوتا تھا۔

کاش یہ معلوم ہو سکتا کہ انہیں یہ عصمت کب حاصل ہو گئی حیات نبیؐ میں یا وفات نبیؐ کے بعد۔ اگر یہ عصمت زمانہ حیات کی ہے تو اکثر شواہد اس کے خلاف کیوں ہیں جیسا کہ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ابی عبداللہ الاشعری کے ذریعے ابو داؤد سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرمؐ سے پوچھا کہ آپ کا یہ ارشاد سنا گیا ہے کہ بہت سی قومیں ایمان کے بعد مرتد ہو جائیں گی تو آپ نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے لیکن تم ان میں سے نہیں ہو۔ (تاریخ ابن کثیر ۷ ص ۲۰)

بعض حضرات نے اس روایت کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان مرتدوں سے مراد قاتلین عثمان ہیں اور ابو داؤد کی وفات قتل عثمان سے پہلے واقع ہو گئی تھی لیکن یہ نہیں سوچا کہ اس طرح اکثر صحابہ مطعون ہو جائیں گے اس لئے کہ قاتلین عثمان کی فہرست طولانی ہے اور اس سے نکلنے والے افراد انگلیوں پہ گنے جانے کے قابل ہیں۔

دوسرے شواہد زمانہ پیغمبرؐ میں عدالت کے نہ ہونے کے یہ ہیں۔

۱۔ ایک شخص کاتبان وحی میں سے تھا وہ سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھ رہا تھا جہاں جہاں رسول اکرمؐ نے غفوراً رحیماً فرمایا تھا وہاں وہاں علیماً حکیماً لکھ دیا تھا۔ حضرت نے ٹوک کر فرمایا کہ اس طرح نہیں بلکہ اسطرح لکھو اس نے کہا کہ جیسے میرا دل چاہے گا ویسے لکھوں گا۔ پھر آپ نے علیماً حکیماً فرمایا تو اس نے سمیعاً بصیراً لکھ دیا اور کہنے لگا کہ میں محمدؐ سے زیادہ واقف ہوں اب جو اس کا انتقال ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ اس شخص کو زمین قبول نہیں کرے گی۔ انس کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو طلحہ نے بیان کیا کہ وہ اس کی قبر پر گئے تو اسے

باہر پڑا ہوا پایا لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے کئی مرتبہ دفن کیا لیکن زمین اسے قبول نہیں کرتی ۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ روایت شیخین بخاری و مسلم کے شرائط کی بنیاد پر صحیح ہے لیکن ان لوگوں نے نقل نہیں کیا ہے ۔ (تاریخ ابن کثیر ۶ ص۱۷۰)

۲۔ ولید بن عقبہ کو حضورؐ نے بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے پر معین کیا وہ وہاں سے پلٹ کر آیا اور حضرت کو اطلاع دی کہ وہ لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں حضرت نے بسبب ظاہر دفاع کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ ایک مرتبہ آیت نازل ہوئی "اہل ایمان! اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں کوئی اقدام کر بیٹھو اور بعد میں ندامت ہو" ظاہر ہے کہ یہ ولید بھی صحابہ میں سے تھا جسے آیت قرآنی نے لفظ فاسق سے یاد کیا ہے تو کیا اسے بھی عادل کہا جا سکتا ہے؟

۳۔ بنی سلمہ کی ایک فرد الجد بن قیس صحابہ رسول میں تھا اور اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی تھی کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں میدان سے ہٹنے کی اجازت دیدیجیے اور امتحان میں مبتلا نہ کیجیے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ فتنے میں گر پڑے ہیں اور جہنم تو اہل کفر کو محیط ہے ہی" (تفسیر ابن کثیر ۲ ص۲۹۲)۔

۴۔ مسجد ضرار جس کی تعمیر مومنین میں تفرقہ اور دشمنان خدا و رسولؐ کی پناہ کے لئے ہوئی تھی اس کے بنانے والے بھی صحابہ ہی تھے جن کا دعویٰ تھا کہ ہم کار خیر کر رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ خدا نے ان کے راز کو فاش کر دیا اور [illegible] کر دیا کہ یہ جھوٹے اور منافق ہیں ۔ ان کی تعداد بارہ تھی جن میں خدام بن خالد بن عبید، معتب بن قشیر، ابو حبیبہ بن ابی الازعر وغیرہ بھی تھے ۔ (تفسیر ابن کثیر ۲ ص۳۸۸، سیرۃ ابن ہشام ۱ ص۳۴۱)

۵۔ ثعلبہ بن حاطب بن عمر بن امیہ جس نے خدا سے عہد کرنے کے بعد بھی زکوٰۃ سے انکار کر دیا اور حکم خدا سے منہ پھیر لیا وہ بھی اصحاب ہی میں تھا بلکہ بدری

پڑھا کرتا تھا ایک مرتبہ رسول اکرمؐ سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرمایئے کہ خدا مجھے مال دیدے آپ نے فرمایا خبردار بھوڑے سے مال پر شکر کرنا بہتر ہے اس زائد مال سے جس کی برداشت نہ ہو، اس نے کہا آپ دعا تو کریں پھر دیکھیں کہ میں کس طرح صاحبان حق کے حق کو ادا کرتا ہوں ۔ آپ نے دعا کی اللہ نے مستجاب کی، مال میں اضافہ ہوا لیکن اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ نفاق اس کے پیچھے لگ گیا اور اس کا شمار کاذبین میں ہو گیا ۔ (استیعاب برحاشیہ اصابہ ا صـ۲۰۱)

۶۔ ذوالثدیہ اصحاب پیغمبرؐ میں وہ اطاعت گذار اور عبادت شعار آدمی تھا جس کی عبادت کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے تھے اور حضور اکرمؐ اسے شیطان صفت قرار دیتے تھے ایک مرتبہ آپ نے ابوبکرؓ کو اس کے قتل کے لئے بھیجا وہ اسے حالت نماز میں دیکھ کر پلٹ آئے تو عمرؓ کو بھیجا وہ بھی بخیریت واپس آ گئے اب حضرت علیؑ کو بھیجا آپ پہونچے تو وہ وہاں سے فرار کر چکا تھا ۔ یہ وہی شخص تھا جو جنگ نہروان میں خوارج کا لیڈر بن کے آیا تھا اور حضرت علیؑ ہی کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہونچا تھا ۔ (اصابہ ا صـ۴۲۹)

۷۔ وہ لوگ بھی اصحاب ہی میں شمار ہوتے تھے جو بیت سویلم میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول اللہؐ کی طرف سے روکا کرتے تھے اور آپ نے ان کے گھر میں آگ لگا دینے کا حکم دیا تھا ۔ (سیرۃ ابن ہشام ا صـ۳۳۲)

۸۔ قزمان بن الحرث جنگ احد میں رسول اکرمؐ کے ساتھ وہ غضب کی لڑائی لڑ رہا تھا کہ اصحاب نے حیرت سے کہنا شروع کر دیا کہ جو کام اس نے کیا ہے ایسا دفاع کسی نے نہیں کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہوشیار رہو یہ جہنمی ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ زخمی ہو کر گرا اور لوگوں نے اسے جنت کی بشارت دی تو اس نے بے ساختہ جواب دیا

کہ یہ جنت حرمل گھاس کی ہو گی اس لیئے کہ میں نے کوئی خدا کے لیئے تو نہیں کیا ہے میں تو اپنی خاندانی لڑائی لڑ رہا تھا۔ (اصابہ ۳ ص۲۳۵)

۹۔ حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس مروان کا باپ اور عثمان کا چچا بھی اصحاب میں تھا جس کے بارے میں فاکہی نے زہری اور عطا خراسانی سے روایت کی ہے کہ چند اصحاب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھا کہ آپ حکم پہ لعنت کر رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ یہ حکم کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنی فلاں زوجہ[عہ] کے ساتھ آرام کر رہا تھا یہ دیوار پھاند کر گھس آیا۔ ایک مرتبہ آپ حکم کے پاس سے گذرے تو اس نے انگلیوں سے اشارے کرنا شروع کر دیئے آپ نے مڑ کر دیکھ لیا اور فرمایا خدا اسے چھپکلی بنا دے چنانچہ اسے خیط الباطل کا لقب دے دیا گیا۔ اور حضرت نے فرمایا کہ میری امت اس کی نسل سے قابل افسوس مصائب کا شکار ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ مروان بن الحکم سے کہا کرتی تھی کہ رسولؐ اللہ نے تیرے باپ پہ اس وقت لعنت فرمائی ہے جب تو اس کے صلب میں تھا لہذا تو بھی جزو لعنت ہے۔ (اصابہ ا ص۳۴۶)

۱۰۔ ام المومنین عائشہ جن کے بارے میں کثیر بن مرۃ نے خود انہیں سے روایت کی کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائناتؐ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ کچھ کھلاؤ؟ میں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے تو میرے باپ نے ٹوکا کہ زن مومنہ کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے جبکہ وہ چیز اس کے پاس موجود ہو۔ حضرتؐ نے فرمایا تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ یہ مومنہ ہیں؟ یاد رکھو کہ عورتوں میں مومنات ویسے ہی ہیں جیسے کوّں

عہ حکم کے کردار سے ایسی باتیں بعید نہیں ہیں لیکن رسول اکرمؐ کے طرز عمل سے یہ بات بعید ہے کہ آپ زوجہ کے ساتھ صحن خانہ میں آرام فرما رہے ہوں بہرحال روایت عام اسلامی ذوق کا ترجمان ہے۔

میں چیلا گوتا ۔ (علل الحدیث ابن ابی حاتم ا ص۲۳۹)

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عائشہ کا ایمان ثابت ہوتا تو حضور اکرمؐ ابوبکر کے قول کی تردید نہ فرماتے بلکہ تائید میں یہ اضافہ بھی کردیتے کہ یہ مومنہ بھی ہیں اور زوجہ نبی بھی لیکن ایسا کچھ نہ ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل انجام کا بخیر ہوتا ہے اور یہ نہیں تو کچھ نہیں ۔ جیسا کہ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کعب کے مرض الموت میں عیادت کی غرض سے تشریف لے گئے ۔ کعب کی ماں نے کہا بیٹا جنت مبارک ہو ۔ آپ نے فرمایا یہ کس نے کہا؟ کعب نے عرض کی یہ میری ماں ہے! آپ نے فرمایا ام کعب! تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوگیا؟ ہوسکتا ہے کعب نے کوئی بے تکی بات کہہ دی ہو یا کوئی ایسا مال روک لیا ہو جو ان کے حق میں مفید ہوتا ۔ (تاریخ بغداد ۴ ص۲۷۳)

۱۱ ۔ نسائی نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے " ولقد علمنا المستقدمین منکم ...." کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک نہایت حسین و جمیل عورت رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی ۔ بعض لوگ آگے بڑھ جایا کرتے تھے تاکہ اس کو نہ دیکھیں اور بعض لوگ آخری صف میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ رکوع میں جاکر بغلوں سے اسے دیکھ سکیں ۔ پروردگار عالم نے یہ آیت انہیں کے بارے میں نازل کی ہے ظاہر ہے کہ یہ بدنظر بھی اصحاب رسول ہی میں تھے ۔

۱۲ ۔ ابن حنبل نے ابن عباس اور ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے منبر سے رسول اکرمؐ کا یہ بیان سنا ہے کہ " لوگوں کو چاہیئے کہ جماعتوں سے روکنے سے پرہیز کریں ورنہ خدا ان کے دلوں پہ مہر لگا دے گا اور ان کا نام غافلوں میں درج ہوجائے گا " (مسند احمد ۵ ص۲)

۱۳ ۔ امام احمد نے مسند میں عبداللہ ابن مسعود کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں حوض کوثر پہ تمہاری خاطر دیگر اقوام کو ہٹا کر یہ کہوں گا کہ پالنے والے یہ میرے اصحاب ہیں تو مجھ سے کہا جائیگا

کہ تمہیں کیا خبر انہوں نے تمہارے بعد کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں اور ترمذی نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ میرے بعض اصحاب کو داہنے بائیں پکڑا جائے گا تو میں کہوں گا کہ پالنے والے یہ میرے اصحاب ہیں خطاب ہوگا کہ تم نہیں جانتے کہ انہوں نے کیا بدعتیں ایجاد کی ہیں۔ یہ تم سے جدا ہونے کے بعد مرتد ہو گئے تھے تو میں کہوں گا پالنے والے اگر تو ان پر عذاب کرتا ہے تو یہ بھی حق ہے کہ یہ تیرے بندے ہیں۔ (صحیح ترمذی ۲ ص۶۸) مسلم نے بھی اس روایت کو تھوڑے فرق کے ساتھ حضرت عائشہ سے ۴ ص۶۵ پر نقل کیا ہے اور حضرت ام سلمیٰ سے ۴ ص۶۶ پر۔

ان تمام باتوں کے بعد مزید شواہد کی ضرورت نہیں رہ جاتی بلکہ یہ بیانات خود اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ صحابیت کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو جائے اس میں عصمت کی ضمانت نہیں آسکتی۔ بلکہ اصحاب میں کچھ لوگ عادل۔ ولی۔ اور صدیق ہیں جو علماء امت اور حامل حدیث تھے کچھ مجہول الحال ہیں اور کچھ منافق اور اہل جرائم بھی ہیں جیسا کہ خود قرآن مجید نے خبر دی ہے کہ پیغمبر تمہارے گرد اعراب میں منافقین بھی ہیں اور بعض اہل مدینہ نفاق میں بھی سرکش ہیں۔ تم انہیں نہیں پہچانتے لیکن ہم خوب پہچانتے ہیں۔ ہم ان پر دوہرا عذاب کریں گے اور پھر انہیں عذاب الیم کی طرف پلٹا دیں گے (سورہ توبہ ۱۰۱) " وہ لوگ جو رسول اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے (سورہ توبہ ۶۱) ان منافقوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا لیا ہے اور یہ راہ خدا سے روکتے ہیں جو بہت برا کام ہے یہ اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں وہ ان کے دھوکہ کا جواب دینے والا ہے یہ لوگ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمندی کے ساتھ، لوگوں کے دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ یہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ قرآن مجید ایسی جماعت کے بارے میں بھی صراحتاً اعلان کرتا ہے جو رسول اللہ کی محفل میں

باتیں سنا کرتے تھے اور جب باہر نکلتے تھے تو صاحبان علم سے یہ کہتے تھے کہ یہ ابھی کیا کہہ رہے تھے؟ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی اور یہ خواہشات کے پیرو تھے (سورہ محمد ۱۶) اور ایسی جماعت کی بھی نشاندھی کرتا ہے کہ جن کے دل میں مرض تھا جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اقربا سے قطع تعلق رکھتے تھے ان کے اوپر اللہ نے لعنت کی اور انہیں اندھا بہرا بنادیا یہ لوگ قرآن میں فکر نہیں کرتے ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں ۔ (سورہ محمد ۲۳ - ۲۴) سوال یہ ہے کہ یہ لوگ رسولؐ کے بعد کیا ہو گئے زندگی بھر آنحضرت کو پریشان کرتے رہے آپ کے قتل کی سازشیں کرتے رہے اور آپ کے انتقال کے بعد فوراً نفاق سے ایمان ۔ فساد سے صلاح اور شک سے یقین کی طرف آگئے ایسے عادل بن گئے کہ جن کا نفس تقویٰ و ورع عفت و حلم ۔ قربانی و علم کے سانچے میں ڈھلا ہوا ور جو بقول قرآن ایسے مومن ہوں کہ جنہوں نے ایمان کے بعد کبھی شک نہ کیا ہو ۔ راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کیا ہو اور سچے مومن ہوں ۔ (سورہ حجرات ۱۵)

ہم اپنے دین کے بارے میں مشکوک نہیں ہیں اور نہ صحابہ کے سلسلے میں حق کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں ہمارا مسلک بالکل واضح ہے ہم سچوں کا اتباع کرتے ہیں اچھے اوصاف والوں سے محبت کرتے ہیں اور اہل خیانت سے پرہیز کرتے ہیں ان کی محبت دین سے خیانت اور اسلام کے حق میں جرم ہے، ظالم پر اعتماد کرنا غلط اور دشمنان خدا و رسولؐ سے محبت کرنا ناانصافی ہے ۔ یہی قول حق ہے اور اسی کا اتباع مناسب ہے ۔

صحابی؟: مسلمانوں میں ایک مستقل اختلاف خود صحابی کی تعریف میں بھی ہے، امام بخاری اور ان کے استاد علی بن المدینی کا خیال ہے کہ جو بھی نبی کے ساتھ رہے یا آپ کو ایک ساعت کے لئے دیکھ لے وہ آپ کے اصحاب میں ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ تعریف مرتدوں پر بھی

صادق آتی ہے اور ان دیکھنے والوں پر بھی جن کے پاس عقل و شعور بالکل نہ ہو حالانکہ یہ بات نہ عقل کو پسند ہے اور نہ وجدان کو۔ ارتداد بقول ابو حنیفہ و شافعی اعمال تک کو حبط کر دیتا ہے تو صحابیت کے بھی باقی رہ جانے کا کیا سوال؟
زین عراقی کا مسلک ہے کہ صحابی وہ ہے جو رسولؐ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے اور پھر اسلام ہی پہ مر جائے۔
سعید ابن المسیب کی رائے ہے کہ جو نبی کے ساتھ ایک سال رہے یا ایک لڑائی لڑے وہ صحابی ہے لیکن علماء نے اس قول کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ اس طرح بہت سے اصحاب صحابیت سے نکل جائیں گے جنہیں اتنی مدت رہنا نصیب نہیں ہوا ہے اور اسی لئے ابن حجر نے کہا ہے کہ عمل علماء اس قول پہ نہیں ہے۔ (مواہب شرح زرقانی ۸ ص۲۶)
ابن حاجب نے عمرو بن یحییٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحابیت میں طول صحبت اور روایت دونوں ضروری ہیں۔ (شرح الفیہ عراقی ۴ ص۳۲)
اور بعض حضرات نے انہیں بھی اصحاب میں شمار کیا ہے۔ جو مسلمان تھے لیکن انہوں نے آنحضرتؐ کی زیارت نہیں کی یا بہت مختصر طریقہ پہ دیکھا ہے۔
ان تمام تعریفات میں کافی اختلاف کے باوجود بھی یہ بات مشترک طور پہ پائی جاتی ہے کہ صحابی ہر اس مسلمان کو کہا جا سکتا ہے جس نے حضورؐ سے کچھ سنا ہو یا آپ کی زیارت کی ہو۔ یہی لوگ عامۃ المسلمین کی نظر میں عادل ہیں اور انہی کے ہر عمل کی تاویل ضروری ہے۔ اور یہی وہ نقطہ ہے جس پہ شیعوں نے اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسے تمام اشخاص کو عادل نہیں کہا جا سکتا اور نہ خود صحابیت ہی عدالت کی کوئی دلیل ہے۔ شیعہ ہمیشہ حریت فکر کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں اور ہر شخص کو اس کے عمل کی میزان میں تولتے ہیں، دشمنان خدا و رسولؐ سے دوستی اور منافقین سے محبت ان کا مسلک نہیں ہے، یہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ کا اتباع کرتے ہیں اور ہر اس بزرگ کا احترام کرتے ہیں جو حقیقی

معنی میں اس لفظ کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور اسی وجہ سے شیعوں کے خلاف الزامات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور انہیں اتہامات کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے، حالانکہ اگر قوم کے پاس تھوڑا سا انصاف، معمولی سی عقل اور ادنیٰ درجہ کی حریت فکر ہوتی تو ایسے حالات پیش نہ آتے اور مشکلات کی نوبت نہ آتی۔

حیرت یہ ہے کہ لوگ شیعوں پر سب صحابہ اور اصحاب سے بیزاری کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ شیعت کی نشو و نما ہی صحابہ کرام کی محفل میں ہوئی ہے اور اصحاب کرام کی ایک بڑی جماعت شیعت کو اختیار کئے ہوئے تھے، یہ لوگ حضرت علیؑ کے دوستدار تھے اور آپ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کر رہے تھے۔

شیعہ ان اصحاب رسولؐ کے پرستار ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی ہیں، دشواریوں کا سامنا کیا ہے اور اپنی جان و مال سے جہاد کیا ہے، وہ ایسے جلیل القدر حضرات کے لئے دعا گو ہیں اور انہوں نے اپنے ائمہ طاہرینؑ سے یہی طریقہ محبت سیکھا ہے چنانچہ امام زین العابدینؑ صحیفہ کاملہ میں جو زبور آل محمدؐ کے نام سے مشہور ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

"خدایا! رسولوں کے متبعین اور ان کے مصدقین کا خیال رکھنا جنہوں نے اس وقت ان کا ساتھ دیا جب لوگ تکذیب پر آمادہ تھے، جن کے دل میں مرسلین کا اشتیاق تھا حقائق ایمان کی بنا پر ہر اس دور میں جس میں تو نے کوئی رسول بھیجا یا کوئی رہنما قائم کیا آدم سے لے کر محمدؐ تک سب ائمہ ہدیٰ اور قائدین اہل تقویٰ تھے ان سب پر سلام!

خدایا! بالخصوص ان اصحاب محمدؐ پر جنہوں نے حسن عمل کے ساتھ محبت اختیار کی۔ رسولؐ کی نصرت میں مصیبتیں جھیلیں، ان کا ساتھ دیا، ان کی دعوت پر فی الفور لبیک کہی، ان کی دلیل رسالت کو سنکر قبول کیا، کلمہ کے اعلان کے لئے ازواج و اولاد کو چھوڑا، اثبات نبوت کے لئے اپنے آباء و اولاد سے جہاد کیا، قبائل نے ان کا بائیکاٹ کیا۔ قرابت والوں نے جدائی اختیار کی

خداوندا! تو ان چیزوں کو فراموش نہ کرنا جو انہوں نے تیری خاطر چھوڑی ہیں۔ انہیں راضی رکھنا، ان کی ہجرت کو مشکور قرار دینا اور ان کی پریشان حالی کو نظر میں رکھنا۔"

ایسے ہی اصحاب رسولؐ سے شیعہ محبت کرتے ہیں اور انہیں سے اسلامی تعلیمات کو اخذ کرتے رہیں، افسوس کہ سیاسی کشمکش اور جماعتی اختلافات نے بہت سے مشکلات پیدا کر دیئے اور فتنوں کا بازار گرم ہوگیا ہر ایک کی نظر میں حکومت اور ہر ایک کے پیش نگاہ اقتدار تھا۔

ہوس پرستوں کے عقائد سے کھیلنے کا زمانہ گذر گیا اب ہم آزادی ضمیر اور حریت فکر کے دور میں سانس لے رہے ہیں اب یہ بات کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ہم تعصب کے ستارہ بجاتے رہیں، طائفیت کے نغموں پر مست ہوتے رہیں، واقعات سے انحراف کے جام پیتے رہیں اور اعداء اسلام کے مقابلے کے فریضے کو ترک کر دیں۔ جبکہ انہوں نے ہماری طرف باطل خیالات اور تباہ کن عقائد کا ایک سیلاب جاری کر دیا ہے۔ ذوق سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ کمزور عقل والے اور جامد فکر والے افراد کے بیانات سے گریز کیا جائے ان کی تہمتوں کو نظر انداز کرکے ان کے اقوال کی جانچ کی جائے۔ شیعوں پر سب صحابہ کا الزام بے بنیاد اور صحابہ کو کافر سمجھنے کے اتہام بے حقیقت ہے اس کا مقصد صرف تعصب پھیلانا اور طائفیت کو ہوا دینا ہے۔

شیعوں نے صحابہ کے اعمال کی تنقید میں حدود کتاب و سنت سے تجاوز نہیں کیا ہے بلکہ ان میں اعمال کی گرفت کی ہے جو ظاہر کتاب و سنت کے خلاف تھے اور اس کی کوئی تاویل ممکن نہ تھی ان کی نظر میں صحابیت احکام پر تصرف کرنے اور حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے کا جواز نہیں پیش کر سکتی، نص کے مقابلے میں اجتہاد احکام کے باطل کرنے اور قرآن کو پس پشت ڈال

دینے کے مرادف ہے۔ اصحاب میں وہ نو مسلم بھی تھے جن کے دلوں میں اسلام صحیح طریقے سے جاگزیں نہیں ہوا تھا اور ان کی قدیم ذہنیت مٹ نہیں سکی تھی۔ ایسے لوگوں کو ان راسخ العقیدہ صاحبان ایمان کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا جنہوں نے پرچم اسلام کو لہرایا، اور الفاظ کو بلند کیا، اسلام کے احکام پھیلائے اور خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا۔ جن کا ایمان خالص اور ارادہ مستحکم تھا دل میں سچی نیت اور ظاہر میں محکم عمل تھا۔ خود حضور اکرمؐ نے بھی فرمایا ہے کہ اعمال نیتوں سے ہوتے ہیں ہر شخص کا حصہ اس کی نیت کے برابر ہے اگر کسی کی ہجرت خدا و رسولؐ کی طرف ہے تو خدا اور رسولؐ کے لئے ہے اور اگر کسی کی ہجرت دنیا کی منفعت یا خوبصورت عورت کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے۔ (صحیح مسلم ۲ ص۲)

کچھ لوگوں نے آپ سے یہ بھی سوال کیا کہ کیا ہمارے جاہلیت کے اعمال کا بھی مواخذہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جس کا اسلام میں کردار اچھا ہوگا اس سے مواخذہ نہ ہوگا اور جس کا اسلام میں کردار خراب ہوگا اس سے اسلام و جاہلیت دونوں کا مواخذہ ہوگا۔ (مسلم ۱ ص۵۳)

صہیب سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے قرآن کے محرمات کو حلال سمجھا وہ قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا تھا۔ (ترمذی ۲ ص۱۵۱)

مسلم میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ جو اسلام میں اچھے اعمال کرے گا اس سے جاہلیت کے اعمال کا مواخذہ نہ ہوگا اور جس کا عمل اسلام ہی میں خراب ہوگا وہ اول و آخر دونوں میں پکڑا جائے گا۔ (مسلم ۱ ص۵۳)

ابن عمر کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے باواز بلند فرمایا، اے وہ جماعت جو زبان سے اسلام لے آئی ہے اور ایمان اس کے دل تک نہیں پہنچا ہے مسلمانوں کو اذیت نہ دو انہیں سرزنش نہ کرو۔ ان کے پوشیدہ امور کا پیچھا نہ کرو جو ایسا کرے گا خدا اس کے راز کو

فاش کردے گا اور بالآخر کتنا ہی چھپے رسوا ہوگا۔ (ترمذی ا ص۳۶۵)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کے اعتبار سے صحابہ اور غیر صحابہ سب برابر ہیں اور ہر ایک کی عدالت عمل صالح کی محتاج ہے بلکہ اصحاب پر ذمہ داریاں زیادہ اور انکا اجتہاد مطلق طور پر نہ ثابت ہو سکتا ہے نہ فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے نص کے مقابلے میں تاویل کرنا احکام کی تباہی ہے بلا وجہ کی تاویل نامناسب اور غیر صحیح ہے۔!

امیرالمومنین علیؑ بن ابیطالب کی سیرت اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ لوگ احکام الٰہیہ کے سامنے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں آپ بلا تفریق مجرم پر حد جاری کیا کرتے تھے اور ہر ایک کی بقدر عمل تعظیم فرمایا کرتے تھے آپ نے ان لوگوں کے لئے بد دعا فرمائی ہے جو صحابیت کا شرف رکھتے تھے لیکن احکام خداؑ و رسولؐ کے مخالف اور آپ کے مقابلے میں صف آرا تھے!

آپ کے قوانین، آپ کی وصیتیں اور رؤسا، لشکر و امراؑ و مملکت کے بارے میں آپ کے ارشادات اس بات کے بہترین شاہد ہیں کہ قانون کی حد تک، تمام افراد یکساں حیثیت رکھتے ہیں اور کسی کو بھی اس گرفت سے آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے ورنہ آپ کی سیرت کے نمونے پیش کرکے مطلب کو بحد تکمیل پہونچا یا جاتا اور یہ بتایا جاتا کہ خود اصحاب نے بھی اپنی برتری کے لئے عمل صالح کو ضروری سمجھا ہے اور کسی شخصیت کو قانون سے بالاتر نہیں تسلیم کیا۔ قدامہ کا واقعہ اس سلسلے کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

قدامہ بن مظعون بن حبیب المتوفی ۳۶ھ ان سابقین میں سے تھے جنہوں نے دونوں ہجرتوں میں حصہ لیا تھا، حضرت عمر نے آپ کو بحرین کا حاکم بنایا تھا۔ ایک مرتبہ جارود سردار عبدالقیس عمر کے پاس آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ قدامہ نے شراب پی ہے۔ عمر نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون گواہ ہے؟ جارود نے کہا۔ ابوہریرہ! عمر نے ابوہریرہ سے شہادت

طلب کی انہوں نے کہا میں نے پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے البتہ مستی کے عالم میں شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ عمر نے کہا کہ تم نے شہادت میں بہت صاف اور کھری شہادت دی ہے۔ اس کے بعد قدامہ کو پیغام بھیجا کہ فوراً بحرین سے حاضر ہو۔ قدامہ آئے۔ جارود نے کہا کہ اب حد جاری کیجئے عمر نے کہا تم مدعی ہو یا گواہ؟ جارود نے کہا گواہ! کہا پھر تمہارا کام ختم ہو چکا۔ دوسرے دن جارود پھر آئے اور انہوں نے کہا حد جاری کرائیے۔ عمر نے کہا تم میری نظر میں مدعی ہو اور تمہارا ایک گواہ ابوہریرہ ہے۔ جارود نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں۔ عمر نے کہا کہ اب چپ رہو ورنہ تمہارے ساتھ برا سلوک کروں گا۔ جارود نے کہا۔ واہ خلیفہ کا بھائی شراب پیئے اور برا سلوک میرے ساتھ ہو۔؟ ابوہریرہ نے کہا اے امیرالمومنین اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی سے پوچھئے، عمر نے ہند کے پاس آدمی بھیج کر بلایا اس نے شہادت دے دی۔ عمر نے قدامہ سے کہا کہ میں تمہارے اوپر حد جاری کروں گا۔ قدامہ نے کہا کہ اگر میں نے شراب پی بھی ہے تو آپ کو حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ عمر نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ قرآن کا اعلان ہے " صاحبان ایمان وعمل صالح پر کھانے پینے میں کوئی حساب نہیں ہے اگر وہ متقی ہوں اور اچھے اعمال کرتے ہوں " عمر نے کہا کہ تو نے غلط تاویل کی ہے بھلا شراب پینے والا کہیں بھی متقی ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد مجمع سے سوال کیا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابھی قدامہ بیمار ہیں۔ آپ نے چند روز صبر کیا اور ایک دن پھر یہی سوال اٹھایا لوگوں نے کہا کہ ابھی انہیں تکلیف ہے۔ عمر نے کہا کہ میری نظر میں ان کا تازیانے کھا کے مرجانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اپنی گردن پر یہ فرض لے کر چلا جاؤں۔ لاؤ تازیانہ۔ تازیانہ آیا اور قدامہ پر حد جاری کر دی گئی۔ (اصابہ ۳ ص ۲۲۸)

جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ہر تاویل قابل قبول نہیں ہوتی ہے اور نہ ہر مخالف حکم اسلام کو معاف ہی کیا جا سکتا ہے چاہے وہ کتنی ہی تاویل کیوں نہ کرے۔ ہم کسی کی توہین و تحقیر سے دلچسپی نہیں رکھتے، ہمارے سامنے بہت سے اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے اپنے افعال کی تاویل کی لیکن وہ تاویل قبول نہیں کی گئی مثلاً ابوجندل، ضرار بن الخطاب، ابوالازور کہ ان تینوں نے شراب پی اور ابوعبیدہ نے اعتراض کیا تو ابوجندل نے یہی آیت پڑھ دی۔ ابوعبیدہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور تینوں پر حد جاری کر دی۔ اب کیا حد کے بعد بھی عدالت باقی رہ جاتی ہے؟۔

عبدالرحمٰن بن عمر بن الخطاب نے مصر میں شراب پی تو عمرو بن العاص نے ان پر حد جاری کرائی۔

خود عمر بن الخطاب ابوہریرہ کی عدالت کے بارے میں مشکوک تھے انہوں نے ابوہریرہ کو بحرین کا حاکم بنایا اور وہ دس ہزار دینار لے کر چلے آئے عمر نے کہا کہ اے دشمن خدا و قرآن تو نے یہ مال لوٹ لیا ہے۔ ابوہریرہ نے کہا کہ میں دشمن خدا و قرآن نہیں ہوں بلکہ ان دونوں کے دشمنوں کا دشمن ہوں۔ عمر نے کہا پھر یہ مال کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا کہ جانوروں نے بچے دئے غلہ پیدا ہوا، غلام ہاتھ لگے، عطیے پیش کئے گئے اور سب ملا کر اتنی مقدار میں ہو گیا۔ (تاریخ ابن کثیر ۸ ص۱۱۳)

ابن عبدربہ کے الفاظ میں۔ عمر نے ابوہریرہ کو بلایا اور کہا کہ میں نے تجھے اس وقت بحرین کا گورنر بنایا تھا جب تیرے پیر میں جوتیاں بھی نہ تھیں۔ اس کے بعد مجھے خبر ملی کہ تو نے سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔ ابوہریرہ نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے تھے یہ سب انہیں کی نسل ہے اور یہ کچھ عطیے بھی ملے ہیں۔ عمر نے کہا کہ جب میں نے تمہارے رزق کی ضمانت لے لی تھی تو تمہیں اسے واپس کر دینا چاہیئے تھا۔ ابوہریرہ نے

کہا کہ یہ آپ کا حق نہیں ہے۔ عمر نے کہا کہ میں تمہاری پیٹھ زخمی کر دوں گا۔ اور یہ کہہ کر تازیانہ اٹھایا اور اس قدر مارا کہ خون نکل آیا اور حکم دیا کہ مال فوراً حاضر کرو۔ ابوہریرہ نے کہا کہ میں اس مال کا اللہ کے یہاں حساب کر لوں گا۔ عمر نے جواب دیا کہ یہ تو اس وقت ہوتا اگر تم حلال سے حاصل کرتے اور فوراً مجھے دیدیتے۔ کیا تم اسی لئے حاکم بنے تھے کہ لوگوں سے مال وصول کرو اور نہ خدا کو دو نہ مسلمانوں کو؟ تم کو تو تمہاری ماں نے گدھے چرانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ (العقد الفرید ۱ صـ۲۶)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ابوہریرہ پر تہمت لگائی، انہیں خائن سمجھا اور دشمن خدا و قرآن کے القاب سے نوازا۔ ورنہ اگر تحقیق حال مقصود ہوتی تو یوں پوچھتے کہ تم عادل ہو، خطا کار مجتہد حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ یہی انداز خالد بن ولید کے ساتھ بھی اختیار کیا گیا جب کہ انہوں نے حضرت مالک بن نویرہ کی بیوہ کے ساتھ ناجائز سلوک کیا۔

بلاذری کا بیان ہے کہ ابوالمختار یزید بن قیس نے حضرت عمر کے پاس اہواز کے حکام کی شکایت لکھ کر بھیجی تو ان کے اشعار کو دیکھ کر انہوں نے سب کو سزا دی اور خیانت کا مجرم قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ خیانت عدالت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (فتوح البلدان صـ۳۷۷)

مختصر یہ کہ اصحاب رسول میں قانون عدالت ایک بے بنیاد قانون ہے جس کا مقصد ناموس دین کی توہین، مقدسات شریعت کی تحقیر اور باطل کے ساتھ مجادلہ ہے تاکہ معاویہ جیسے افراد کی عزت محفوظ رہے اور ان کے کردار پر تبصرہ نہ ہو سکے، ابوالغادیہ حضرت عمار کی شہادت کی تاویل کرے اور مسلمان اسے قبول کر سکیں ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ "زندگانی دنیا میں تو باطل مجادلہ چل بھی سکتا ہے لیکن روز قیامت یہ کیا کریں گے اور اس دن ان کا وکیل کون ہوگا"؟ (سورہ نساء ۱۰۹)

روایت صحابی: گذشتہ بیانات سے واضح ہو گیا کہ شیعہ ہر صحابی کو عادل نہیں سمجھتے بلکہ ان اعمال کو بھی شرط سمجھتے ہیں جن کی بنیاد پر راوی کو عادل کہا جاتا ہے، ان کی نظر میں اصالۃ العدالۃ ایک بے بنیاد قانون ہے جس کا اثبات تقریباً ناممکن ہے۔ اہلسنت ہر صحابی کو عادل قرار دیتے ہیں انہوں نے اس کے لئے بہت سے دلائل بھی ذکر کئے ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے درمیان خود بھی اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ تمام صحابہ بلا استثناء عادل ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ صرف وہ لوگ عادل ہیں جنہوں نے قتل عثمان کے فتنہ میں حصہ نہیں لیا معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ سے جنگ کرنے والے فاسق ہیں اور ابن الصلاح نے فتنہ سے دور رہنے والوں کی عدالت پر اجماع امت کا دعویٰ کیا ہے، آمدی اور ابن حاجب نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے وغیرہ ..... (شرح الفیہ عراقی ۲۵۳؍ ۴، کفایہ خطیب بغدادی ص ۸۹-۸۳)

شیعہ اس نظریہ سے اس لئے اتفاق نہیں کرتے کہ ان کی نظر میں حدیث اسلام کا دستور اور مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی زندگی کا منہاج ہے، اس میں کسی تساہلی اور رعایت کا امکان نہیں ہے، راوی کے حالات پر بہرحال غور کرنا پڑے گا اور کسی حسن ظن پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ عامۃ المسلمین نے اس احتیاط کو اتنا غلط رخ دیا ہے کہ ایک عام شہرت یہ ہو گئی کہ شیعہ اصحاب کی روایتوں پر عمل نہیں کرتے جو اصحاب کی توہین ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کی شریعت پر عمل نہیں کرتے اس لئے کہ صحابہ کی روایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں ظاہر ہے کہ ان تہمتوں کا مقصد باطل کوشی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے کہ اس دور کے حالات کا تقاضا ہی یہی تھا۔ اے کاش کوئی یہ بتا سکتا کہ روایت کی قبولیت میں تحقیق و احتیاط سے کام لینا کونسا عیب ہے؟ بدکرداروں اور مشکوک عمل والوں کی روایت پر اعتماد نہ کرنا کونسی بری بات ہے؛ جب کہ

روایتوں میں غلط بیانیوں کا ایسا سیلاب بھی ہے جو عقل کو نظر میں قابل انکار اور انصاف کی نگاہ میں ناقابل قبول ہے۔ اسے توہین صحابہ کا نام دینا الزام ہے اور بدظنی کا لباس پہناتا اتہام ۔ یہ انصاف کیوں نہیں ہے کہ ابوہریرہ کی اتنی کثیر روایتوں کو دیکھنے کے بعد ایک صاحب عقل و نظر اس بات پر غور نہ کرے کہ یہ کثیر مقدار کہاں سے آگئی؟ یہ تو سنہ ۷ھ میں جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور سنہ ۹ھ میں علاء کے ساتھ بحرین چلے گئے تھے ان کی صحابیت کل دو برس کی ہے یا اس سے بھی کچھ کم ۔ دیگر اصحاب شروع سے ساتھ رہے ہیں اور انہیں اتنی روایتیں نہ مل سکیں ہیں ابوہریرہ کے ساتھ ایک دشواری یہ بھی ہے کہ وہ فقیر آدمی اور روٹی کے محتاج تھے انہیں اپنی معاش کی فکر بھی تھی ۔ وہ لوگوں سے اسی لئے مسائل دریافت کیا کرتے تھے کہ شاید انہیں رحم آجائے اور کچھ دیدیں ۔ اس کے باوجود انہیں ۵۳۷۴ روایتیں مل گئیں اور باقی اصحاب کو سب ملاکر اتنی نہ مل سکیں، خود اصحابہ نے بھی اس بات پر اظہار حیرت و انکار کیا تھا جس پر ابوہریرہ نے یہ کہہ دیا تھا کہ سب تجارت میں لگے رہتے تھے اور مجھے حدیث کی فکر تھی، اعرج نے ان کا قول نقل کیا ہے "کہ تم لوگوں کو یہ اعتراض ہے کہ باقی مہاجرین رسول اللہؐ سے اسقدر روایتیں کیوں نہیں نقل کرتے تو یاد رکھو کہ یہ مہاجرین بازاروں میں سودا خریدا کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی سے فرصت نہیں ہے اور میں ہمیشہ رسول اکرمؐ کی محفل میں حاضر رہتا ہوں یہ لوگ غائب ہو جاتے ہیں اور میں موجود رہتا ہوں یہ لوگ بھول جاتے ہیں اور میں یاد رکھتا ہوں ۔ (الفتوحات الوصیہ ص ۱۳۶)

ظاہر ہے کہ اس صفائی کو قبول نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اسے خود اصحاب نبیؐ نے بھی نہیں قبول کیا ہے اور حضرت عائشہ و ابن عمر نے انکار کیا ہے بلکہ حضرت عمر نے انکار کیا ہے بلکہ حضرت عمر نے بھی منع کیا ہے ابوہریرہ کا یہ کہنا کہ میں ہمیشہ آنحضرتؐ کے پاس رہا اس لئے کہ میں اصحاب

صفہ میں تھا۔ یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ بقول خود انہیں اپنی معیشت کی بھی فکر لاحق تھی انہیں بھوک سے غش پر غش بھی آرہے تھے اور اس کے بعد وہ اس خصوصیت میں بھی منفرد نہیں تھے اصحاب صفہ کی ایک پوری جماعت تھی جو مسجد میں رہا کرتی تھی۔ لیکن ان کی حدیثوں کی فہرست کا ایک خاکہ یہ ہے۔

اہل صفہ:

حجاج بن عمر مازنی انصاری! یہ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے ان کی صحاح میں صرف ایک حدیث ہے۔

حازم بن حرملہ اسلمی! ان کی بھی ایک ہی حدیث ہے جسے ابن ماجہ نے ان کے غلام ابو زینب سے نقل کی ہے۔

زید بن خطاب عدوی! یمامہ کے دن قتل ہوئے ان کی بھی ایک ہی حدیث ہے جسے ابن عمر نے روایت کیا ہے۔

سفینہ غلام رسولؐ! ان کی چودہ حدیثیں ہیں جن میں ایک کو مسلم نے نقل کیا ہے۔

شقران غلام رسولؐ! ان کی ترمذی میں ایک حدیث ہے۔

طِخْفَۃ ابن قیس غفاری! ان کی ایک حدیث ہے جسے اصحاب صحاح نے نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن انیس ابو یحییٰ متوفی ۸۰ھ! ان کی ۲۴ حدیثیں ہیں جن میں سے ایک کی نقل مسلم منفرد ہے۔

عبداللہ بن الحرث بن جزء زبیدی متوفی ۸۶ھ! یہ صحابہ میں سب سے آخر میں مرے ہیں ان کی صرف چند حدیثیں ہیں جنہیں ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن قرط ثمالی متوفی ۵۶ھ! ان کا ابو داؤد اور نسائی کے نزدیک ایک حدیث ہے جو غالباً معراج سے متعلق ہے۔

عقبہ بن عامر جہنی متوفی ۵۸ھ ان کی ۵۵ حدیثیں ہیں جن میں ایک بخاری

تے و مسلم نے نقل کی ہیں یہ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھا ۔

عمر بن تغلب عبدی ! ان کی دو حدیثیں ہیں جنہیں بخاری نے نقل کیا ہے ۔

عمر بن عنبہ سلمی ! ان کی ۴۸ حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں مسلم منفرد ہے ۔

عتبہ بن عبد السلمی متوفی ۸۷ھ ! ان کی ۲۸ حدیثیں ہیں ۔

عتبہ بن ندر ! ان کی ابن ماجہ کے یہاں دو حدیثیں ہیں ۔

عیاض بن حماد مجاشعی بصری ! ان کی ۳۰ حدیثیں ہیں جن میں ایک کی نقل میں مسلم منفرد ہے ۔

فضالہ بن عبید انصاری متوفی ۵۳ھ ! یہ جنگ احد اور بیعت رضوان میں شریک تھے ان کی ۵۰ حدیثیں ہیں جن میں ۲ کی نقل میں مسلم منفرد ہے ۔

فرات بن حیان عجلی ! اس کی ابو داؤد کے پاس ایک حدیث ہے یہ وہی شخص ہے جو ابوسفیان کا جاسوس تھا اور جس کے بارے میں رسول اکرمؐ نے قتل کا حکم دیدیا تھا تو اس نے انصار کے ایک گروہ میں پہنچکر اظہار اسلام کیا تھا ان لوگوں نے آنحضرتؐ سے سفارش کی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ ہاں تم میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جن کا معاملہ قسم کے حوالے کردیا جاتا ہے اور انہیں میں سے فرات بن حیان بھی ہے ۔

سائب بن خلاد بن سوید بن عمر خزرجی متوفی ۷۱ھ ! اس کی پانچ حدیثیں ہیں ۔

یہ تمام لوگ وہ ہیں جنہیں ابو ہریرہ کے ساتھ اصحاب صفہ میں رہنے کا شرف حاصل تھا لیکن کسی کو اتنی حدیثیں نہ مل سکیں جتنی ابو ہریرہؓ کا حصہ تھیں جبکہ وہ ان پڑھ بھی تھا اور لکھنے پڑھنے سے عاجز تھا ۔ خود اس کا بیان ہے کہ " ایک دن میں رسول اللہؐ کی محفل میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جو اپنی

ردا بچھیلائے رکھے یہاں تک کہ میں اپنی بات تمام کروں اور پھر سب کو جمع کرلے وہ کبھی میری حدیث کو فراموش نہیں کرسکتا۔ میں نے فوراً اپنی چادر بچھادی آپ کی بات تمام ہوئی تو میں نے سب کو جمع کرلیا اور پھر کبھی کچھ نہیں بھولا۔ (تاریخ ابن کثیر ۸ صفحہ ۱۰۵ بحوالہ مسند احمد)

سوال یہ ہے کہ محفل کے دوسرے افراد اس فضل سے کیوں غافل رہے اور انہوں نے اس شرف میں حصہ کیوں نہیں لیا؟ کیا انہیں رسول اللہؐ کے ارشاد میں شک تھا یا ان کے پاس کوئی چادر نہ تھی جو ابوہریرہ کی طرح بچھا سکتے؟۔ خدا ہی جانے کہ ہمیں یہ سوال کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں؟۔ اس لئے کہ اس کے پیچھے کفر والحاد کے الزامات کے امکانات ہیں جیسا کہ خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ رشید کے سامنے ابوہریرہ کی یہ حدیث بیان کی گئی کہ حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے ملاقات کی تو کہا کہ آپ کی وجہ سے ہم سب جنت سے باہر رہ گئے تو ایک قریشی نے ٹوک دیا کہ آدم و موسیٰ کی ملاقات کیسے ہوگئی؟ جس پر رشید کو غصہ آگیا اور اس نے تازیانہ و تلوار کا حکم دیتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ یہ شخص احادیث پیغمبرؐ پر اعتراض کرتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۴ صفحہ ۷)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات پر تنقید کرنا کس قدر دشوار گذار کام تھا وہ غریب اس جگہ کے بارے میں سوال کرتا ہے جہاں حضرت آدمؑ و موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی تھی اور یہاں قتل کا حکم دیا جاتا ہے صرف اس لئے کہ حدیث کے مشکلات کا استفسار جرم ہے اور اس سے حدیث رسولؐ پر اعتراض کا الزام لازم آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اس حدیث کے بارے میں استفسار اتنا سنگین جرم ہے تو اگر کہیں مسلم کی اس روایت کے بارے میں پوچھ لیا کہ "جب جہنم پر نہ ہوسکے گا تو خدا اپنے پیر جہنم میں ڈال دے گا۔ اور آواز آئے گی کہ بس بس" تو اس غریب کا کیا حشر ہوتا!

اس لیے کہ خدا کی تنزیہہ کے بارے میں سوال ابوہریرہ کی توہین ہے اور وہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ اب یہ سوال بھی نہیں ہو سکتا کہ جب خدا آسمان سے اترتا ہے تو آخر شب تک کہاں قیام پذیر رہتا ہے۔ جیساکہ بخاری نے باب الدعاء میں اور مسلم نے باب الترغیب فی الدعاء میں نقل کیا ہے۔

ہمارا مقصد صرف واضح کرنا ہے کہ ابوہریرہ کے روایات کی یہ کثرت قطعی غیر معقول ہے وہ ایک ان پڑھ آدمی تھا جو فن قرأت وکتابت سے بھی ناواقف تھا، اسے صحبت پیغمبرؐ کا شرف بھی بہت مختصر ملا تھا وہ ایسے واقعات کو نقل کرتا تھا جس کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا جیساکہ سہو پیغمبرؐ کی روایت میں ارشاد ہوتا ہے کہ "رسول اللہ نے ہمیں نماز ظہر یا عصر پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے کہا آپ نے نماز کم دی یا بھول گئے ہیں؟ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ واقعہ میں شریک تھے حالانکہ آپ ۷ھ میں خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور ذوالیدین ۲ھ میں بدر میں وفات پا چکا تھا۔ ابن عابدین جیسے بعض علماء نے روایت کی توجیہ کرنا چاہی ہے مگر افسوس کہ کوئی معقول توجیہہ نہیں کر سکے۔ (حاشیہ ابن عابدین بر درمختار ا ص۴۳۲)

یہی حال اس روایت کا بھی ہے کہ میں رقیہ بنت رسولؐ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے ان سے حضرت عثمان کی فضیلت کے بارے میں سوال کیا جبکہ رقیہ ۳ھ میں انتقال کر چکی تھیں۔ بعض روایات میں یہ اپنا وجود بھی دکھلاتا ہے جبکہ وہ اس وقت بحرین میں تھا جیساکہ سورۂ برائت کے بارے میں کبھی یہ کہتا ہے کہ میں علیؐ کے ساتھ تھا اور کبھی یہ کہتا ہے کہ میں ابوبکر کے ساتھ تھا۔ (نسائی کتاب الحج)

ان باتوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اپنے پاس سے روایتیں وضع کیا کرتا تھا اور اس کی روایتوں پر تنقید کرنے سے رسول اکرمؐ کی کوئی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی احتیاط تقاضائے عقل بشر و فکر مسلم ہے اس لئے

شیعہ حضرات اس احتیاط و تحقیق کو فرض سمجھتے ہیں اور اس کے بغیر کسی روایت پر عمل نہیں کرتے ۔

ابوہریرہ کی طرح عبداللہ بن عمر کا حال ہے کہ ان کی روایتوں کی تعداد ۲۶۳۰ کے قریب ہے جو ابوہریرہ کے بعد کا دوسرا نمبر ہے جبکہ ان کی عمر رسول اکرم کی وفات کے دن کل ۲۰ برس کی تھی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کمسنی میں انہیں اتنی حدیثیں کہاں سے مل گئیں اور ان حدیثوں کے بیان ہوتے وقت باقی بزرگ اصحاب کہاں گم ہوگئے تھے؟ ۔ کیا ان حالات کے بعد بھی تحقیق و تفتیش کی گنجائش ہے ! کیا ان کا دفتر کردار رد روایات کے لئے کافی نہیں ہے !

رہ گئیں ام المومنین عائشہ تو ان کی داستان زندگی ہی عجیب ہے ، انکی حدیثوں نے مسلم معاشرہ میں وہ اہمیت پیدا کرلی ہے کہ شریعت کی بنیادانہیں پر مستحکم کی گئی ہیں اور جملہ امہات المومنین کو اس شرف سے محروم کردیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک نظر اس توازن و تناسب پر بھی ڈال لی جائے ۔

احادیث امہات المومنین

زینب بنت جحش متوفاۃ ۲۰ھ ! آپ کی صرف گیارہ حدیثیں ہیں ۔

صفیہ بنت حی بن اخطب متوفاۃ ۵۰ھ ! آپ کی ایک حدیث مسلم و بخاری دونوں نے نقل کی ہے ۔

سودہ بنت زمعہ ! بخاری نے آپ کی ایک حدیث نقل کی ہے ۔

ھند بنت امیر مخزومیہ ! آپ کا انتقال ازواج پیغمبرؐ میں سب کے بعد ہوا ہے اور آپ کی حدیثوں کی تعداد ۳۷۸ تھی ۔

حفصہ بنت عمر خطاب متوفاۃ ۴۱ھ ! آپ کی ۶۰ حدیثیں ہیں ۔

جویریہ بنت الحرث متوفاۃ ۵۶ھ ! آپ کی چند حدیثیں ہیں جن میں سے بخاری دو میں منفرد ہیں ۔

رملہ بنت ابی سفیان متوفاۃ ؁۴۴ھ ! آپ کی ۶۵ حدیثیں ہیں۔
میمونہ بنت الحرث الہلالیہ متوفاۃ ؁۵۱ھ ! آپ کی ۴۰ حدیثیں ہیں۔
عائشہ بنت ابی بکر متوفاۃ ؁۵۷ھ ! آپ کی ۲۲۱۰ حدیثیں ہیں۔
ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کی حدیثوں میں دفعتاً یہ اضافہ ایک تحیر ضرور پیدا کرتا ہے اور ایک تحقیق کرنے والے کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر یہ روایات کی بھیڑ بھاڑ کیسے ہوگئی جبکہ ان کے مشغولیات دیگر ازواج سے زیادہ تھے، کچھ عرصہ بچپنے میں گذرا پھر کھیلنے میں گذرا، گھر کی خدمت کے علاوہ سہیلیوں کی رفاقت بھی ایک مستقل مشغلہ بنی ہوئی تھی ——
(الادب المفرد بخاری ص۵۴)

اس کے بعد بھی روایات کے بارے میں جستجو کرنا امہات المومنین کی توہین ہے اور اس سے کفر والحاد کا الزام آسکتا ہے؟ لطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ تحقیق امہات المومنین کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ان راویوں کے بارے میں ہے جنہوں نے ان کی طرف روایتیں منسوب کرکے بنی امیہ کے دربار سے انعامات لئے ہیں جیسے ہشام بن عروہ وغیرہ
ہم اس مقام پر ان روایات کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے جن سے حضور اکرمؐ کی کھلی ہوئی توہین ہوتی ہے اور اسلام کا چہرہ مسخ ہوجاتا ہے جیسے بخاری کا الادب المفرد ص۱۵۴ کا بیان کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کے ساتھ حلوہ کھا رہی تھی کہ ادھر سے عمر کا گذر ہوگیا آپ نے انہیں بھی بلالیا وہ کھانے بیٹھ گئے اتفاقاً سے ان کا ہاتھ میری انگلی سے ٹکرا گیا تو انہوں نے جھڑک کر کہا اف۔ اگر یہ تمہارے بارے میں صحیح اطاعت کرتے تو تمہیں کوئی آنکھ دیکھ بھی نہ سکتی۔
ظاہر ہے کہ اس روایت میں رسول اکرمؐ کی کھلی ہوئی توہین ہے اس لئے کہ نہ آپ کا گھر کوئی راستہ تھا جس سے ہر شخص کا گذر ہوجائے اور نہ

آپ سڑک پہ بیٹھ کر بیوی کے ساتھ حلوہ کھایا کرتے تھے اور نہ عمر ہی کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ درانہ گھر میں گھس آئے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس روایت کے بارے میں کیا کہا جائے۔ ہم کسی تفتیش میں نہیں جانا چاہتے۔ ہمارا وقت کم ہے ورنہ ہمیں کفر والحاد کے فتووں کا کوئی خطرہ نہیں ہے ہم روایت کی حقیقت کو ضرور واضح کرتے۔

یہی حال ام المومنین کے اس بیان کا ہے کہ ایک شخص نے میری موجودگی میں حضور سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے معاشرت کر کے سست پڑ جائے تو کیا اس پہ بھی غسل واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں ان کے ساتھ ایسا ہی ..... پھر ہم دونوں غسل کرتے ہیں۔ (البخاری ا صلا۱۶، مسلم ا صلا۱۸۰، سنن البیہقی ا صلا۱۶۴)۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، مکارم اخلاق کے مبلغ، غیرت وحمیت کے مثل اعلیٰ، فضائل وکمالات نفسانیہ کے مخزن ومصدر نبی کی طرف ایسے خرافات کی نسبت دی جائے اور پھر تنقید کرنے والے پہ کفر کا الزام رکھا جائے؟

صحیح مسلم ۲ صلا۲۲ میں آپ کا یہ بیان بھی ملتا ہے کہ "حضور پہ کبھی کبھی جادو اثر کر جایا کرتا تھا اور آپ یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی کام کر رہے ہیں حالانکہ اس وقت کچھ نہ کرتے ہوتے تھے۔" سمجھ میں نہیں آتا کہ اس روایت کی صحت کے بارے میں مسلم سے سوال کیا جائے یا ہشام بن عروہ راوی سے یا پھر خود ام المومنین سے۔؟ کفر والحاد سے ڈرنے والی قوم تو کسی سے بھی سوال کرنے کا حق نہیں رکھتی لیکن ہم ان اوہام سے بالاتر ہیں، ہماری نظر میں ان الزامات کی کوئی وقعت نہیں ہے ہم ہزار صحابی اور ہزار صحیح کتابوں کی توہین برداشت کر سکتے ہیں اگر ان سے حضور اکرمؐ کی توہین ہوتی ہے۔ ہماری نظر میں ان سب کی قدر وقیمت حضور کی عظمت وہیبت کی پاسبانی سے ہے

اس سے ہٹ کر ان کا کوئی وجہ ومقام نہیں ہے ۔ وہ رسولؐ وظیفہ رسالت کو کیا انجام دے گا جس پر جادو کا اثر ہو جائے ۔ وہ مصداق ما ینطق عن الہویٰ کیا بنے گا جس کو اپنے اعمال کی خبر نہ ہو ۔ ؟

سبّ صحابہ

سبّ صحابہ کا اتہام بھی وہ گہرا مرض ہے جس کا علاج دشوار ہے یہ الزام ایک جاہل ومتعصب معاشرے میں یوں عام ہوا ہے کہ حقیقت کے ہاتھ پاؤں بندھ گئے ہیں اور حق کی راہ میں سیکڑوں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں ، حکومت نے سیاسی حریفوں کے لئے کفر والحاد کا قانون وضع کیا ہے اور کفر سازی کے لئے سب صحابہ یا سب شیخین سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے ۔ صاحبان فکر نے مسئلے کی تحقیق یا تہمت کی تفتیش بھی کرنا چاہی تو سیاست نے راستہ روک دیا ۔ اس کی نظر میں شیعہ پر عتاب کرنے کا ذریعہ یہ نہیں ہے کہ نام علی کو درمیان میں لایا جائے بلکہ اس سے بہتر وسیلہ یہ ہے کہ سب وشتم ابوبکر وعمر کا بہانہ تلاش کیا جائے ۔ (المنتظم)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ۱۷۴۰ھ میں افریقیہ کے تمام شہروں میں شیعوں کا قتل عام واقع ہوا جس کا سبب صرف سب شیخین کا اتہام تھا (کامل ۹ ص ۱۱۸)

شیعیت نے جہاں اس سخت مقابلہ سے نقصان اٹھایا اور اس کی نشر واشاعت میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے وہاں اس سے قوت بھی حاصل کی ہے اور وہ اس لئے کہ اس نے اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے بلکہ اپنی روحانی قوت کے بھروسے آگے ہی بڑھتی رہی اس کی نظر میں سب سے اہم فریضہ اسلامی پیغام کو عام کرنا اور مذہب اہلبیتؑ کو باقی رکھنا تھا ۔

علماء سوء نے شیعیت کے خلاف حکومت پرستی میں یہ قانون وضع کیا کہ " اصحاب رسولؐ میں کسی ایک کی تنقیص کرنے والا بھی زندیق وکافر

ہے اس لیئے کہ قرآن و رسول دونوں حق ہیں اور آیات و احادیث کا سلسلہ انہیں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے لہذا ان کی توہین سلسلۂ کتاب و سنت کی توہین ہے اور یہ کفر ہے ۔ (کفایہ خطیب بغدادی ص۴۹)

"سب شیخین میں متہم ہونے والا کافر ہے اسے غسل نہ دیا جائے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس کا کلمہ بیکار سمجھا جائے اسے لکڑی سے ایک گڑھے میں گرا کر اسے بند کر دیا جائے ہاتھ نہ لگایا جائے ۔ (الصارم المسلول ص۵۷۵) ۔ وہ اگر توبہ بھی کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے ۔ (رسائل ابن عابدین ا ص۳۶۴)

بعض لوگوں نے تو انکے ذبیحہ کو بھی حرام قرار دیا ہے اور ان سے شادی بیاہ کو بھی ناجائز ٹھہرایا ہے ۔ صرف اس لیئے کہ حکومت کا قانون شریعت کے سہارے کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اور شریعت کا سہارا ان علماء سوء کے بغیر نہیں مل سکتا تھا ۔

علماء کے درمیان بعض ایسے محتاط بھی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ کو نئے رخ سے بیان کیا ان کا کہنا تھا کہ سب صحابہ کے مجرم کو سیاسی اعتبار سے قتل کر دینا چاہیئے تاکہ ان کا شر و فساد عام نہ ہو سکے ۔ اگرچہ شریعت کے اعتبار سے کلمہ پڑھنے والے کو شادی شدہ ہونے کے باوجود "زنا" "قصاص" اور "بے دینی" کے علاوہ کسی جرم میں قتل نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ مختلف روایات میں وارد ہوا ہے ۔ (رسائل ابن عابدین ا ص۳۶۷)

علماء شیعہ میں علامہ کاشف الغطاءؒ نے شیعہ و سنی اختلاف کے بنیادی اسباب بیان کرتے ہوئے اس مسئلے کو بہترین انداز سے صاف کیا ہے آپ فرماتے ہیں "ہم اس بات کو پوری صراحت کے ساتھ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہہ ہے کہ سنی شیعہ اختلاف کی بنیاد شیعوں کا خلفاء پہ اعتراض، ان کی توہین بلکہ ان پہ سب و شتم ہے

جس سے فریق ثانی کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور نزاع طول پکڑ جاتی ہے ۔ حالانکہ اگر ذرا بھی غور کیا جائے اور عقل و شرع کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات وجہ اختلاف نہیں بن سکتی ۔

۱۔ اس لئے یہ تمام شیعوں کا شعار نہیں ہے بلکہ بعض افراد کا ذاتی طرز عمل ہے جس سے ائمہ معصومین نے منع بھی کیا ہے اور کسی بھی شخص کو سب وشتم کرنے سے روکا ہے لہذا اس انفرادی طریقہ کار کی بنیاد پر پوری جماعت سے اختلاف خلاف عقل و منطق ہے ۔

۲۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تمام شیعہ اس طرز عمل کو جائز جانتے ہیں تب بھی انہیں کافر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ کسی بھی شخص کی توہین کفر نہیں ہے بہت سے بہت ایک معصیت ہے اور معصیت کار ذونوں فریق میں بکثرت پائے جاتے ہیں جس کی بنیاد پر اسلامی برادری کا رشتہ نہیں توڑا جا سکتا ۔

۳۔ ممکن ہے کہ یہ بات باعث فسق و معصیت بھی نہ ہو بلکہ کسی اجتہاد کا نتیجہ ہو جس کی غلطی پر ایک اجر ملتا ہے جیسا کہ خود علماء اسلام نے صحابہ کے باہمی اختلافات کو اجتہاد پر محمول کیا ہے اور خطائے اجتہادی کی بنا پر انہیں معاف کر دیا ہے جناب جمل و صفین اسی فلسفہ کے نتائج ہیں ۔ طلحہ و زبیر و معاویہ اسی خطائے اجتہادی کے ممنون احسان ہیں ظاہر ہے کہ جب اتنے بڑے بڑے معاملات سے ان کی عدالت پہ حرف نہیں آیا تو شیعوں کی عدالت صرف لب کشائی سے کیونکر مجروح ہو سکتی ہے لب کشائی شمشیر کشی اور صف آرائی سے بالاتر تو نہیں ہو سکتی ۔! (رسالۃ الاسلام سال دوم عدد سوم ص۲۶۲)

خاتمۂ بحث

ہماری گفتگو سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ شیعوں پر سب صحابہ کی تہمت

صرف سیاست کی پیداوار ہے جسے اس نے اپنے مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے پیدا کیا تھا اور پھر دشمنان اسلام نے اسے باقاعدہ ہوا دی تاکہ اس طرح مسلمانوں کے باہمی اختلافات بڑھیں اور انہیں اپنے مقاصد کی تکمیل کا موقع مل سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ ہر حملہ کا شکار اور ہر تیر کا نشانہ بن گئے ان سے برائت ایک فریضہ اور ان کے خلاف پروپیگنڈا ایک امر خیر بن گیا، قوم سے صلاحیت تنقید اور آزادی فکر و نظر سلب ہوگئی کوئی یہ پوچھنے والا نہ پیدا ہو کہ سیاست کی بستی سے ہٹ کر وہ امت کہاں ہے جو تمام صحابہ کو گالیاں دیتی ہے؟ وہ افراد کہاں ہیں جو اہلبیت کی خدائی کے مدعی ہیں؟ وہ امت کہاں رہتی ہے جس نے اپنے عقائد مجوسیوں سے لیے ہیں اور پھر انہیں اسلام میں مخلوط کر دیا ہے؟ وہ لوگ کون سے ہیں جنہوں نے قرآن میں تحریف کی ہے اور اس کی کمی کا دعویٰ کیا ہے۔؟

ظاہر ہے کہ ان حالات کا کوئی جواب نہیں ہے حکومت نے یہ باتیں طے کر دی ہیں تو اس کے خلاف بولنے والا کوئی نہیں ہے، کاش قوم کے پاس تھوڑی سی فکر، معمولی سا جذبہ تحقیق اور ادنیٰ سا خوف خدا ہوتا تو یہ مسائل خود بخود واضح ہو جاتے اور یہ معلوم ہو جاتا کہ شیعت کے دائرے میں بڑے بڑے اصحاب رسولؐ صاحبان بدر و بیعت رضوان اور محبان آل محمدؐ ہیں۔ اس میں وہ علماء بھی ہیں جن کے کمال علم کا پوری امت نے اعتراف کیا ہے، وہ کبار فقہاء اور رجال صحاح بھی ہیں جن سے ابوحنیفہ و شافعی و احمد و بخاری وغیرہ نے روایتیں لی ہیں اور اصحاب صحاح نے نقل کیا ہے۔ علامہ شرف الدینؒ نے المراجعات میں ایسے سو افراد کی فہرست پیش کی ہے اور علامہ امینی نے الغدیر میں اس پر اور بھی اضافہ کیا ہے۔ ہمارے پاس تین سو افراد کی فہرست موجود ہے جن کی روایتیں صحاح میں موجود ہیں اور وہ خود علماء شیعہ میں سے تھے۔ (افسوس کہ اس مقام پر گنجائش نہیں ہے ورنہ

ضرور نقل کرتے) ۔

تحقیق ؟

صحابیت کے موضوع پر اس قدر تفصیلی بحث بلا سبب نہیں کی گئی اس بحث کو ہمارے موضوع سے ایک گہرا تعلق تھا اس لئے کہ مذہب اہلبیتؑ کی اشاعت کی راہ میں اس سے بڑا کوئی روڑا نہیں اٹکایا گیا، شیعوں پر سب صحابہ کا الزام اور ان کی تکفیر صرف اس بنیاد پہ تھی کہ یہ لوگ مذہب اہلبیتؑ کے پابند تھے اور انہیں سیاسی مذاہب سے کوئی واسطہ نہ تھا سیاست آل محمدؐ کو مٹانا چاہتی تھی وہ یہ کسی طرح نہیں دیکھ سکتی تھی کہ روئے زمین پہ ان کے چاہنے والے زندہ و باقی رہ جائیں چنانچہ تہمتیں لگا لگا کر فتوؤں کا سہارا ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں تہ تیغ کیا گیا اور وہ خالص محبت اور پاکیزہ نفوس والے محبت آل محمدؐ سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے مفاد عام کی خاطر قربانیاں دیتے رہے، اہلبیتؑ علاوہ غیر کو قابل حکومت نہ مانا اور مصائب سہتے رہے۔ حکومتوں نے مخالف قوانین بنائے ۔ تقرب کے خواستگاروں نے ان پر عمل کیا ۔ فسق و کفر کے فتوے لگے، ان کی توبہ کی قبولیت کی راہ میں پہاڑ حائل کر دئے اور وہ اپنے مسلک پہ جمے رہے، اپنے جادہ سے ایک گام پیچھے نہ ہٹے ۔

حکومت کی روٹیوں پہ پلنے والے علماء نے تہمتیں لگائیں، فتوے دئے قانون بنایا کہ شیعوں سے جنگ جہاد اکبر ہے ۔ ان سے جنگ کرتے ہیں قتل ہو جانا شہادت ہے ۔ ان کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہے ۔ رافضی شیخین کو برا کہے یا ان پہ لعنت کرے تو کافر ہے اور علیؑ کو ان پہ فضیلت دے تو بدعتی ہے ۔ (رسائل ابن عابدین ۲ ص۱۶۹)

(اتہامات کے دروازے پاٹوں پاٹ کھل گئے، خون مباح ہو گئے،

مسلمان مسلمان ہی کے ہاتھوں قتل ہونے لگا، تحقیق حرام بن گئی، تفتیش حال جرم بن گیا۔ اور یہ سب اس لئے کہ حکومت راضی ہو جائے۔ چاہے خدا کتنا ہی غضبناک کیوں نہ ہو؟

اس سلسلے میں دو لفظوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ کیا تمام صحابہ پر طعن کرنا ان سخت ترین احکام کا موجب ہے یا صحابہ میں کچھ استثناء ہے؟ اگر یہ حکم تمام صحابہ کی توہین و تنقیص کرنے والے کے لئے ہے تو ان صحابہ کبار پر یہ حکم کیوں نہیں نافذ کیا جاتا جو عثمان کے قتل میں شریک تھے یا جنہوں نے معاویہ بن ابی سفیان پر اعتراضات کئے تھے؟ کیا یہ تنقیص صحابہ نہیں ہے کہ انہیں بدمعاش، بدکردار، مفسد اور باغی کہا جائے۔ (تاریخ ابن کثیر ۱ ص۱۷۶)

ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ قاتلین عثمان خوارج اور مفسد تھے یہ جماعت باغیوں اور ظالموں کی تھی۔ اور اس قتل میں دوڑ دھوپ کرنے والے بھی خطاکار بلکہ ظالم و باغی و تعدی شعار تھے۔ (حالانکہ اصحاب میں سے تھے) ۔۔ (منہاج السنہ ۳ ص۱۹۱-۲۰۶)

ابن حجر نے عثمان پر اعتراض کرنے والوں کی تعریف یہ کی ہے کہ مجتہد پر اعتراض کرنا غلط ہے اور یہ معترضین درحقیقت بے عقل و بے فہم تھے۔ (صواعق محرقہ ص۶۸)

عدالت کی بحث میں بھی علماء اسلام کا مسلک یہی ہے کہ صحابہ قتل عثمان تک عادل تھے اس کے بعد سے تحقیق کرنا پڑے گی۔ (شرح الفیہ عراقی ۳ ص۱۳)

۲۔ شیعوں نے کبھی دشمن علیؑ کی عداوت کو چھپایا نہیں ان کی نظر میں دشمن علیؑ بنص حدیث پیغمبرؐ منافق ہے اور منافق قرآن جہنم کے آخری طبقہ میں ہو گا۔ اور یہ طے شدہ ہے کہ اصحاب میں ایسے لوگ بھی تھے جو علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے اور آپ کو برا بھلا کہتے تھے بلکہ یہ بات ان کے شعار میں

داخل تھی جیسے کہ معاویہ جس کی عداوت اظہر ہیں ہے جس نے سب علیؑ کو ایک سنت بنا کر ملک میں رائج کیا تھا اور حضرت علیؑ کے چاہنے والوں کو اذیت دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ کیا ان اعمال کی بھی کوئی تاویل ممکن ہے؟ اور کیا حدود کا تعطل، شہادتوں کا ابطال، عورتوں کی بے حرمتی شریفوں کی بردہ فروشی کو بھی خطائے اجتہادی قرار دیا جا سکتا ہے ؟۔ (استیعاب ا صـ۱۰)

کیا ابوالغادیہ صحابی نہ تھے جس نے حضرت عمار کے بارے میں یہ روایت کی تھی کہ عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی اور پھر خود ہی انہیں قتل بھی کیا تھا اور جب لوگوں نے اعتراض کیا تھا تو اپنے جہنمی ہونے کا اعتراف بھی کیا تھا بلکہ یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر اس قتل میں تمام اہل زمین کا ہاتھ ہوتا تو سب جہنم میں چلے جاتے۔ (اسد الغابہ ۵ صـ۲۶۷)

کیا ایسے مجرمین سے برائت کرنے والے کو بھی خارج از دین کہا جا سکتا ہے؟ افسوس کہ بعض محدثین نے ان جرائم کی بھی تاویل کی اور اسے بھی خطائے اجتہادی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ (اصابہ ۴ صـ۱۵۱)

سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون سا اجتہاد ہے جس سے احکام کی تباہی، کتاب خدا کی بربادی صرف صحابہ پرستی کی بنیاد پر جائز ہو جاتی ہے۔ بسر ابن ارطاق کے مظالم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے صرف اس لئے کہ وہ صحابی تھا جبکہ اس کے مظالم کو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تاریخ انگشت بدندان ہو جاتی ہے۔ وہ بسر جس نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا یہاں تک کہ ایک کندی عورت نے کہہ دیا۔" اسے ابن ارطاۃ جو سلطنت کمسن بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر کے اور بے رحمی وانکار فراست پہ قائم ہوتی ہے۔ وہ بہت بری سلطنت ہوتی ہے۔" (کامل ابن اثیر ۳ صـ۱۹۵)

کیا بسر بن ارطاۃ کے مظالم پر سکوت جائز ہے جبکہ ہمارے کانوں میں اس خاتون کے نالہ وشیون کی آوازیں گونج رہی ہیں جو اہل انصاف کی بارگاہ میں فریادی ہے اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی ہے، جس کے اشعار دل میں حزن اور آنکھوں میں درد پیدا کرتے ہیں جس کے دو بچے قثم بن عبدالرحمن نے اس کی گودی سے چھین کر ذبح کرائے اس کے پاس نالہ اور آہ و فریاد کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یعنی زوجہ عبداللہ بن عباس ـــ (استیعاب ۱ ص۱۵۶، کامل ۳ ص۱۹۵)

کیا تقاضائے عدل وانصاف یہی ہے کہ ایسی درد رسیدہ ماں کے نالوں کو سننے کے بعد اس سے اظہار ہمدردی کرنے والے کو مجرم قرار دیا جائے اس لئے کہ اس نے معاویہ جیسے صحابی پر اعتراض کیا ہے۔ کیا اس ظلم عظیم کو بھی اجتہاد اور خطائے اجتہادی پر محمول کیا جا سکتا ہے! اگر یہ ممکن ہے تو پھر معاویہ کو آزاد کر دینا چاہیئے اس کی گردن سے شرعی تکالیف کو اٹھا لینا چاہیئے۔ وہ صحابیت کے قلعہ پر محفوظ رہ کر مسلمانوں کے خون بہاتے رہے تہمتوں پر قتل وغارت کرتا رہے، اور شرع محمدی کے ہر آئین کو زیر پا کچل دے اس لئے وہ صحابی ہے اور صحابی کی گرفت کفر والحاد ہے حالانکہ اگر ایسا کوئی بھی قانون ہوتا تو خود اصحاب کبار اس پر عمل کرتے اور جناب ابوذر معاویہ کی بدکاریوں اور بے ایمانیوں کا اعلان نہ کرتے پھرتے، حضرت عائشہ معاویہ کے قتل حجر بن عدی وغیرہ پر معترض ہو کر لعنت نہ کرتیں ان کی نظر میں یہ عذر نہ قابل قبول ہو جاتا کہ حجر وغیرہ کے قتل میں امت کی صلاح اور ان کے رہنے میں امت کا فساد ہے ـــ اور جواب میں یہ حدیث رسولؐ ارشاد فرماتیں کہ "مقام عذرا میں کچھ ایسے لوگ بھی قتل کئے جائیں گے جن کے قتل پہ خدا اور ملائکہ سب غضبناک ہوں گے۔ (تاریخ ابن کثیر ۸ ص۵۵)

معاویہ کے ان کالے کرتوتوں کے تذکرے کا یہ محل نہیں ہے اس کیلئے

کوئی دوسرا موقع تلاش کیا جائے گا۔ اس وقت خاتمۂ کلام میں ارباب قلم سے یہ گذارش کرنی ہے کہ تاریخی واقعات کے لکھنے سے پہلے تحقیق کر لیا کریں، عقل و منطق کی زبان استعمال کریں اور اندھی تقلید اور بے جا تعصب کا ساتھ نہ دیں۔

ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا نہ ہوگی۔ ہماری نظر میں آج کا معاشرہ با فکر، باشعور ہو چکا ہے وہ اختلاف کو نظر انداز اور اتہامات کو دفن کر دینا چاہتا ہے۔ خدا ہماری امید کو نا امید نہ کرے وہی توفیق دینے والا ہے اور اسی پہ ہمارا اعتماد ہے۔

پروردگارا! مسلمانوں کی نصرت فرما، ان کے کلمہ کو متحد کر۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیج دیا تاکہ وہ تیرے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے چاہے یہ بات مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔!

وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ الطاہرین و اصحابہ المنتجبین

آئندہ ملاقات، تیسری جلد میں

والسلام